ماہنامہ

# حنا

دسمبر 2020



بسم اللہ الرحمن الرحیم











سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماهنامه حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com




قارئین کرام! سال 2020ء کا آخری شمارہ پیش ہے۔

2020ء انسانی تاریخ میں ایک یادگار حیثیت رکھتا ہے۔ اس سال سے پہلے تک جدید دنیا میں بین الاقوامی سطح پر دہشت گردی اور دوسرے ممالک پر فوج کشی کی صورت حال سے سنبھلی بھی نہ تھی کہ کورونا کی ہلاکتوں نے دنیا کا نظام درہم برہم کر کے رکھ دیا۔ ایک نظر نہ آنے والا جرثومہ دنیا بھر میں انسانوں کو ہلاک کر رہا ہے اور اب تک اس کا کوئی علاج دریافت نہ ہو سکا ہے۔ اس جرثومے کی ہلاکت خیزی نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ انسان جو اپنی مادی ترقی پر اتراتا تھا اس کا غرور قدرت نے ایک چھوٹے سے نہ نظر آنے والے جرثومے سے خاک میں ملا دیا ہے اور دنیا بھر میں ڈاکٹر مریضوں کو اسلام کے صدیوں پہلے بتائے گئے وضو کے طریقے کے مطابق ہاتھ دھونے کی تلقین کر رہے ہیں۔ آج بھی مسلمان ملکوں میں اس وبا کی شدت سے ہلاکتوں کی تعداد اگر دوسرے مہذب ممالک کے مقابلے میں کم ہے تو اس کی ایک وجہ پانچ وقت نماز کے لیے وضو کرنا اور جسمانی صفائی کا خیال ہے۔ پاکستان میں اب کرونا کی دوسری لہر شروع ہوئی ہے لیکن لوگ پہلی لہر پر قابو پانے کی خوشی میں شاید زیادہ پرواہ نہیں کر رہے ہے۔ اگر ہم نے احتیاطی تدابیر اختیار نہ کیں تو گمان ہے کہ یہ لہر پہلی لہر سے زیادہ خطرناک ہوگی۔ اس لیے گزارش ہے کہ احتیاط کیجیے اپنے لیے اور اپنے پیاروں کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ (آمین)

سالگرہ نمبر: جنوری کا شمارہ ''سال نو'' کے ساتھ سالگرہ نمبر بھی ہوگا۔ مصنفین سے گزارش ہے کہ وہ اپنی تحریریں دس دسمبر تک ارسال کر دیں۔

اس شمارے میں: نورین معشوق چوہان، حنا بشریٰ اور فرحت انصاری کے مکمل ناول، ندا حسنین کا ناولٹ، عبادت شاہ، سونیا چوہدری اور اقرا الیاس کے افسانے ام مریم اور سدرۃ المنتہیٰ کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر

سردار طاہر محمود





## حمد باری تعالیٰ

نام بھی تیرا عقیدت سے لیا جاتا ہوں
ہر قدم پر تجھے سجدے بھی کیے جاتا ہوں

کوئی دنیا میں مرا مونس و غمخوار نہیں
تیری رحمت کے سہارے پہ جیئے جاتا ہوں

تیرے اوصاف میں اک وصف خطا پوشی ہے
اس بھروسے پہ خطائیں بھی کیے جاتا ہوں

آزمائش کا محل ہو کہ مسرت کا مقام
سجدہ شکر بہر حال کیے جاتا ہوں

زندگی نام ہے اللہ پہ مر مٹنے کا
یہ سبق سارے زمانے کو دیے جاتا ہوں

صبر کرنا ہے تری شان کریمی کو عزیز
میں یہی سوچ کر آنسو بھی پیے جاتا ہوں

ہر گھڑی اس کی رضا پیش نظر ہے اپنی
شکر ہے ایک سلیقے سے جیے جاتا ہوں

اقبال عظیم



## نعت رسول مقبولﷺ



کس کا جمال ناز ہے جلوہ نما یہ سو بہ سو
گوشہ بگوشہ در بدر قریہ بہ قریہ کو بہ کو

اشک فشاں ہے کس لئے دیدہ منتظر مرا
دجلہ بہ دجلہ یم بہ یم چشمہ بہ چشمہ جو بہ جو

مری نگاہ شوق میں حسن ازل ہے بے حجاب
غنچہ بہ غنچہ گل بہ گل لالہ بہ لالہ بو بہ بو

جلوہ عارض نبیؐ رشک جمال یوسفی
سینہ بہ سینہ سر بہ سر چہرا بہ چہرا ہو بہ ہو

زلف دراز مصطفٰےؐ گیسوئے لیل حق نما
طرہ بہ طرہ خم بہ خم حلقہ بہ حلقہ مو بہ مو

یہ میرا اضطراب شوق رشک جنون قیس ہے
جذبہ بہ جذبہ دل بہ دل شیوہ بہ شیوہ خو بہ خو

[illegible] جمال میرا شریک حال ہے
[illegible] ا بہ غم نعرہ بہ نعرہ ہو بہ ہو

رئیس امروہوی

# پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں

## ریا

محمود بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خطرہ ''شرک اصغر'' کا ہے۔''

بعض صحابہؓ نے غرض کیا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ شرک اصغر کا کیا مطلب ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''ریا، (یعنی کوئی نیک کام لوگوں کے دکھاوے کے لئے کرنا۔)''

(معارف الحدیث، مسند احمد)

اخلاص وللّٰہیت (یعنی ہر نیک عمل کا اللہ تعالیٰ کی رضا ورحمت کی طلب میں کرنا، جس طرح ایمان وتوحید کا تقاضا اور عمل کی جان ہے، اسی طرح ریا وشمعہ یعنی مخلوق کے دکھاوے اور دنیا میں شہرت اور ناموری کے لئے نیک عمل کرنا ایمان و توحید کے منافی اور ایک قسم کا شرک ہے۔''

(معارف الحدیث)

شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے۔

''جس نے دکھاوے کے لئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لئے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لئے صدقہ وخیرات کیا اس نے شرک کیا۔''

(مسند احمد، معارف الحدیث)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''آخری زمانے میں کچھ ایسے مکار لوگ پیدا ہوں گے جو دین کی آڑ میں دنیا کا شکار کریں گے، وہ لوگوں پر اپنی درویشی و مسکینی ظاہر کرنے اور ان کو متاثر کرنے کے لئے بھیڑوں کی کھال کا لباس پہنیں گے ان کی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی ہوں گی، مگر ان کے سینے میں بھیڑیوں کے سے دل ہوں گے (ان کے بارے میں) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، کیا یہ لوگ میرے ڈھیل دینے سے دھوکا کھا رہے ہیں، یا مجھ سے نڈر ہو کر میرے مقابلے میں جرأت کر رہے ہیں، پس مجھے قسم ہے کہ میں ان مکاروں پر انہی میں سے ایسا فتنہ پیدا کروں گا جو ان میں سے عقلمندوں اور داناؤں کو بھی حیران بنا کر چھوڑے گا۔''

(جامع ترمذی)

## زنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''دونوں آنکھوں کا زنا (شہوت سے) نگاہ

کرنا ہے اور دونوں کانوں کا زنا (شہوت سے) باتیں سننا ہے اور زبان کا زنا (شہوت سے) کسی کا ہاتھ وغیرہ ہے اور ہاتھ کا زنا (شہوت سے) کسی کا ہاتھ وغیرہ پکڑنا ہے اور پاؤں کا زنا (شہوت سے) قدم اٹھا کر جانا ہے اور قلب کا زنا یہ ہے کہ (شہوت سے) وہ خواہش کرتا ہے اور تمنا کرتا ہے۔"

(مسلم، حیاۃ المسلمین)

## غصہ

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو چاہیے کہ وہ بیٹھ جائے، پس اگر بیٹھنے سے غصہ فرو ہو جائے تو فبہا اور اگر پھر بھی غصہ باقی رہے تو چاہیے کہ لیٹ جائے۔"

(مسند احمد، جامع ترمذی، معارف الحدیث)

سہل بن معاذ اپنے والد ماجد حضرت معاذ رضی تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"جو شخص پی جائے غصہ کو، درانحالیکہ اس میں اتنی طاقت اور قوت ہے کہ اپنے غصے کے تقاضے کو وہ نافذ اور پورا کر سکتا ہے (لیکن اس کے باوجود محض اللہ کے لئے اپنے غصے کو پی جاتا ہے اور جس پر اس کو غصہ ہے اس کو کوئی سزا نہیں دیتا) تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ساری مخلوق کے سامنے اس کو بلائیں گے اور اس کو اختیار دیں گے کہ حوران جنت میں سے جس حور کو چاہے اپنے لئے انتخاب کر لے۔"

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، معارف الحدیث)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسلمانو! اگر تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اس کو لازم ہے کہ وہ خاموش ہو جائے۔

(عن ابن عباس)

وہ آدمی طاقت ور نہیں ہے جو لوگوں کو دباتا اور مغلوب کرتا ہو، بلکہ وہ آدمی طاقتور ہے جو اپنے نفس کو دبا سکتا اور مغلوب کر سکتا ہو۔

(عن ابی ہریرہ، معارف الحدیث)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ رضائے الٰہی کے لئے غصے کے گھونٹ کو پی جانے سے بڑھ کر کوئی دوسرا گھونٹ نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب غصہ آئے تو وضو کر لینا چاہیے۔

اگر کھڑے ہونے کی حالت میں غصہ آئے تو بیٹھ جائے اگر بیٹھنے کی حالت میں غصہ آئے تو لیٹ جائے، غصے کے وقت اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم پڑھنے سے غصہ جاتا رہتا ہے۔

(بخاری و مسلم)

## غیبت

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"غیبت زنا سے زیادہ سخت اور سنگین ہے۔"

بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ "حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! غیبت زنا سے زیادہ سنگین کیونکر ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"(بات یہ ہے) کہ آدمی اگر بدبختی سے زنا کر لیتا ہے تو صرف توبہ کرنے سے اس کی معافی اور مغفرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو سکتی ہے، مگر غیبت کرنے والے کو جب تک خود وہ شخص معاف

...رد ے جس کی اس نے غیبت کی ہے، اس کی
...افی اور بخشش اللہ کی طرف سے نہیں ہوگی۔"

(معارف الحدیث، شعیب الایمان، البیہقی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
...ایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
...دن فرمایا۔

"کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کس کو کہتے
...ں؟"

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔

"اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو زیادہ معلوم
...ے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا۔

"تمہارا اپنے بھائی کی کوئی ایسی برائی کا
...کرنا، جو واقعہ اس میں موجود ہو اور اگر اس میں
...برائی اور عیب موجود ہی نہیں ہے، (جو تم نے
...کی طرف منسوب کر کے ذکر کیا) تو پھر یہ تو
...ان ہوا اور یہ غیبت سے بھی زیادہ سخت اور
...ین ہے۔"

(معارف الحدیث، حیوۃ المسلمین، صحیح مسلم)

## ...نت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
...یت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
...یا کہ جس شخص نے تمہیں قابل اعتماد سمجھ کر اپنی
...ت تمہارے پاس رکھی ہے، اس کی امانت
...س کر دو اور جو تم سے خیانت کرے تو تم اس
...ساتھ خیانت کا معاملہ نہ کرو، بلکہ اپنا حق
...ل کرنے کے لئے دوسرے جائز طریقے
...ار کرو۔"

(ترمذی)

## ...انی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اپنے آپ کو بدگمانیوں سے بچاؤ اس لئے کہ بدگمانی کے ساتھ جو بات کی جائے گی وہ سب سے زیادہ جھوٹی بات ہوگی۔"

اور دوسرے کے معاملات میں معلومات حاصل کرتے مت پھرو اور نہ ٹوہ میں لگو اور نہ آپس میں تناجش کرو اور نہ ایک دوسرے سے بغض رکھو اور نہ ایک دوسرے کی کاٹ میں لگو اور اللہ کے بندے بنو، آپس میں بھائی بھائی بن کر زندگی گزارو۔"

(بخاری و مسلم)

حضرت ابو العالیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم کو اس بات کا حکم اور ہدایت کی گئی ہے کہ ہم اپنے خادموں سے اپنے مال و متاع کو مقفل رکھیں اور ان کو اگر استعمال کے لئے کچھ دیا جائے تو ناپ کر یا گن کر دیں (اس خیال سے) کہ کہیں ان کی عادت بگڑ نہ جائے یہ ہم میں سے کسی کو کوئی بدگمانی نہ ہو۔

(بخاری، ادب المفرد)

## دوزخی

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"دنیا میں جو شخص دورخا ہوگا اور منافقوں کی طرح مختلف لوگوں سے مختلف قسم کی باتیں کرے گا قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔"

(معارف الحدیث، سنن ابی داؤد)

☆☆☆

# ہم دعوت نامہ لے آئے گئے

انشاءنامہ

ابن انشاء

ایک زمانے میں ہمارے ملک کے ایک مشہور صوفی بزرگ نے ایک روغن گیسو دراز ایجاد کیا تھا، جس کی تعریف نہ سنی تھی کہ ایک قطرہ اس کا ایک بلی پر گر گیا اور دیکھتے دیکھتے اس پر بالوں کی ایسی گھٹا چھائی کہ منہ سر چھپ گیا، اسی پر بس نہیں پاس ہی بوٹ پالش کا برش پڑا تھا، چند چھینٹے اس پر بھی پڑ گئے، اس کے بال جو بڑھنے لگے تو چھت کی خبر لانے لگے، اس کو استعمال کرنے میں بڑی احتیاط لازم تھی، ایک آدھ بار کسی نے ہتھیلی سے سر میں مل لیا اور اس کے بعد ہر روز ہتھیلی کی شیو کرانا لازم ہو گیا، اس کے لگانے کے لئے ربڑ کے دستانے پہننے کی ہدایت تھی، بال اس پر بھی اُگ آتے تھے، لیکن اسے پھینکا جا سکتا تھا۔

بعض لوگوں کو شاید اس تعریف میں مبالغے کی بو آئے، لیکن ہم جب دیکھتے ہیں کہ ایسی گولیاں ایجاد ہو چکی ہیں، جن کے کھانے سے قد لمبا ہو سکتا ہے اور ایسے روغن نکل آئے ہیں، جن کے استعمال سے رنگ گورا اور بال کالے ہو جاتے ہیں تو قطعاً تعجب کی گنجائش نہیں رہتی، بال گھنگریالے بنانے والے تیل کا اشتہار ہم ایک مدت سے پڑھ رہے ہیں، لیکن اب ایک مضمون سے پتا چلا کہ فیشن بدل رہا ہے، اب خواتین نے بالوں کے بل نکالنے اور ان کو تکلے کی طرح سیدھا کرنے کے لئے بالوں پر استری کرانا شروع کرا دیا ہے، یہ فیشن چلا تو ولایت سے تھا، لیکن اب یہاں بھی آ گیا ہے، کل جو ہم اپنا سوٹ استری کرانے کے لئے تاج پنجاب اپٹوڈیٹ لانڈری رجسٹرڈ میں گئے تو ماسٹر اللہ دتہ نے کہا کہ۔

”جناب! آپ کے سوٹ کی باری کل آئے گی، آپ دیکھتے ہیں، کتنی خواتین انتظار کر رہی ہیں، پہلے ان کے بالوں پر استری کر لوں۔“

گویا ہمارے دیکھتے دیکھتے دھوبیوں کی چاندی ہو گئی اور ہیر ڈریسر حضرات کا کاروبار چوپٹ ہوا، خیر امید کی جاتی ہے کہ اب لانڈریوں کا کاروبار اتنا بڑھے گا کہ ان صاحبوں کی اس میں کھپت ہو جائے گی، جہاں آپ نے گھر آ کر پوچھا کہ۔

”بیگم کہاں گئی ہیں؟“ بچوں نے بتایا کہ ذرا لانڈری تک گئی ہیں، ابھی آتی ہیں۔“

”ہیر ڈریسروں کے روزگار پر فقط دھوبیوں کی طرف سے چوٹ نہیں پڑی، مالیوں کی طرف سے بھی پڑی ہے، کل ایک صاحبزادے ملنے آئے جن کے بالوں کی اوپری سطح ایسی میدانی اور مسطح تھی کہ اس پر غالیچہ بچھا کر بیٹھ کر حقہ پینے کو جی چاہتا تھا، ہم نے پوچھا تو نہیں، لیکن ظاہر ہے وہ اپنے بالوں پر لان کی گھاس کاٹنے والی مشین چلوا کر آئے تھے، بعض لوگ سر کو استرے سے صفا چٹ کروانا بھی پسند کرتے ہیں، اس کا فائدہ یہ ہے کہ پھر گھر میں آئینہ رکھنے کی حاجت نہیں ہوتی، اس پر ذرا سا تیل لگایا اور جس نے چاہا، جب ذرا گردن جھکا لی اور (اپنی صورت) دیکھ لی۔

ایک صاحب نے یہ رجحان دیکھ کر صفہ چٹ ہیر آئل کے نام سے اپنے تیل کا اشتہار دینا

شروع کر دیا اور وہ خوب چل نکلا ہے، لیکن تحقیق سے معلوم ہوا یہ وہی تیل ہے، جس سے جناب مشتہر گنجوں کے سر پر شرطیہ بال اُگانے کی گارنٹی دیا کرتے تھے، چونکہ اشتہار کی عبارت میں ضروری تبدیلی کر دی گئی ہے، اس لئے نسخے میں تبدیلی کی قطعاً حاجت نہیں رہی، بات یہ ہے کہ دواؤں کا اتنا سارا اسٹاک کون ضائع کرے، عبارت بدلنا اس سے کہیں زیادہ سہل اور کم خرچ ہے، ترکیب استعمال کو البتہ مزید آسان بنا دیا گیا ہے، وہ یوں کہ کسی کو مالش کے لئے اس کی بو ناگوار محسوس ہو تو اس کے دو چمچے نہار منہ پی لے، اثر یکساں ہوگا، کیا ہوگا اس کی اشتہار میں پوری طرح وضاحت نہیں کی گئی ہے۔

☆☆☆

ہمارے قصبوں کے پرانے ڈاکٹر بڑے جامع العلوم ہوتے تھے، دانت کے درد سے لے کر امراض چشم، امراض معدہ، امراض ناک، کان گلا (اضافت کے لئے معاف فرمایئے) حتیٰ کہ تپ دق اور کتے کے کاٹے کا علاج بھی خود ہی کر لیا کرتے تھے، شہروں کی طرح نہیں کہ ہر ڈاکٹر کا علم بس اپنے شعبے تک محدود ہے، ہمیں کھانسی تھی اور معمولی تھی، لیکن ہمارے دوست ڈاکٹر اظہر ماہر امراض چشم نے بھی دیکھتے ہی سر ہلا دیا کہ کھانسی کے ماہر کے پاس جاؤ، عینک لگوانی تھی تو ڈاکٹر سرور ماہر امراض معدہ ہماری کوئی مدد نہ کر سکے۔

ہمارے گھٹنے میں چوٹ آئی تو ہم قریب ترین دندان ساز کے پاس گئے، اس نے دیکھتے ہی دانت نکال دیے کہ میں تو گھٹنے کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا، ہاں کہو تو تمہاری بتیسی کھڑے کھڑے نکال دوں اور تو اور شہر میں ہم نے مویشیوں اور آدمیوں کے جدا جدا ڈاکٹر دیکھے، دیہات میں ایسا کوئی امتیاز نہیں، بکری بیمار ہو تو ڈاکٹر صاحب کے پاس لے جاؤ، خود کو ملیریا ہو جائے تو سلوتری صاحب کے پاس چلے جاؤ، شہروں والے تو ہر بات میں باریکی دکھاتے ہیں، مین میخ نکالتے ہیں۔

بارے ڈاکٹر کو نہ سہی دوا سازوں کو اس بات کا احساس ہوا کہ امراض کتنے بھی ہوں، ان کے لئے الگ الگ دوائیں بنانا خوامخواہ پریشان مریضوں کو اور پریشان کرنا ہے، یہ سچ ہے کہ ہمیں جب بھی مکسچر اور پڑیاں اور گولیاں دی گئی ہیں کہ فلاں وقت پیو، یہ اتنے گھنٹے بعد پھانکو اور گولی اس کے دس منٹ بعد نگلو تو ہمارا سارا حساب گڑبڑ ہو گیا اور ہم حسب توقع ان سب دواؤں کو ایک ہی وقت معدے یا نالی میں ڈالتے رہے۔

خیر ہم نے اوپر ایک دوا کا ذکر کیا ہے جسے گنجا لگائیں تو وہ دن میں یہ ماجرا ہو کہ جنگل کا جنگل ہرا ہو جائے اور بالوں والے لگائیں تو آئینہ کو آئینہ دکھائیں، ایک اور دوا ہمارے ایک کرم فرما نے نکالی ہے جو ملیریا، تپ دق، پیتہ، محرقہ سب کے لئے اکسیر ہے، آنکھ میں ڈالنے سے عینک چھوٹ جاتی ہے اور دانتوں پر لگائی جائے تو نئے دانت آ جاتے ہیں، ایک صاحب اس کی یوں توجیہہ کرتے ہیں کہ بینائی جاتی رہے تو عینک کی کہاں حاجت رہ جاتی ہے اور جب دانت ہی جھڑ جائیں تو دندان ساز کے ہاں سے نئے دانت کیوں نہ آئیں گے، خیر اتنا ہم ضرور کہیں گے کہ یہ قبض کو دور کرتی ہے اور اسہال میں مفید ہے۔

جوڑوں کا درد، کان کا درد، داد، چنبل، مغلشی پھوڑے ہچکی آنے، یرقان، بانجھ پن، اور دماغی کمزوری کا یہ حکیمی علاج ہے، اس کی ہمہ گیر افادیت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ چارپائی پر

چھڑکی جائے تو کھٹمل فوراً مر جاتے ہیں، ہاں کوئی بڑا جانور ہو، مثلاً آدمی تو اسے متواتر کئی خوراکیں دینی پڑیں گی، تب یہ کما حقہ اثر دکھائے گی۔

خاتون نے اپنی ڈائری میں ذکر کیا ہے کہ وہ کسی ڈاکٹر کے پاس گئیں، ان سے دوائی لی اور باہر آ کر نالی میں پھینک دی، گھر پہنچنے تک وہ صحت یاب ہو چکی تھیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض ڈاکٹروں کی دوائیں ایسی ہی سریع الاثر ہوتی ہیں، ہم نے خود ہمیشہ یہی کیا اور عموماً دو تین خوراکیں نالی میں پھینکنے سے کلی طور پر صحت یاب ہو گئے، ڈاکٹروں کے مطبوں کے باہر بڑی بڑی نالیاں اسی مقصد کے لئے ہوتی ہیں، لیکن بعض نو مشق مریض پھینکنے کے بجائے دوا گھر لے جاتے ہیں اور اسے پی لیتے ہیں اور پھر نقصان اٹھاتے ہیں۔

ابھی تو اس اتوار کو جب ہم نے اپنی نئی غزلیں سنانے کے لئے اپنے گھر پر مشاعرہ کیا، (کوئی اور اس کا اہتمام کرنے پر راضی نہ ہوا) تو ہم دعوت نامہ لے کر اپنے پڑوسی ڈاکٹر زبیری کے ہاں بھی گئے، وہ اس وقت مصروف تھے، لہٰذا ہم بھی ایک بینچ پر بیٹھ کر اخبار پڑھنے لگے، یکایک کسی نے ہماری آستین اٹھائی اور ہم نے سوئی کو تب دیکھا جب وہ ہمارے گوشت میں سے نکل رہی تھی، ہم نے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب! میں تو یہ دعوت نامہ لے کر حاضر ہوا تھا، شام کو تشریف لائیے، ماحضر تناول فرمائیے اور تازہ کلام سنئے۔"

ڈاکٹر صاحب بولے۔

"ضرور حاضر ہوں گا، لیکن اس انجکشن کے تین روپے کمپونڈر کو دیتے جائیے گا اور خوراک میں کھٹی چیزوں بڑے گوشت اور چاولوں سے پرہیز لازم ہے، کل اسی وقت پھر آئیے گا اور مکسچر کے لئے خالی شیشی ساتھ لائیے گا۔"

☆☆☆

# امیدِ صبحِ جمال

ام مریم

## بارھویں قسط کا خلاصہ

معیز کی کزن کی خودکشی کی کوشش آیت اور معیز کے درمیان پہلی چپقلش کا باعث ٹھہرتی ہے، جس کی معیز کوئی خاص پرواہ نہیں کرتا تو آیت کا شک گہرا ہونے لگتا ہے۔
صندلین کو ہاتھ دکھلانے پہ پتا چلتا ہے کہ اس کی دو شادیاں ہوں گی کیونکہ اس کا پہلا شوہر انتقال کر جائے گا، وہ حسین سے شادی کرنے سے گریزاں ہے اب۔
حسین شاہ کو حمرہ کی بدعہدی کی خبر ہو جاتی ہے، وہ اس کے فرار کی کوشش ناکام بنا کر اسے اپنے محل میں لا کر قید کر چکا ہے۔
سلمان بٹ رشتے سے انکار پہ بپھر کر خود عمامہ کے گھر پہ پہنچ کر اسلحہ کے زور پر اس سے اپنے ساتھ کا عہد لیتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

## تیرھویں قسط





میں سلگ سلگ کے ہوا کے ہاتھ میں راکھ تھا
تیری مانگ بھول کے میری راہ میں آ گئی
صف رہروان طلب میں ہم بھی تھے مضطرب
یہ الگ کہ تیری نگاہ ہم پہ نہیں پڑی
میں جہاں جہاں سے ہوں منتشر کسی ذات کا
ہیں وہیں وہیں میرے انکشاف کے راستے
میں تیرے لحاظ سے مطمئن ہوں مگر ذرا
کبھی غور کر میری بے قراری پہ غور کر
ہمیں اس قدر تو وہ یاد آیا نہ تھا کبھی
شب ہجر بھی اتنی اداس پہلے کبھی نہ تھی

''اسد......اٹھو بھئی کھانا نہیں کھانا؟''

سب سے پہلے نارمل ہونے والی عمامہ ہی تھی، معمول کے مطابق ایسے ٹیبل سجانے لگی جیسے کچھ دیر قبل کوئی قیامت ہی نہ ٹوٹی ہو ان پہ، اسد کے ساتھ ماما اور بابا نے بھی حیران ہو کر اس کے اطمینان کو دیکھا تھا۔

''بابا......کم آن......کھانا ٹھنڈا ہو جائے تو آپ کو پتا ہے میرا موڈ خراب ہو جاتا ہے۔'' وہ زری سے جھنجھلا پڑی، انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے بیوی کو دیکھا جو ہنوز مضطرب و بیکل نظر آتی تھیں اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

''آئیے نیک بخت۔'' انہوں نے بیوی کو ہمت دلائی۔

''مجھے بھوک نہیں، بلکہ بھوک اس کم بخت نے اڑا دی ہے۔'' وہ پھر سے پھپھک پڑیں، عمامہ خاموش نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''میرا خیال ہے پہلے کھانا کھا لیا جائے، پھر اس موضوع پہ بات ہو جائے گی۔'' وہ آہستگی سے بہت مدھم [illegible] بولی۔

''ہائے کیا خاک بات ہوگی اس فتنے کی [illegible] کب چڑھ گئیں تم جو اس نے سب کی زندگی اجیرن کر ڈالی۔'' ماما کا انداز دہائی دینے والا ہو گیا، بابا نے بے ساختہ ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھا، عمامہ نے ہونٹ بھینچ لئے، اسے اب وہ حادثہ یاد آیا تھا جب پہلی بار یہ بندہ اس سے ٹکرایا، پاپنگ مال میں وہ اپنی دوست کے ہمراہ آئی تھی، تب گلاس ڈور دھکیل کر باہر آتے وہ بچتے بچتے بھی بہت عجلت میں اندر داخل ہوتے اس سے ٹکرا گئی تھی۔

''اندھے نہ ہونے کے باوجود یہ اندھا پن تم جیسوں کی کمینگی کا ہر مظہر ہو سکتا ہے اور کچھ نہیں۔'' وہ جتنا بچتی تھی غیر مرد سے پرہیز کرتی یہ ٹکراؤ اس قدر اس کا موڈ خراب کر گیا تھا۔

''اس بدمزگی کی وجہ میم، لڑکیاں تو ہمارے قریب آنے کی حسرت میں جیتی ہیں۔'' ایسا اوندھا جواب عمامہ کا دماغ خراب کرنے کو کافی تھا۔

''اپنے معیار کی عورتوں کی بات کر رہے ہو گے تم، ورنہ میں اس جرأت پہ تمہیں تھپڑ مارنے کا

ارادہ رکھتی ہوں، سمجھے تم؟'' وہ پھنکار اٹھی تھی، صالحہ نے اس کا بازو دبایا تھا مگر وہ بپھر چکی تھی۔
''اپنی اوقات پہچانو لڑکی، تمہیں اندازہ نہیں تم کس سے مخاطب ہو۔'' وہ لہجہ بدل کر غرایا، صالحہ خائف نظر آنے لگی۔
''کون ہو تم، اگر وقت کے فرعون بھی ہو تو میں تم سے نہیں ڈرتی، غلط کو غلط ہی کہا جائے گا، اس کی تحسین نہیں کی جا سکتی۔'' اس نے جواباً ملامت جاری رکھی، سلمان بٹ پہلی مرتبہ چونکا تھا، بغور اسے دیکھا، نازک اندام حسن گویا پورے لباس اور دوپٹہ اچھی طرح اوڑھے ہونے کے باوجود امڈا چلا آ رہا تھا، وہ واقعی چلتی پھرتی قیامت تھی۔
''واہ، اتنی جرأت ہے تو پھر اٹھاؤ ہاتھ، کر دو اپنا شوق پورا۔'' سلمان کو اسے زچ کرنے میں لطف محسوس ہوا، صالحہ اب کے بالکل سٹپٹا گئی، اسے کھینچتی ہوئی اپنے ساتھ گھسیٹ لے گئی تھی۔
''پاگل ہوئی ہو، ایسے بدمعاشوں کے منہ نہیں لگتے، شکل سے ہی غلط آدمی لگتا ہے۔'' وہ گھبرائی ہوئی تھی، عمامہ کو بھی غلطی کا احساس ہو گیا تھا، خاموش رہی، گاڑی میں بیٹھتے اس نے لاشعوری طور پر پلٹ کر دیکھا وہ وہیں جما کھڑا تھا نظریں اسی پہ تھیں، عمامہ کا دل تھرا سا گیا مگر سر جھٹک دیا تھا، یہ واقعہ جتنا بھی ناخوشگوار سہی مگر چند دن بعد اپنا اثر کھو گیا تھا۔
''تمہیں کیا ضرورت تھی اس فضول آدمی کی بات ماننے کی؟'' اسد اب خود کو سنبھال چکا تھا، مضطرب ہو کر بولا۔
''میں نے اس کی بات نہیں مانی، ڈونٹ یو وری۔'' اس جواب نے تینوں کو ٹھٹکا دیا۔
''کیا کہہ رہی ہو؟''
''میں ہرگز بھی اپنی بیٹی کو اس غلط انسان کے حوالے نہیں کروں گا۔'' بابا نے بھی اپنا فیصلہ سنا دیا۔
''مم...... مگر وہ اس قسم کی حرکت دوبارہ بھی کر سکتا ہے۔'' ماما نے بے ساختہ اسد کو خود سے لپٹایا۔
''اس کا بھی کوئی حل نکال لیں گے۔'' بابا پریشان ضرور تھے مگر ہتھیار نہیں ڈالے تھے۔
''میں اظہر سے بات کرتا ہوں، وہ فی الفور اسد کے جرمنی جانے کا انتظام کرے۔'' انہوں نے مسئلے کا ایک حل نکالا۔
''لیکن اگر عمامہ یہاں ہے تو اس کا مطلب خطرہ موجود ہے۔'' ماما کی بے چینی سوا تھی۔
''بھئی کھانا تو کھائیں۔'' عمامہ نے احتجاج بلند کیا جس کی طرف کسی کا بھی دھیان نہیں تھا۔
''آفاق ہے نا، میں پہلی فرصت میں اس کی فیملی کو اعتماد میں لے کر یہ نکاح پڑھواتا ہوں، ساتھ ہی اسد کو بھی آج رات ہی لاہور بھجوا دوں گا بھائی جان کے پاس، جب تک اس کے جرمنی جانے کا انتظام نہیں ہوتا یہ وہیں رہے گا۔'' بابا اب مطمئن نظر آنے لگے تھے، ماما کی بھی قدرے تسلی ہوئی۔
''میں تو کہتی ہوں ہم سب کو ہی فی الفور یہاں سے چاچو کے گھر چلے جانا چاہیے۔'' عمامہ کی اصلاح پہ بابا نے تائیدی نظروں سے ماما کو دیکھا۔

''مگر اس بات کی وضاحت کیا کریں گے؟ بیٹی کی عزت کا معاملہ ہے۔'' ماما ہچکچائیں۔
''میرا بھائی ہے وہ، ہماری عزت اس کی عزت ہے۔'' بابا نے بے فکری سے کہا۔
''ٹھیک ہے، اب کھانا تو کھائیں۔'' عمامہ نے مسکرا کر کہا۔
''بیٹے آپ کو آفاق کے رشتے پہ کوئی اعتراض تو نہیں؟'' بابا نے نوالہ توڑتے ہوئے اسے دیکھا، وہ ایک دم گڑبڑا گئی۔
''اس سلمان سے تو بہرحال اچھے ہوں گے آفاق صاحب۔'' وہ نظریں جھکا کر بولی تو بابا آہستگی سے مسکرا دیئے تھے۔
''بہت اچھا ہے، بالکل بے فکر ہو جاؤ بیٹے۔'' انہوں نے اس کا سر تھپکا تھا، اس کے وہ بھی مسکرا دی تھی۔

☆☆☆

تو میرے لئے وہ بساط تک نہ پلٹ سکا
جسے چھوئے جانے میں بھی شکست کا خوف تھا
مجھے جاں کنی کی سرشت کا بڑا علم ہے
میں گزار آیا ہوں نارسائی کی بے بسی
سوئے کار زار فنائے ہستی مضطرب
مجھے لے چلے ہو تو صبر و شکر کا ذریعہ یوں
مجھے اپنے آپ میں مل گئی ہیں تسلیاں
میں کچھ اس لئے بھی تو ہنس پڑا ہوں یقین پر
جنہیں ڈر نہیں انہیں موت تک کا بھی ڈر نہیں
جنہیں خوف ہے انہیں زندگی کا بھی خوف ہے

وہ اپنے دھیان میں ادھر آئی تھی، دادی کو فون پہ مصروف دیکھ کر وہیں دروازے پہ ہی قدم جم گئے۔
''ایک بات یاد رکھنا حسین اگر اب بھی تم نہ آئے، تم نے میری بات نہ مانی تو میرا مرا ہوا منہ دیکھو گے، وصیت کر کے جاؤں گا دنیا سے کہ تمہیں میرے جنازے کو بھی ہاتھ نہ لگانے دیا جائے۔''
وہ رو رہی تھیں، صندلین کا دل کسی نے مٹھی میں لے کر بھینچ ڈالا، اس کا مطلب تھا دادی اب جیت کا عہد لے کر میدان میں اتری تھیں، اب وہ ہار نہیں سکتی تھیں اور ان کی جیت صندلین کے نصیب میں حسین کو شامل کرنا تھی، وہ عجیب سے احساسات لئے کھڑی رہی۔
کیسا مرحلہ تھا، کیسا دوراہا تھا، خوش بختی خود چل کر اس سے گلے مل رہی تھی مگر وہم اور خوف کے شدید احساس نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، وہ جو حسین شاہ کے ساتھ کے بغیر زندگی نہیں چاہتی تھی وہ بھلا حسین شاہ کی موت کی ذمہ دار کیونکر بن جاتی، وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی، پھر وہ کیا کرتی۔
اس کا دماغ شل ہوا جاتا تھا، دوسرا آپشن تھا مگر، اس نے مضطربانہ نظروں سے لان میں

پودوں کو پانی دیتے شیر خان کو دیکھا تھا، دیکھتی رہی اور پھر کچھ سوچے سمجھے بنا اس کے پاس چلی گئی تھی۔

''شیر خان!'' اس نے پائپ شیر خان سے چھین کر پرے پھینک دیا، وہ کچھ حیران ہو کر متوجہ ہوا تھا۔

''جی فرمائیے؟'' نل بند کرتے ہوئے اس نے گہرا سانس بھرا۔

''جا کے کچن میں میرے اور دادی کے لئے چائے بناؤ۔'' اس نے اچانک حکم دیا، سیڑھیاں اتر کر کچن میں آنا دادی کے بس کی بات نہ تھی، وہ ہرگز کوئی مداخلت نہیں چاہتی تھی۔

شیر خان اس حکم پر حیران ہوا مگر کچھ کہے بغیر کچن میں چلا گیا، وہ اس کے پیچھے تھی۔

''مجھ سے شادی کرو گے شیر خان؟''

کچن میں آ کر اس نے اپنے پیچھے دروازہ بند کر دیا، شیر خان کے اعصاب پہ یکلخت کوئی دھماکہ ہوا ہو، پتی کا جار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا، پختہ فرش پہ چائے کی پتی کے ساتھ کانچ بھی بکھر گیا تھا، شیر خان کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھٹ گئیں منہ ذرا سا کھلا رہ گیا تھا۔

''بلکہ مجھے یہ کہنا چاہیے شیر خان تم مجھ سے شادی سے انکار نہیں کرو گے، ادھر دیکھو شیر خان، میں اپنی کلائی کاٹ لوں گی، اپنی جان لے لوں گی میرے کمرے میں میری تحریر موجود ہے جس میں تم پر الزام لگایا ہے میں نے کہ تم نے میری ابروریزی کی ہے، انکار کی صورت میں تم ذلت و رسوائی سے نہیں بچ سکو گے، بولو کیا کہتے ہو؟'' وہ بولتے ہوئے ہانپ گئی، اس کی سانس چڑھی ہوئی تھی اور تاثرات میں ایسی برودت تھی جو اس کے حسین خدوخال کو بگاڑ چکی تھی، شیر خان کا سکتہ ٹوٹا تو اس پہ عجیب سی لرزش طاری ہوگئی۔

''آپ...... ایسا کیوں کر رہی ہو بی بی صیب؟'' وہ اس سکتے سے نکلا تو خود کو سنبھال نہ سکا، روہانسا ہو گیا۔

''بکواس نہ کرو، میری بات کا جواب دو، ہاں یا نہ۔'' وہ ہاتھ میں موجود چھری اس کی پسلی میں چبھوتے ہوئے خونخوار سفاک لہجے میں غرائی تھی، وہ ایک جنونی لڑکی تھی، وہ حسین شاہ کے جنون میں واقعی پاگل ہو چکی تھی۔ شیر خان نے خشک ہونٹوں پہ زبان پھیری۔

''شادی ایسا نہیں ہوتا بی بی صیب، مجھے معاف کر دو۔'' وہ گڑگڑایا تو صندلین نے بے دریغ چھری اس کے کاندھے پہ ماری۔

''کچھ شادیاں ایسے بھی ہوتی ہیں، تم بتاؤ کرو گے، اگر نہیں تو میں اگلا وار تمہارے دل پہ کروں گی، مار ڈالوں گی تمہیں اور پھر خود کو شوٹ کر لوں گی، صاف پتا چلے گا کیوں ہوا یہ سب۔'' اس کا سانس اب دھونکنی کی طرح چل رہا تھا، شیر خان ششدر سا اسے دیکھتا رہ گیا۔

''آپ ایسا نہ کرو بی بی۔'' وہ پھر گھگھیا اور صندلین جس ہیجانی کیفیت میں مبتلا تھی بغیر ہچکچاہٹ کے اس نے چھری والے ہاتھ کو پوری قوت سے بلند کر کے اس کے واقعی پیٹ میں گھونپنا چاہا تھا کہ شیر خان تھرا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

''مم...... میں تیار ہوں۔'' وہ گھگھیایا تھا، صندلین اسے گھورتی رہی تھی پھر چھری پھینک

دی۔

''چلو میرے ساتھ۔'' وہ غرائی۔

''مگر کہاں؟'' شیر خان جو بلائل جانے پہ شکر بھی نہ منا سکا تھا، اس نئے آرڈر پہ حواس باختہ ہو گیا۔

''قبرستان نہیں لے جاؤں گی، نکاح کرنا ہوگا ابھی مجھ سے۔'' وہ ایسے پھنکاری تھی گویا ناگن پھنکاری ہو، شیر خان پہ اس آرڈر نے ایک بار پھر سکتہ طاری کر دیا تھا۔

☆☆☆

کسے بھیج بیٹھا ہوں دے کے خط میں تیری طرف
یہ ہوا یہ وقت بھی کب کسی کے ہوئے بھلا
یونہی بات بات میں ذکر آیا تھا عشق کا
وہ نہ جانے کیسی گھڑی تھی تب سے گئی نہیں
نہ جدا ہوئے ہو کبھی نہ ملتے ہو ٹھیک سے
تجھے کس نے بخشی ہیں رات دن کی یہ عادتیں
یہ جو آسماں ہے کہیں کہیں سے تیخ گیا
کسی بد نصیب کی بدعا تو نہیں لگی
تو تو برف جیسا رہا ہمیشہ سلوک میں
تیرے پرتپاک ملن سے پھیلی ہیں حیرتیں

واپسی کا سفر بہت خاموش تھا، یہاں تک کہ اب صندلین کا ہیجان اور جنون بھی اعتدال پہ آ گیا تھا، مگر البتہ شیر خان کے اندر ابھی بھی طوفان مچل رہے تھے، اسے نکاح نامے پہ دستخط کر کے بھی یقین نہیں آ رہا تھا یہ مرحلہ طے ہو گیا، ہو گیا تو اس معجزے کی وجہ کیا ہوئی، وہ آسمان پہ کیوں اٹھا لیا گیا یکلخت نواز کر۔

اس نے اک چور نگاہ صندلین پہ ڈالی جو اس پل برف کی مانند سفید اور بے حس لگ رہی تھی، برف کی چوٹی کی طرح بے حس مگر خوفناک بھی اور پہنچ سے دور بھی۔

شیر خان کو ابھی تلک بھی کیفیت اپنی دھڑکنوں پہ کنٹرول نہیں ہو سکا تھا، اسے یہ سب کسی خواب جیسا محسوس ہو رہا تھا، شاید ڈراؤنا یا پھر بہت حسین خواب سنہرا خواب جس کے طلسم نے اسے جکڑ کر بے بس کر ڈالا تھا، آنکھ کھلے گی طلسم بکھرے گا اور سب ختم، اس آخری سوچ نے اسے تقویت دی، ہاں یہ خواب ہے، حقیقت میں ایسا کیونکر ہو سکتا تھا، اس سے قبل بھی وہ جاگتی آنکھوں سے چوری چھپے ایسے خواب سجایا کرتا تھا، اس کے باوجود جانتا تھا اس سے بڑھ کر احمقانہ خواہش کوئی اور نہیں۔

''گاڑی فارمیسی کے پاس روکنا، اور مجھے سکون آور دوا لا دو۔'' معاً وہ صندلین کی آواز پہ چونک گیا، اس کی آواز بھینچی ہوئی اور سرد تھی، شیر خان نے ڈر کر اسے دیکھا، وہ اسے بالکل نارمل نہیں لگی، رنگت بے حد سفید اور آنکھیں خطرناک حد تک سرخ ہو رہی تھیں، شیر خان نے تعمیل کی،

فارمیسی کے سامنے گاڑی کھڑی کر کے خود دوا لینے چلا گیا۔
''یہ آپ کی دوا۔'' شیر خان نے دانستہ اسے نہیں دیکھا، لفافہ سیٹ پہ رکھ کر واپس اپنی جگہ پہ آ گیا تھا۔
''ابھی کیا ہوا شیر خان۔'' معاً گاڑی اسٹارٹ کرتے اس نے پھر صندلین کی سرسراتی آواز سنی تھی، وہ ایک دم بہت چونک گیا۔
''جی......؟'' اس کا انداز سوالیہ تھا، مستغرانہ تھا، صندلین اسے گھورتی رہی، اس کی آنکھوں میں کسی خونخوار بھیڑیئے کی سی حیوانی چمک تھی۔
''آج...... ابھی کچھ نہیں ہوا...... یہ دیکھو...... یہ ختم...... سب ختم...... سن لیا۔'' وہ اپنا بیگ کھول کر نکاح نامہ نکال کر پھاڑنے کے بعد اس کے ٹکڑے اس کی طرف لہرا کر بولی تھی، شیر خان بھونچکا رہ گیا تھا۔
''کیا سمجھے؟''
وہ مجنونانہ انداز ہنسی، شیر خان کا چہرا رنگ بدلتا گیا، پہلے پھیکا پڑا پھر انتہائی سرخ ہو گیا۔
''تم کبھی بھول کر بھی کبھی اس بات کا ذکر نہیں کرو گے سمجھے؟ یوں بھی اب تمہیں زیادہ دیر تک تو جینا نہیں ہے، چچ چچ بیچارا۔'' وہ پھر ہنس رہی تھی، شیر خان کے سر سے گزرتی رہی تھی اس کی ہر بات۔
''اب گاڑی چلاؤ گے یا احمقوں کی طرح منہ کھولے میری باتیں ہی سنتے رہو گے۔'' وہ ایک دم تیور بدل کر حکمیہ انداز میں غرا کر بولی، شیر خان بوکھلا گیا، اس کا چہرا دھواں دھواں ہو رہا تھا۔
''مجھے پورا یقین ہے تم اپنی چند روزہ زندگی میں اپنی اوقات کبھی نہیں بھولو گے اور میری ہدایات بھی یاد رکھو گے۔'' گاڑی میں موجود منرل واٹر کی بوتل سے ٹیبلٹ پھانک کر گھونٹ بھرتے اس نے دل جلاتی مسکان سمیت مزید حکم دیا تھا، شیر خان نے ہونٹ بھینچ لیے حالانکہ اس کا کتنا دل مچلا تھا اس متکبر لڑکی کے دو تھپڑ لگا کر یہ سوال ضرور کرے آخر اس ڈرامہ بازی کی اسے ضرورت کیوں پیش آئی، مگر وہ صحیح تھی اسے اپنی اوقات بہر حال نہیں بھولنی چاہیے اور یہ اس کی آنکھوں کے سجائے حسین خوابوں کی بھیانک تعبیر تھی اسے بھگتنا اس کا نصیب تھا۔

☆☆☆

بزدلی مدت میں آرام دکھاتی ہے پریشانوں کو
دکھ کی شدت جو نکل جائے تحمل کی حدوں سے آگے
ایک مایوسی جنم لیتی ہے
ایک تاریک گھٹا ٹوپ بھنور مایوسی
ایک مکمل صحر، حوصلے ٹوٹیں تو بیماری سوا ہوتی ہے
ہمتیں پگھلیں تو لاچاری سوا ہوتی ہے
آنکھ اشکوں میں ہی بہہ جائے تو بینائی کہاں
دل غم و رنج والم کے مابین

اپنی دھڑکن ہی گنوا آئے اگر
اور پڑا درد سے تڑپے تو شکیبائی کہاں
زندگی یک سی وحشت کے ستم کے ہاتھوں
مات کھائے ہوئے کمزوروں کو
مدت میں راستہ ملتا ہے تو جیون کا خدا ہی حافظ
درد فاتح ہو تو پھر جی کے بھی کرنا کیا ہے
مدت ہی رستی ہو جن زخموں سے
ان کو پھر سی کے بھی کرنا کیا ہے

صندلین نے گھر آتے ہی اپنے کمرے کا دروازہ لاکڈ کر دیا تھا۔

''مجھے ڈسٹرب کرنے کی ضرورت نہیں اگر دادی پوچھیں تو کہنا سر درد شدید تھی دوا کھا کے سوئی ہوں۔'' اسے شیر خان کو آرڈر دیا تھا وہ محض سر ہلا سکا۔

''اور...... آنکھیں نیچی کرو...... ایسے کیا گھور رہے ہو مجھے؟'' چور اس کے اپنے دل میں تھا جسے اپنے وجود کے سارے حقوق اپنے ہاتھوں سونپ آئی تھی اس کی سادہ نگاہ بھی دل میں پن بن کر چبھتی تھی، اسی خوف کو وہ تلخی و تنفر کی صورت اس پر نکال رہی تھی شیر خان نے گڑبڑا کر آنکھیں ہی نیچی سر بھی جھکا لیا۔

''اب جاؤ'' اسے نے دھاڑ سے دروازہ بند کر دیا تھا، شیر خان تھکے ماندے انداز میں واپس پلٹا تو اسے اپنے اندر عجیب سا سوز اترتا محسوس ہوا تھا، جس روز پہلی مرتبہ اس گھر میں داخل ہوا، پہلی نگاہ صندلین پر پڑی تھی، وہ اپنے اندر کچھ ایسا ضرور رکھتی تھی جو متاثر کر جاتا یا شاید شیر خان کے نصیب نے یہاں اسے دغا دینا تھا اور وہ ہار گیا، پہلی نگاہ میں ہی اس لڑکی سے ہار گیا، اس کی فطرت عجیب تھی، حاکمانہ اور متکبرانہ...... شیر خان کے مزاج میں عاجزی ضرور تھی مگر وہ خوددار بھی بلا کا تھا، اس کی خودداری کبھی اسے کسی کے آگے جھکنے اور ہاتھ پھیلانے سے ہمیشہ روکتی رہی مگر صندلین کا معاملہ ایسا تھا کہ وہ اس کی جھڑکیاں کھا کر بھی خود کو اس کی کیئر اور حفاظت سے نہ روک سکا، اس نوکری کے دوران کئی بار وہ صندلین کے ہاتھوں بے عزتی کروا کے اتنا ہرٹ ہوا تھا کہ ملازمت چھوڑنے کا ارادہ باندھ لیا مگر ہر بار اس کا دل اس کی راہ میں حائل ہوتا رہا تھا اور اب...... اس کا دماغ شل ہوا جا رہا تھا یہ سوچتے صندلین کی اس حرکت کے پیچھے آخر وجہ کیا تھا، یہ مذاق نہیں ہو سکتا تھا، ایسا اقدام محض ہنسی مذاق میں نہیں کیا جا سکتا، کسی طور بھی نہیں، پھر...... وہ سوچتا پاگل ہوتا رہا مگر جواب نہیں ملتا تھا، کبھی خود پر غصہ آنے لگتا، وہ اتنا بزدل کیسے اور کیونکر ہوا کہ محض موت کے خوف میں مبتلا ہو کر صندلین کا اس حماقت میں ساتھ دینے بیٹھ گیا، بھلے وہ اسے بلیک میل کرنے کی دھمکی دے رہی تھی مگر پھر بھی اسے یوں اک کمزور لڑکی کے ہاتھوں ٹریپ نہیں ہونا چاہتا تھا۔

''شیر خان بچے......'' دادی ہانپی ہوئیں سیڑھیاں اتر رہی تھیں اسے پکارا تب وہ بہت زور سے چونکا اور خالی نظروں سے انہیں دیکھتا رہا۔

''کن سوچوں میں گم تھے پتر......؟'' کب کی آوازیں دیتی تھک گئی، تم سن ہی نہ رہے تھے، اوپر

سے صندلین ...... جانے کہاں چھپ کے بیٹھ گئی ہے، صبح سے اس کا انتظار کر رہی ہوں میرے پاس آئے تھے اسے خوشخبری سناؤں تم دیکھنا وہ کیسی چہکنے اٹھے گی، ایسی کہاں تھی میری بچی ...... بہت زندہ دل تھی، بس خود کو روک لگا کر بیٹھ گئی، مگر اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔

دادی خود سے ہی باتیں کیے جا رہی تھیں، شیر خان نے ہنکارا تک نہ بھرا، نہ حسب معمول انہیں دیکھ کر مودبانہ کھڑا ہوا بلکہ کسی حد تک احمقانہ انداز میں پورا منہ کھولے انہیں غائب دماغی سے دیکھے جا رہا تھا، دادی نے اس کی کیفیت محسوس کی تو پریشان ہوگئیں۔

''شیر بچے ...... کیا ہوا؟ ...... تمہاری طبیعت اچھی نہیں لگ رہی مجھے۔'' اب کے شیر خان ایک بار پھر چونکا اور سر جھٹکتے ہوئے خود کو سنبھالنے لگا۔

''ام ٹھیک ہے بڑا بیگم صاب ...... آپ حکم فرماؤ۔'' وہ نہ صرف اٹھ کھڑا ہوا بلکہ ہاتھ بھی باندھ لیے سر بھی جھکا لیا۔

''شیر خان بچے ایسی تعظیم نہ دیا کرو مجھے ڈر لگنے لگتا ہے تکبر کے پیدا ہونے سے پہلے، ہمارے پیارے نبی نے سخت ناپسند فرمایا ہے، مسلمان سب برابر ہیں تم مجھے اولاد جیسے عزیز ہو، چھوٹے ہو احترام کرو ضرور مگر تعظیم نے دو خود کو کمتر جان کر۔'' دادی نے پیار سے سمجھایا، ان کی انکساری کا یہ مظاہرہ نیا نہ تھا، وہ واقعی شیر خان کو کبھی ملازم سمجھ کر حقیر نہ جانتی تھیں مگر پہلی بار شیر خان کی آنکھیں ضرور نم ہوگئیں، دل ضرور بھرا گیا، ابھی کچھ دیر قبل کسی نے بہت شدت سے اسے اس کی اوقات یاد دلائی تھی، باور کرائی تھی، ثابت بھی کر دی، کوئی کاٹھ کے اُلو کے ساتھ بھی ایسا سلوک نہیں کرتا جو اس کے ساتھ کیا گیا، جیتے جاگتے احساسات رکھنے والے انسان کی ایسی کھلی اور واضح نفی شاید اس سے قبل کبھی کی گئی ہو؟

''جی بڑا بیگم صاب۔'' اس نے آواز کی رقت پہ قابو پاتے ہوئے دلگیری سے کہا تو دادی شفقت سے مسکرائیں۔

''اگر تم بھی دادی کہہ لو گے تو مجھے اچھا لگے گا بیٹے رب شاہد ہے میں نے کبھی تمہیں حسین اور صندلین سے کم نہیں جانا۔'' محبت کے اس مظاہرے پہ شیر خان کی آنکھیں بھیگتی چلی گئیں۔

''جی بہتر ...... شکریہ دادی۔'' وہ منہ [illegible] ان منداور عاجز ہو گیا، وہ انہیں دیکھ نہیں دینا چاہتا تھا۔

''اچھا صندل کا کچھ پتا [illegible]'' اس سے پہلے سوال پر شیر خان کے دل سے آہ نکلی تھی، (صرف انہی کا تو پتا رہ گیا تھا باقی سب بھول گیا)۔

''اب خیر سے تمہارے کام بڑھ جائیں گے، صندل کی شادی کر رہی ہوں آنا فانا جیسے ہی حسین کو فرصت ملتی ہے آجائے گا تو پھر میں اسے واپس نہیں جانے دوں گی کم از کم اتنی دیر تک جب تک مجھے ان کے بچے کی خوشخبری نہیں مل جاتی، دیکھنا خیر سے گھر میں کتنی رونق ہو جائے گی۔'' دادی واپس پلٹ چکی تھیں اس نے ڈوبتی نظروں سے انہیں دیکھا۔

''ان کے سر میں درد تھی، دوا کھا کے سوئی ہیں، جگانے سے منع کر دیا ہے۔'' وہ آہستگی سے بولا تھا، دادی نے سر زور سے جھٹکا۔

''اس لڑکی کی انہی حرکتوں کی وجہ سے میں مجبور ہوئی ہوں حسین پر جبر کی خیر ٹھیک ہو جائے گا سب...... انشاء اللہ۔'' دادی مسکرا دی تھیں، شیر خان انہیں پلٹ کر کمرے میں جاتا دیکھتا رہا، پھر تھک کر سر ہاتھوں پر گرالیا تھا۔

(حسین شاہ تو وہی ہیں جنھیں صندلین پسند کرتی ہیں جب دادی ان سے شادی کرا رہی تھیں تو مجھے بیچ میں لانے کی کیا ضرورت تھی)، وہ ایک بار پھر پھٹتے دماغ کے سوالوں کے جواب نہیں ڈھونڈ پا رہا تھا۔

ہمیں خود نپٹنا معاملات سے چاہیے
کوئی کون ہوتا ہے تیرے اور میرے درمیاں
کوئی محنتوں کا ثمر ہی دے جو سدا تو کیا
مجھے بن کہے کبھی دے تو سمجھوں کہ مل گیا
تیری روشنی تو تیری صفت کا ثبوت ہے
کوئی غیر اس کو کہے تو کس طرح مان لوں
یا ہماری بھری بصیرتیں تھیں یا ہر طرف
تیرے خال و خد کی علامتوں کا زوال تھا
کوئی وہم نقطۂ بے زباں کا اسیر تھا
جو صدا کے پیکر مرتعش میں نہ آ سکا

رات جتنی بار بھی اس کی آنکھ کھلی اس نے مظہر کو سگریٹ پھونکتے پایا تھا، ضبط کی انتہا ہوئی تو نہ صرف سگریٹ چھینا بلکہ خود بھی چیخ پڑی تھی۔

''مت بھولیں کہ اب کمرے میں آپ اکیلے نہیں ہیں۔'' ریشمی کھلے بالوں روئی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اس کا سوپا جاگا حسن کتنا اپیل کرتا ہوا تھا، معیز اسے دیکھتا چلا گیا۔

''یہی بات تو فراموش نہیں کر پا رہا...... نیند اڑنے کی وجہ اور کیا ہے۔'' اس سے نظریں چرا کر کہتے معیز نے ٹی وی آن کر دیا، وہ مزید بھڑک اٹھی۔

''اور...... اب یہ وہی...... خدایا ٹی وی کو تو بیڈ روم میں ہونا ہی نہیں چاہیے۔'' اس سے ریموٹ جھپٹ کر ٹی وی آف کرتے وہ بڑبڑائی۔

''کیا کہا...... بیوی کو بیڈ روم میں ہوش ہونا چاہیے۔'' معیز اس کی جانب چہرا موڑ کر مسکراہٹ دبائی، آیت کی جان جل گئی تھی۔

''ہاں...... نہیں ہونا چاہیے بیوی کو بیڈ روم میں بجا فرمایا ایسا کریں اس بیوی کو اٹھا کر باہر پھینک آئیں اور آرام سے سو جائیے۔'' اس کا گلا بھرا گیا تو یکلخت ہونٹ بھینچ لیے تھے، معیز نے بے ساختہ اسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا تھا۔

''بیوی کے علاوہ ہر شے پھینک سکتا ہوں کمرے سے باہر...... مائی لولی وائف۔'' اسے سینے سے بھینچنا چاہتا تھا مگر آیت مچل کر اس کی گرفت سے نکلنے کو بے قرار ہو گئی۔

''مجھے چھوڑیں۔''

''آیت۔'' معیز کی آواز بے حد بھاری اور بوجھل ہوگئی تھی۔
''میرے ہاتھ نہ جھٹکا کرو بہت انسلٹ فیل کرتا ہوں اور تمہیں میری سیلف رسپیکٹ کا خیال کرنا چاہیے، جو بھی مسئلہ ہے مجھے بتاؤ جھگڑا ضرور کرو مگر میری توہین کیے بغیر۔'' اس کے لہجے کی سنجیدگی اور سردمہری نے آیت کو بالکل ساکن کر دیا تھا، کچھ کہے بغیر اپنی نم آنکھیں اس کے کاندھے سے رگڑتی نہیں۔
''اب بتاؤ کھانا کھائے بغیر کیوں سوگئی تھیں اور ناراض کیوں ہو مجھ سے۔'' وہ اس کے بال سہلا رہا تھا، آیت نے شا کی نگاہ اس پر ڈالی اور آہستگی سے اس سے فاصلے پہ ہر کر بیٹھ گئی تھی۔
''ثنا نے خودکشی کیوں کی؟'' سوال ایسا تھا کہ معیز ایک دم چوکنا ہوگیا۔
''تمہیں کسی نے کہا کہ اس نے خودکشی کی ہے۔'' وہ ذرا ناراضی سے گویا ہوا تھا۔
''میرا سوال زیادہ اہم ہے، مجھے احمق اور بے وقوف سمجھنا چھوڑ دیں معیز۔'' اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں جواب دیا تھا، معیز سرد آہ بھر کے رہ گیا، ہونٹ بھینچ کر ایسے بٹھا گویا خود پر ضبط کر رہا ہو۔
''آپ سگریٹ نہیں پئیں گے، میرے سامنے بالکل نہیں، یو نو واٹ پپا کبھی بھی ہمارے سامنے اسموکنگ نہیں کرتے تھے۔'' اسے پھر سے سگریٹ سلگاتے پا کر وہ خود بھی سلگ کر بولی تھی۔
معیز کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکا لحہ بھر کر بکھری۔
''والد اور شوہر کے رشتے میں یہی فرق ہوتا ہے۔'' اب کے اس کا انداز بھی چبھتا ہوا تھا۔
آیت نے اسے بہت طنزیہ نظروں سے دیکھا۔
''کون سا یہی فرق...... احترام کا...... لحاظ کا۔'' جواب میں وہ اس سے بڑھ کر طنز سمو لائے تھی لہجے میں نظروں میں، معیز کے چہرے پہ بے ساختہ خفت پھیلی۔
''کیا احترام صرف ماں بہن اور بیٹی کا کیا جا سکتا ہے بیوی کا نہیں۔'' وہ اب کے دکھ سے پوچھ رہی تھی۔
''آیت اگر تمہارا مقصد مجھے شرمندہ کرنا ہے تو......''
''میرا یہ مقصد بالکل نہیں۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر احتجاج ک انداز میں نفی کر گئی۔
''تو پھر میرا مطلب بھی یہ نہیں تھا میں صرف یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ شوہر کی کسی بھی فیلنگ کا بیوی سے پردہ نہیں ہوتا اینڈ دیٹس آل۔'' معیز نے چڑ کر کہہ ڈالا، آیت خاموش رہی، اسے دیکھتی رہی پھر ہنکارا بھر لیا۔
''تو پھر بتائیں گے کہ اس وقت آپ کیوں اسموکنگ کر رہے تھے۔''
''یہ تو تمہیں سمجھنا چاہیے۔'' وہ برا مان کر بولا، آیت نے کاندھے جھٹک دیے۔
''میں نہیں جان پائی سوری آپ وضاحت کر دیں۔'' معیز اسے ناراض سے دیکھتا رہا پھر جیسے اس کے سامنے ہار مان لی تھی۔
''ہماری شادی کو کتنے دن ہوئے؟'' پھر خود ہی ہاتھ کی انگلیاں کھڑی کیں۔
''محض دو دن جن میں سے ایک رات ہماری لڑائی میں ضائع ہوئی اور ایک دن بھی...... کیا

یہی تقاضا ہے ہماری نئی شادی شدہ زندگی کا...... آیت میں تم سے محبت کرتا ہوں مگر تمہیں یقین نہیں آتا۔'' وہ چڑ کر کہہ رہا تھا۔

''تمہیں مجھ سے پتا نہیں اتنے گلے کیوں ہیں؟ تم جانے کیوں مجھ سے لڑ کر زیادہ خوش رہتی ہو۔''

''آپ میرے گلے دور کر دیں میں لڑائی چھوڑ دوں گی۔'' وہ اطمینان سے بولی اور معیز کا دماغ پھر سے آؤٹ ہونے لگا۔

''یعنی تم غلط نہیں ہو...... اچھا بتاؤ...... کون سے گلے؟'' وہ جیسے خود پر ضبط کر کے بولی۔

''آپ نے ثنا کو کوئی امید دلائی ہو گی جبھی تو اس نے عین ہماری شادی کی رات خودکشی کی...... کیوں ٹھیک کہا نا میں نے؟ جبھی تو آپ خود اسے ہاسپٹل لے کر بھاگے۔'' وہ اپنے انداز ے کی درستی پہ جیسے رکھتی تھیں بڑا فخر کر کے بولی، معیز نے سر تھام لیا۔

''تم مجھے بس ایک بات بتاؤ تم سے تو نکاح ہو چکا تھا میرا...... تمہیں کتنی امیدیں دلائی تھیں میں نے؟'' وہ برہم ہو کر بولا۔

''میرے ساتھ تو آپ کی دشمنی تھی۔'' وہ ذرا جو شرمندہ ہوئی ہو۔

''آیت...... میرا ثنا کے ساتھ ایسا کوئی تعلق نہیں ہے جو تم زبردستی ثابت کرنا چاہ رہی ہو۔'' اس نے غصہ ضبط کرتے ہوئے تحمل سے سمجھانا چاہا۔

''میں نے مانتی۔'' وہ پھر اکڑ گئی، اڑ گئی تو معیز کا بھی ضبط رخصت ہوا وہ بھی بپھر اٹھا تھا۔

''تو نہ مانو...... تمہیں مجبور کون کر رہا ہے۔'' قہر آلود انداز میں کہہ کر وہ دروازہ زور سے مارتا کمرے سے نکل گیا، آیت نے گود میں دھرا تکیہ پرے پھینک دیا۔

''پتا نہیں خود کو کیا سمجھتا ہے۔'' اس کا گلا بھرا گیا تھا، یونہی جلتی کڑھتی وہ جانے کب سوئی تھی۔

صبح اسے ایشال نے جگایا۔

''اٹھ جائیں بھابی پلیز...... اماں کی آج کچھ طبیعت ٹھیک نہیں میں بھائی کے ساتھ کالج جا رہی ہوں آپ اماں کا دھیان کرنا۔'' وہ عجلت میں تھی کہہ کر چلی گئی، آیت بھونچکی سی بیٹھی رہ گئی۔

''کیا مجھے نوکرانی سمجھ لیا ہے ان لوگوں نے کہ حکم دیا اور غائب...... محترمہ کالج جائیں گی اور میں گھر اور بیمار سنبھالوں گی، مجھے اپنی تعلیم مکمل نہیں کرنی؟'' وہ جل جل کر خاک ہوتی رہی، گھنٹے بعد اس کام سے فرصت ملی تو منہ ہاتھ دھو کر کمرے سے نکل آئی تھی، رات بھی کھانا نہیں کھایا تھا، اب اتنی برداشت نہیں تھی کہ ناراضگی میں مزید بھوک ہڑتال کرتی۔

''آؤ بیٹی...... میں تمہیں ہی جگانے آ رہی تھی۔'' اماں اسے دروازے پر ہی مل گئیں، اس کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔

''کیوں......؟'' اس نے سرد انداز میں سوال کیا تھا۔

''ناشتے کے لیے اتنی دیر تک بھوکے پیٹ نہیں رہتے بیٹے۔'' انہوں نے پیار سے کہا مگر وہ چڑ گئی تھی۔

''مگر مجھے کچھ بتانا نہیں آتا، ایشال کو کالج جانے کی کیا ضرورت تھی۔'' اس کے تنفر کو اماں

محسوس نہ کر سکیں یا اگر کیا بھی تو بہت خوبصورتی سے نظر انداز کر ڈالا۔

''مجھے پتا ہے دھی رانی تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں آہستہ آہستہ سب آ جاتا ہوتا ہے، ابھی میں اپنی بیٹی سے کام تھوڑی کرواؤں گی، ابھی تو ہاتھوں کی مہندی بھی ماند نہیں پڑی اور ایشال کا پتر ضروری پیپر تھا، چھٹی نہیں کر سکتی تھی، اچھا چھوڑو ان باتوں کو ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔'' انہوں نے ٹرے لا کر اس کے آگے رکھ دی، وہ جو کچھ سوچ کر بدتمیز اور گستاخ ہو رہی تھی اس کے برعکس پا کر خفت کا بھی شکار ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

''مگر آپ کی تو طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔''

''ارے بیٹے وہ تو ایشال ایویں خوامخواہ پریشان ہو جاتی ہے معمولی بخار تھا معیز نے دوا دے دی تھی۔''

''آپ نے کچھ کھایا؟'' ٹرے اپنی جانب کھینچتی ہوئی وہ کسی خیال کے زیر اثر بولی، اپنی سوچوں پر ندامت بھی محسوس ہو رہی تھی۔

''ہاں کھا لیا ہم تو بہت سویرے کھا لیا کرتے ہیں ناں۔'' وہ پھر مسکرائی، سادہ مزاج عورت۔ وہ انہیں دیکھتی رہی۔

''تائی جان مجھے آپ سے اک بات کہنی ہے۔'' اس نے چائے کے مگر کے ساتھ مکھن لگا توس اٹھایا۔

''ضرور پتر۔'' وہ واری صدقے ہونے لگیں۔

''آپ معیز سے کہیں مجھے بھی کالج لے کر جایا کریں مجھے اپنی تعلیم مکمل کرنی ہے۔'' اس فرمائش نے انہیں حیران کر دیا، حیران اس لیے کہ انہیں توقع کہاں تھی وہ ان کے ذریعے معیز تک یہ بات بھی پہنچانے گی۔

''کیوں نہیں پتر...... پر تو یہ بتا کیا معیز نے تمہیں انکار کیا ہے؟'' وہ فکر مند نظر آنے لگی تھیں جانے کیوں نئی نویلی دلہن تو اپنی ہر بات بڑی آسانی سے شوہر سے منوا سکتی ہے پھر یہ کیا معاملہ تھا انہیں تشویش کیوں نہ ہوتی۔

''کس بات سے؟'' وہ سوال کر کے خود ہی مسکرا دی۔

''نہیں...... میں نے انہیں کہا ہی نہیں اکیچولی تائی جان انہوں نے مجھے ساتھ جانے کا بھی نہیں کہا نا...... ایشال کو لے گئے جبکہ پڑھتی تو میں بھی وہیں ہوں۔'' اس نے ایک طرح سے معیز کی شکایت لگائی تو تائی اماں ریلیکس بھی ہوئیں مسکرا بھی دی تھیں۔

''بیٹی دراصل ابھی تمہارا ولیمہ نہیں ہوا پھر تمہارے تاؤ نے کہا تھا کہ تم لوگ سیر کر آؤ اس کے بعد یہ سب کام کرتے رہنا مگر معیز کا مسئلہ اور ہے وہ پڑھتا نہیں پڑھاتا ہے وہ نہ اتنی لمبی چھٹی کر سکتا ہے نہ اسے مل ہی سکتی ہے، میری بیٹی فکر نہ کر واس کی تعلیم ادھوری نہیں رہے گی۔'' انہوں نے اس کا گال ہلا کر محبت و نرمی سے کہا تو وہ واقعی ریلیکس ہو کر مسکراتی ہوئی ناشتے کی طرف متوجہ ہو گئی۔

(تم سے اچھی تو تمہاری والدہ ہیں معیز...... تمہیں واقعی محبت کرنی نہیں آتی) وہ دل میں پھر گلہ کر رہی تھی۔

☆☆☆

ہمیں ایک درد رہے تو پھر بھی کہیں کہ ہاں
یہ تو صبر ہے یہ تو بائیں ہاتھ کا کھیل ہے
اسی عاجزی کی فضائے عجز و غرور میں
اک عجیب اور قبول تھا اس جہان گیا
مجھے شہر بھر سے ملے ہیں تنگ سے دائرے
میرا شہر بھر سے معاملہ تھا خیال کا
یہ عروج ہے تو ذرا بتاؤ نہ جان جاں
تجھے آرزوؤں سے کہا مگر ہے عروج میں
کوئی انتظار تھا زندگانی طویل تر
کوئی مختصر سی خوشی بھی تھی کہیں بیچ میں

''بس مصروفیات ایسی رہیں دادو کہ میں چکر نہیں لگا سکتا پھر صندلین کی حرکتوں سے اچھی طرح آگاہ ہیں آپ...... اس لڑکی نے مجھے روکے رکھا کہ میں وہاں آؤں نہ ہی اس کی شکل دیکھوں۔'' دادی کے فون پر گلوں کے جواب میں وہ اپنے مخصوص بے نیاز کھل کھڑے انداز میں بات کر رہا تھا جواباً دادی نے سرد آہ بھری۔

''وہ تمہاری چچازاد ہے اور تمہاری منگیتر بھی...... مت بھولو۔'' دادی نے اب کے جھڑک ڈالا مگر وہ کہاں شمار ہوا تھا متاثر ہونے والوں میں سے۔

''کس کی حد تک ہی یاد رہتی ہے منگیتر ہونا بڑوں کی غلطی سمجھ کر کب کا نظر انداز کر چکا دادی...... اس لڑکی کو میں اس طرح سے کبھی ایکسیپ نہیں کر سکتا آپ کی مہربانی ہوگی جو آپ اسے کہیں اور بیاہ دیں۔'' وہ اکتائے ہوئے انداز میں جس طرح بولا دادی کا دل ہول گیا تھا۔

''حسین...... بس اب اور نہیں تمہیں شادی صندلین ہی سے کرنی ہے اور اسی مہینے میں...... یاد رکھنا اگر نہ آئے تو اپنا مرا ہوا منہ دکھاؤں گی تمہیں نہ اپنے جنازے میں شریک ہونے کی اجازت دے کر جاؤں گی روز قیامت بھی رب کے سامنے میرے مجرم ٹھہر و گے تم۔'' انہوں نے اتنے شدید انداز میں اتنی انتہا کی بات کی تھی کہ حسین شاہ کی بولتی لمحوں میں بند ہو کر رہ گئی وہ سخت بے بس نظر آنے لگا تھا۔

''زبردستی کا مطلب جانتی ہیں آپ؟ میرا کچھ نہیں بگڑے گا دادی اس لڑکی کی زندگی تباہ ہو جائے گی۔'' وہ آخری حربے کے طور پر بولا، دادی نے بھی خاطر میں نہ لیا۔

''یہ بعد کی باتیں ہیں مجھے بتاؤ تم میری بات مانو گے کہ نہیں؟'' ان کا انداز وہی تھا...... حسین شاہ کی ہار اس کی جھنجلاہٹ سے ظاہر ہوئی۔

''ٹھیک ہے بعد میں مجھ سے کبھی گلہ نہ ہو آپ کو۔'' وہ بے حد غصے میں آ گیا۔

''میں نے کہا نا...... یہ بعد کی باتیں ہیں۔'' دادی بے نیاز تھیں، حسین شاہ نے بھنا کر فون بند کر دیا، سر تھام کر بیٹھ گیا، ماتھے کے بال مٹھی میں جکڑ لئے۔

(حد ہو گئی، زبردستی مسلط کر رہی ہیں، کیوں کرلوں میں شادی، کیوں پابند ہو جاؤں جبکہ مجھے اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔)

وہ جھنجھلائے جا رہا تھا تب ایک بار پھر فون کی گھنٹی بجتی چلی گئی، وہ اور جھلا اٹھا۔

''اب یہ کون ہے بدتمیز۔'' فون پہ جو نام تھا وہ محل کی سب سے خاص ملازمہ کا تھا اور وہ صرف ہنگامی صورتحال میں ہی اس سے رابطہ کر سکتی تھی، حسین شاہ کا چونکنا لازمی امر تھا۔

''ہیلو؟'' وہ بہت الجھ کر بولا تھا۔

''سر...... ایک ایمرجنسی ہو گئی ہے، ورنہ میں آپ کو زحمت نہ دیتی۔'' ادھر سے گھبراہٹ میں کہا گیا۔

''فضول باتوں میں ٹائم برباد نہ کیا کرو میرا، میں بھی جانتا ہوں تم کب کال کر سکتی ہو، اصل بات بتاؤ۔'' وہ پھنکارا، موڈ جو پہلے سے خراب تھا مزید خراب ہو چلا تھا۔

''سوری سر، ایکچوئیلی وہ نیو گرل پرابلم کری ایٹ کر رہی ہے، اس نے بہت توڑ پھوڑ کی ہے اور خود کو اتنا زخمی کر لیا ہے کہ ہاسپٹل لے جائے بغیر معاملہ سنبھالا نہیں جا سکتا۔'' وہ تیز تیز بول رہی تھی، حسین شاہ کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔

''اسے کیا تکلیف ہوئی اور اس کی اتنی جرأت...... کیا باقی سب مر گئے تھے، کوئی اسے سنبھال کیوں نہ سکا۔'' وہ غصے میں بولتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

''سر...... اس نے خود کو کمرے میں بند کر دیا تھا، ہم نے دروازہ توڑ کر اس تک رسائی حاصل کی۔'' ادھر سے خائف انداز میں بتایا گیا۔

''ایڈیٹ...... ویٹ کرو آ رہا ہوں میں، اگر وہ بچ گئی تو اپنے ہاتھوں سے اسے ماروں گا میں، اس کا شوق ضرور پورا ہونا چاہیے۔'' فون واپس کوٹ کی جیب میں رکھتا وہ غصے میں تنتاتا ہوا اٹھ کر باہر نکل گیا تھا، اس کی گاڑی کی طوفانی رفتار اس کے مزاج کی شدید برہمی کا پتا دیتی تھی۔

☆☆☆

یہاں رائیگانی ہزار ہے مرے روبرو
مجھے اپنے دل پہ غلاف رکھنے ہیں مختلف
جہاں دکھ کی صورتحال میں بھی ہو بزدلی
وہاں سانس لینا بھی اور نہ لینا بھی جرم ہے
کبھی اپنے اپنے ضمیر خاص سے پوچھئے
وہ جو کونوں کھدروں میں وقت تھا اسے کیا ہوا
تیرے آسمان کی خیر ہو میرے بے زمیں
میرے سائبانوں کا کھیل کھیل میں کیا کیا
کسی بے خیالی میں ہنسنے والے مسافرو
تمہیں اپنی اپنی اداسیوں کا تو علم تھا

''میں اب یہ خدمتیں نہیں کر سکتی، آپ کے اصول بھی الٹے ہیں، مالک الٹا نوکروں کی خدمتیں

کرتے پائے جارہے ہیں، حد ہوگئی، دادی مجھ سے ایسی توقع نہ رکھیں اب مزید۔'' شیر خان کو دادی نے ناشتے کے لئے حسب معمول اپنے پاس بٹھایا ہوا تھا، صندلین ٹرے لے کر آئی تو بک بک جا رہی تھی، دادی نے اسے بے حد تادیبی نظروں سے دیکھا اور اس تادیب کو نظروں تک محدود نہ رکھا۔

''صندل..... زبان کنٹرول کرنا سیکھو، کتنی بار سمجھایا ہے کسی کو خود سے کمتر کبھی نہ جانو مگر تمہاری عقل کے خانے میں یہ بات نہیں پڑتی، خیر..... اگر تم یہ کام نہیں کرنا چاہتیں تب بھی ٹھیک ہے، میں حسین سے کہوں گی کوئی مستقل کام کاج کے لئے ملازمہ رکھ دے، مگر زبان کی دھار پہ بہر حال قابو ڈالو، حسین کے مزاج کی نازکی کا تمہیں پتا ہے۔'' انہوں نے بڑے عرصے بعد حسین کو گفتگو میں شامل کیا تھا، صندلین کو خوشگوار سا احساس جاگا، موڈ از خود صحیح ہو گیا۔

''اب یہ حسین صاحب کہاں سے بیچ میں تشریف لے آئے؟''

''وہ خیر سے ہمیشہ ہمارے درمیان تھا، تم اب ذرا تیاری پکڑو، حسین کو میں نے منا لیا ہے، شادی کے لئے، اسی مہینے کی کسی بھی تاریخ کو تمہارا اس سے نکاح ہوگا تو رخصتی بھی ساتھ ہی نپٹا دی جائے گی، تمہیں کون سا کہیں رخصت کرنا ہے، یہیں رہو گی، اگر حسین ساتھ لے جانا چاہے تو الگ بات ہے۔'' دادی کے الفاظ صندلین کو اپنا وہم محسوس ہوئے، اس نے چونک کر دادی کو دیکھا تھا، چونک تو شیر خان بھی گیا تھا، نکاح اور رخصتی کی بات پہ، ایک نکاح تو اس کے ساتھ بھی ہوا تھا، اس کے بعد کسی نکاح و رخصتی کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی تھی، اس کی نظریں بے ساختہ صندلین کی سمت گئیں جو اسے خود سے غافل اور بے نیاز لگی۔

''کیا کہا دادی، حسین مان گیا ہے، مجھ سے شادی پہ مان گیا ہے، آپ مذاق تو نہیں کر رہیں؟'' وہ تمتماتے چہرے کے ساتھ سوال کر رہی تھی، دادی اس کی دیوانگی سے آگاہ تھیں خود جھینپ کر مسکرا دیں۔

''باؤلی لڑکی، بالکل پاگل ہے، میں کیوں جھوٹ بولوں گی بھلا۔'' انہوں نے شیر خان سے شرم محسوس کی، بچہ کیا سوچتا ہوگا اس نالائق کے بارے میں ذرا جو شرم ہو اس لڑکی میں۔

''تو پھر سے کہیں ذرا، مجھے یقین دلائیں دادو کہ میری شادی حسین سے ہو جائے گی، وہ مجھے مل جائے گا، میرا ہو جائے گا۔'' وہ ان سے لپٹ گئی ہنستے ہنستے بے ساختہ بلک اٹھی۔

دادی اب کے پریشان ہوگئی تھیں۔

''دادی..... آپ نے اسے کیسے منایا..... اور..... اور..... وہ پھر سے مکر تو نہ جائے گا۔'' بے ساختہ خوشی میں خدشوں کی یلغار تھی، شیر خان ششدر اسے دیکھ رہا تھا۔

''دادی میرا دل نہیں سنبھل رہا اس خوشی سے یہ فیل نہ ہو جائے کہیں رئیلی۔'' وہ پھر ہنسنے لگی آنکھوں سے جھر جھر آنسو بہہ رہے تھے، شیر خان نے نظر چرا لی، دادی خوف زدہ نظر آنے لگیں۔

''صندل..... پاگل ہوئی ہو، کنٹرول کرو خود کو۔'' انہوں نے خفگی سے اسے دیکھا۔

''کیسے کروں، خود کو قابو دادو، آپ کو پتا ہے آپ کے پوتے نے مجھے پاگل کر کے رکھا ہوا ہے۔'' وہ اب زارو قطار رو رہی تھی، شیر خان کا ضبط جواب دے گیا، وہ اٹھا تھا اور تیزی سے پلٹ کر چلا گیا، دادی بے بسی سے صندلین کو دیکھ رہی تھیں۔

''دادو صرف اس کے ملنے کی خبر نے مجھے ایسے بے اوسان کر دیا خوشی سے تو جب وہ مل جائے گا، کہیں میں سچ مچ دل نہ سنبھال سکی، مر گئی تو پھر۔'' دادی نے دہل کر اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا۔

''صندل خدا کے لئے چپ ہو جاؤ۔'' ان کی آنکھوں میں آنسو اتر آئے۔

(حسین بیٹے، تم یہ سودہ کر دو تو سہی، کبھی گھاٹے میں نہیں رہو گے) انہیں حسین شاہ کا ناراض انداز یاد آیا تو دل میں مسکرا دی تھیں۔

☆☆☆

مجھے اپنے خون کا حسن رکھتا ہے ٹھیک سے
تو میں کس لئے تمہیں لال رنگ کے خواب دوں
سم ہجر دھیرے سے پھیل جاتا ہے روح میں
دبے پاؤں دشمن جان جیسے مچان میں
خط استوا پہ ہی جان اٹکی رہی مری
نہ ادھر سکون تھا نہ خوش خیالی ادھر ملی
ہمیں اس لئے بھی تیرے خیال سے خوف تھا
یہ ہماری اپنی جڑوں میں پاتا ہے پرورش
زر و سیم میں بھی عجب کشش ہے کہ دیکھئے۔
چلے آ رہے ہیں لپک لپک کے بڑے بڑے

وہ وہاں پہنچا تو بہت غصے میں تھا، تمام کنیزوں کے آداب و ادب نظر انداز کرتا ملازمہ خاص کی معیت میں اس کمرے تک پہنچا جہاں حمدہ کو رکھا گیا تھا، ریشمی پنک لباس بکھرے بال چہرے پہ اور لباس پہ جگہ جگہ خون کے دھبے تھے، جنہیں صاف کر دینے کے باوجود اپنا اثر چھوڑ دیا تھا۔

''کیا تکلیف ہوئی تھی اسے، کیوں اتنا شور و غل کرتی رہی۔'' وہ غالباً بے ہوش تھی، بے سدھ پڑی نظر آئی۔

''جس دن سے آئی ہیں ڈپریشن کا شکار ہیں، خود پہ یا جو سامنے آئے، اس پر حملہ آور ہوتی اور چلاتی رہتی تھیں، مگر آج زیادہ ہیجان میں چلی گئیں۔'' ملازمہ نے دبے ہوئے انداز میں بتایا۔

''آج کے اس ہیجان کی خاص وجہ؟'' حسین شاہ نے سرسری اس کا جائزہ لے کر بے مہر انداز میں سوال کیا تھا۔

''سر...... وہ......؟'' ملازمہ اٹکی، حسین کے ماتھے پہ بل پڑے۔

''بولو'' وہ اس ادھوری بات پہ برہم نظر آیا۔

''یہ...... ایکسپٹ کر رہی ہیں، انہیں جب علم ہوا تو ہسٹریک ہونے لگیں۔'' ملازمہ ذرا خائف ہو کر بتا رہی تھی، حسین شاہ زور سے چونکا۔

''تو اس مصیبت کو ساتھ لگا کر کیوں رکھا ہوا ہے۔'' اس نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

''سوری سر بٹ...... ٹائم زیادہ گزر چکا ہے، ان کی جان کو خطرہ ہو سکتا ہے۔'' ملازمہ

گڑبڑائی، حسین نے سرد نظروں سے اسے دیکھا۔
''تمہیں کس نے کہا اس کی جان اتنی قیمتی ہے۔'' وہ غرایا، ملازمہ کے چہرے پہ پسینہ پھوٹ پڑا۔
''ٹھیک ہے اگر تم لوگوں سے اتنا سا کام نہیں ہو سکا تو میں خود ہنڈل کر لیتا ہوں، بلکہ اس مصیبت سے اکٹھی جان چھڑوا لیتا ہوں۔'' وہ بے حد سلگ رہا تھا، آگے بڑھ کر حمدہ کا پہلے ماتھا چیک کیا تھا پھر کلائی پہ ہاتھ رکھا۔
''اسے گاڑی میں ڈلواؤ، میں آتا ہوں۔'' اپنی بات مکمل کر کے وہ پلٹ کر اپنے خاص کمرے میں چلا گیا، باہر آیا تو بے ہوش حمدہ کو اس کی گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ منتقل کر دیا گیا تھا۔
''ہوں۔''
اس نے حمدہ کا سر سیدھا کر کے گاڑی سے باہر آئی ملازمہ کو دیکھ کر ہنکارا بھرا۔
''اب یہ یہاں نہیں لوٹے گی، تم اس کا آخری دیدار کر سکتی ہو۔'' اس کی سفاک مسکراہٹ نے ملازمہ کو رگوں میں خون جما دیا تھا، وہ نم آنکھیں لئے آگے بڑھ جانے والی گاڑی کے پہیوں سے اڑتی دھول کو دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

جو بتائی ہم نے تمہارے نام پہ زندگی
ملی آ کے وقت کے اختتام پہ زندگی
رہا جو بھی قریہ دل کے تھوڑا ادھر ادھر
تجھے ہنستا بستا ہوا یوں دیکھ کے جل گیا
سہے جس طرح سے دل علیل نہ حادثے
کوئی پر شکوہ پہاڑ لگتا ہے صبر کا
رہی آج تک تیری اک نشانی وجود میں
دل بے قرار کی رائیگانی وجود میں
مجھے عمر بھر کے سفر نے
میں تو اپنے آپ سے تھک گیا ہوں فراق میں

اس کا اسسٹنٹ آج کے دن کا شیڈول بتا رہا تھا جب فون کی بیل بجتی چلی گئی، حسین شاہ نے ابرو چڑھا کر دیکھا، اسسٹنٹ نے مودب انداز میں فون اس کی جانب بڑھایا۔
''سر آپ کے گھر سے کال ہے، دادی ہیں لائن پہ۔'' حسین شاہ نے سرد آہ بھر لی۔
''ایک تو یہ دادی بھی پیچھے ہی پڑ گئی ہیں۔'' وہ بڑبڑایا اور فون تھام لیا۔
''السلام علیکم دادی!''
''وعلیکم السلام، جیتے رہو بیٹے۔ جب بھی کروں میں کروں فون ...... بیٹے کبھی خود بھی توفیق کر لیا کرو۔'' گلہ حاضر تھا، وہ مسکرا بھی نہ سکا۔
''میں فری ہو کے کال کروں گا دادی۔'' اس نے جان چھڑانا چاہی۔

''آؤ گے کب؟'' دادی بھی سمجھ گئیں جبھی مقصد کی بات کی۔

''جب آنا ہوگا بتا دوں گا دادی۔'' وہ ہونٹ سکوڑ کر کہہ رہا تھا۔

''جلدی آنا بیٹے۔'' انہوں نے جیسے منت کی۔

''کیوں نہیں آپ موئی سے کہیں برائیڈل ڈریس پسند کر لے، اب اسے نہیں چھوڑوں گا، میرے ہاتھوں خیر نہیں اس کی۔'' اس نے دانت کچکچائے اور لائن کاٹ دی کہ دوسری کال جو آ رہی تھی وہ ہاسپٹل سے تھی۔

''ہیلو...... یس...... اسپیکنگ۔'' اس کے چہرے پہ تشویش تھی۔

''حسین صاحب آپ کے لئے اچھی خبر نہیں، ہمیں افسوس ہے مگر آپ کی پیشنٹ رات کے کسی حصے میں ہاسپٹل سے فرار ہوگئی ہیں۔''

دوسری سمت جو خبر دی گئی تھی اس کے شدید اثر نے حسین شاہ کے اعصاب پہ کسی طاقتور بم کا کام کیا تھا، اسے لگا تھا اس کا دماغ بالکل ماؤف ہوگیا ہو۔

(جاری ہے)

☆☆☆



نورین معشوق چوہان

کتنا مشکل ہے محبت کی کہانی لکھنا
جیسے پانی پہ پانی سے پانی لکھنا

''نداحل!'' پاپا کی پکار پر وہ ایکدم سٹپٹا کر کھڑی ہوئی تھی اور سوالیہ نظریں ان کے چہرے پر گاڑھ دیں، مگر وہ اس کی طرف نہیں بلکہ زمین پر گرے اس کاغذ کے پرزے کی طرف متوجہ تھے جو نداحل کی گود سے گرا تھا، نداحل نے ان کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا اور کانپ کر رہ گئی، اس سے پہلے وہ اس پرزے کو اٹھاتی بابا نے جھک کر اسے اپنی دسترس میں لے لیا اور کھول کر اک نگاہ اس پر لکھی سطر پر ڈالی تھی، معا ہاتھوں میں کپکپاہٹ اتری اور وجود کا سارا خون سمٹ کر آنکھوں میں اتر آیا۔

''کیا ہے یہ نداحل؟'' جب بولے تو آواز میں غصے کے ساتھ واضح لرزش بھی تھی، خوف سے پیلی پڑتی نداحل کا وجود زلزلوں کی زد پر تھا، اس کا دل چاہا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

''میں نے کچھ پوچھا ہے تم سے۔'' مستنصر حسین ضبط سے چلائے تھے، جس پر نداحل کی آنکھوں سے سیل رواں جاری ہوا مگر کچھ تو کہنا تھا، خاموش رہ کر وہ اپنے جرم میں مزید اضافہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''ولی کا دوست ہے، پسند کرتا ہے مجھے...... اور'' خشک لبوں کو زبان سے تر کرتی وہ چپ کر گئی تھی۔

''اور......'' ان کے لہجے کی خنگی حد سے سوا ہوئی جس پر نداحل کو جسم میں گردش کرتا ہوا خون منجمد ہوتا محسوس ہوا۔

''نداحل!'' انہوں نے شانوں سے تھام کر اسے جھنجھوڑا۔

''میرے صبر کا مزید امتحان مت لو ورنہ میں کچھ بھی کر گزروں گا، سیدھے سبھاؤ بتاؤ کب سے

## مکمل ناول



چل رہا ہے یہ سب پچھ۔''

''بابا! وہ ولی کے ساتھ گھر آتا تھا، کمبائن اسٹڈی کے لئے، پتہ نہیں کب اور کیسے وہ مجھے اچھا لگنے لگا۔''

''کیا ولی یہ سب کچھ جانتا ہے؟'' وہ اسے درمیان میں ہی ٹوک گئے، اپنی لاڈلی کے منہ سے اس کی معشوقی کے قصے سننا ان کے لئے ایسے تھا جیسے بھری محفل میں کسی نے ان کے منہ پر طمانچہ رسید کر دیا ہو۔

''نہیں۔'' نداحل کی آواز جیسے کسی گہری کھائی سے ابھری تھی، مستنصر حسین کی گرفت پہلے اس کے شانوں پر ڈھیلی پڑی اور پھر ہاتھ پہلوؤں میں جا گرے۔

''تو اسے نقب لگانے کے لئے ہمارا ہی گھر ملا تھا اور تم۔'' وہ ایکدم سے نداحل کی سمت بڑھے، جو آنکھیں بند کیے کسی سنگی مجسمے کی طرح کھڑی تھی۔

''تم نے ایک بار بھی ولی کے بارے میں نہ سوچا کیا گزرے گی اس پر جب وہ تم دونوں کے معاشقے کے بارے میں جانے گا۔'' انہوں نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔

''عمر دیکھی ہے تم نے اپنی، ابھی سولہ کی ہوئی ہو اور کرتوت دیکھو اپنے، خیر اگر تم میں ذرا برابر بھی شرم و حیا ہوئی تو آج کے بعد اس لڑکے سے کوئی تعلق نہیں رکھو گی، لیکن پھر بھی تم ایسا چاہتی ہو تو اپنے باپ بھائی کی قبر پر اپنی خوشیوں کی عمارت کھڑی کر سکتی ہو۔'' وہ کاغذ کے پرزے کو اس کی سمت اچھال کر کمرے سے باہر نکل گئے تھے، جانتے تھے کچی عمر کی محبت ہے جس کے رنگ تتلی کے رنگوں کی طرح کچے ہوتے ہیں، ذرا سی سختی پر بکھر کر اپنا وجود کھو دیتے ہیں، نداحل نے ملتجی نظروں سے انہیں دیکھا اور لپک کر پیچھے جانا چاہا معاً کھڑکی سے قہقہوں کی آواز آئی، وہ اپنے بے جان قدموں کو گھسیٹتی ہوئی کھڑکی تک آئی اور باہر جھانکا، ولی کسی بات پر زور زور سے ہنس رہا تھا اور اس کی ہنسی میں ساتھ وہ دشمن جاں دے رہا تھا، جس سے ہر طرح کا تعلق ختم کرنے کا حکم دیا گیا تھا، وائٹ شلوار سوٹ میں اپنی مقناطیسی شخصیت سمیت وہ نداحل کی آنکھوں کو مسمر کر گیا تھا، وہ دونوں لان میں لگی کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے، وہ سورج کی اوٹ میں بیٹھا تھا، جس کے سبب سورج کی نرم دھوپ اس کی پشت سے ٹکرا کر اردگرد پھیل رہی تھی وہ ساحر تھا اور اس پل وہ نداحل کو اپنے سحر میں جکڑ چکا تھا۔

''آئم سوری بابا، میں مر کر بھی آپ کی بات نہیں مان سکتی، میں بھی......'' تبھی ولی کی نظر اس پر پڑی تھی، مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلایا تھا، ولی کی سمت متوجہ وہ بھی ذرا سا پلٹا تھا، چہرے پر روشنی بکھری اور آنکھیں جگنوؤں کی مانند جگمگانے لگیں، نداحل کے دل پر گھونسہ سا پڑا، ایک طرف محبت تھی اور دوسری طرف اپنی دھڑکنوں سے زیادہ عزیز رکھنے والا بھائی، وہ عجیب دوراہے پر آ کھڑی ہوئی تھی، وہ دونوں اسے ہی دیکھ رہے تھے، معاً وہ جھٹکے سے پلٹی اور زمین پر پڑا کاغذ اٹھایا اور ہتھیلی پر رکھ کر کئی پل خالی خالی نظروں سے دیکھتی رہی، اگر محبت کو چنتی تو باپ بھائی کو کھو دیتی اور ساتھ ہی ولی کا وہ اعتماد اور مان بھی جو اسے ان دونوں پر تھا اور ولی کی دوستی، ہرگز نہیں، اس نے ہاتھ میں پکڑے کاغذ کے پرزے پرزے کر کے دور اچھال دیئے۔

''میں ولی کا سر جھکنے نہیں دوں گی چاہے اس کے لئے مجھے اپنی محبت کو ہی کیوں نہ کھونا پڑے۔'' وہ گھٹنوں میں سر دیئے دھاڑے مار مار کر رو رہی تھی، کھڑکی کے پردے ہوا کے زور پر

اڑتے ہوئے عجب سا شور مچا رہے تھے، جبکہ وہ یہی الفاظ دہرا رہی تھی۔

عشق صوفی ہے نہ مفتی ہے نہ عالم ہے
عشق ظالم ہے بہت ظالم ہے فقط ظالم ہے

☆☆☆

خاموشی...... بالکل اس سمندر کی طرح ہے جو اپنے اندر بہت سے طوفان دبا کر رکھتی ہے، جیسے ہی صبر کا پیمانہ بھرتا ہے چھلک پڑتی ہے اپنے اندر دبا کر رکھے ہر احساس پر خلش کو باہر نکال پھینکتی ہے، بالکل اسی طرح جس طرح سمندر اپنے وجود میں سموئی ہر شے کو باہر نکال پھینکتا ہے جن سے بعض دفعہ قیمتی موتی اور کبھی خالی پن کا احساس لئے سیپیاں برآمد ہوتی ہیں، لیکن بعض دفعہ خاموشی کسی بند دروازے کی درز سے جھانکتی ہوئی روشنی کی وہ ہلکی سی لکیر بھی ہوتی جسے نہ تو کوئی محسوس کرتا ہے اور نہ ہی توجہ دیتا ہے، مگر وہ اپنی خاص اہمیت اور مقام رکھتی ہے کیونکہ وہ اپنی ذلت میں مکمل اور اپنے ہی وجود میں گم ہوتی ہے، بالکل ایسی ہی خاموشی نے نداحل کے وجود کا احاطہ کرلیا تھا، جو محبت مستنصر حسین کے لئے تتلی کے کچے رنگوں کی مانند تھی وہی محبت نداحل کے روم روم میں بسی اس کے وجود کے لئے کسی آکسیجن کا کام کرتی تھی اور جب آکسیجن کا ذریعہ چھوٹا تو وہ اپنے ہی وجود میں گھٹ گھٹ کر مرنے لگی، کیونکہ اس کے لئے زندگی کے ہر رنگ کا صرف ایک ہی مطلب تھا محبت کا رنگ، اس کے بغیر سارے گلشن بے اثر اور ہر دھنک بدرنگ تھی جب کوئی روزن نہ دکھا تو وہ اپنے ہر احساس ہر جذبے، دکھ، بے بسی اور گھٹن کو ڈائری میں قید کرنے لگی تھی، وہ ڈائری اس کی ہمراز سکھی ساتھی بن گئی تھی جس کے ہر صفحے پر لکھے لفظ اس کے آنسوؤں کی چوٹ سے پھیل کر اپنے مدار سے بہت آگے نکل جاتے تھے، مگر اسے ان کی ہیت سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا، کیونکہ وہ لفظ اس کے قیمتی متاع تھے جنہیں ہر روز وہ آنسوؤں کی لڑی میں پروتی تھی۔

اپنی محبت سے دست بردار ہونا اس کے لئے ہرگز آسان نہ تھا، ایسی صورت میں تو بالکل نہیں جب محبت بار بار آپ کا راستہ روکتی ہو کچھ ایسی صورتحال نداحل کے سامنے تھی، وہ جہاں سے بھی گزرتی تھی وہ دشمن جاں اس کی راہ میں حائل ہو جاتا تھا، لبوں پر تبسم مسکان اور آنکھوں میں خوابوں اور امنگوں کا جزیرہ لئے وہ نداحل کے دل کو گداز کر ڈالتا تھا، اس کے قدم ڈگمگانے لگتے تھے اور وجود موم کے سانچے میں ڈھلتے ہوئے اس کی نظروں کی تپش سے پگھلنے لگتا تھا، لیکن یہ صرف چند پل کے لئے ہوتا تھا، اگلے ہی پل وہ دل کو پتھر کر لیتی تھی اور اس کے پاس سے ایسے گزرتی جیسے کوئی شناسائی ہی نہ ہو، سامنے کھڑا وہ حیران رہ جاتا تھا، اس کی الجھن بھری نظریں نداحل کے غائب ہونے تک اس کا پیچھا کرتی تھیں، نداحل چونکہ طے کر چکی تھی اسی لئے وہ ہر قدم پر اس کی حوصلہ شکنی کرنے لگی تھی، وہ زبان سے کچھ نہیں کہتی بس خاموشی سے اس کے پاس سے ایسے گزرتی جیسے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو اور بالآخر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو ہی گئی تھی، اس نے محبت کرنا چھوڑی یا نہیں وہ نہیں جانتی تھی ہاں یہ ضرور ہوا کہ نداحل کی راہ میں حائل ہونا چھوڑ دیا تھا، پھر یوں ہوا کہ دن ہفتوں میں ڈھلے اور ہفتے مہینوں سے سالوں میں نہ نداحل نے شمار کیا اور نہ ہی اس بے مہر نے یاد کروایا، وہ ایسا بچھڑا کہ پھر پلٹ کر کوئی خبر ہی نہ لی، البتہ وہ ولی سے رابطے میں تھا اور نداحل کے پاس صرف یہی ذریعہ تھا اس کی خیریت سے

آگاہی کے لئے اور اس سے زیادہ وہ جانتی بھی نہیں تھی کیونکہ اس نے مستنصر حسین کے قدموں میں بیٹھ کر قسم کھائی تھی کہ وہ خود نہ کبھی اس سے رابطہ کرے گی اور نہ ہی ملنے کی کوشش اور اسی قسم کو نبھاتے نبھاتے وہ اپنی ہی ذات کے قبرستان میں دفن ہوگئی تھی، جس پر بین کرنے کے لئے ہر روز اس کی آنکھیں خود کو سمندر کر ڈالتی تھیں اور شاید یہی ازل سے محبت کا مقدر بھی ہے اور انجام بھی۔

☆☆☆

جس دن سے دیکھا ہے تم کو صنم
بے چین رہتے ہیں اس دن سے ہم
لگتا ہے ایسا خدا کی قسم
تم میرے ہو تم میرے ہو

سیاہ گگن پر ان گنت ٹمٹماتے ستاروں کا جال بچھا ہوا تھا، جن میں دودھیاں روشنی بکھیرتا چودھویں کا چاند بڑی شان سے ایستادہ مسکراتے ہوئے زمینی ستاروں کی کھلکھلاہٹوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا، سارے ماحول میں اک رومانوی سا فسوں چھایا ہوا تھا، جس میں مزید چار چاند کیپٹن زیان احمد کی آواز لگا رہی تھی، آج اس کی شادی کی تیسری سالگرہ تھی اور اس وقت وہ اپنے دوستوں کے اصرار پر گٹار کی دھن پر ایک خوبصورت گیت گنگنا رہا تھا اور متبسم و مخمور نظریں سفید ساڑھی میں ملبوس اپنی شریک حیات پر ٹکا رکھی تھی۔

شاعر جو ہوتا تو تیرے لئے
لکھتا غزل میں کوئی پیار کی
ہوتا مصور تو اپنے لئے مورت بناتا رخ یار کی
تصویر تیری بناتا میں سارے جہاں کو دکھاتا میں
پر کیا کروں کہ مصور نہیں
ہے بدنصیبی کے شاعر نہیں
کیسے بتائیں یہ تم کو صنم
تم میرے ہو، تم میرے ہو

''واؤ...... ویلڈن کیپٹن آج تم نے ثابت کر ہی دیا کہ تم بھابھی سے کتنی محبت کرتے ہو۔'' وہ جو گانا ختم کر کے تالیوں کے شور میں اسٹیج سے نیچے اتر رہا تھا سامنے سے آ کر عمر حیات نے اسے گھیر لیا تھا جبکہ ان کی بیوی کنفیوزڈ سی نداحل کو بھی اپنے ساتھ ہی گھسیٹ لائی تھی اور زیان احمد کے پہلو میں کھڑا کر دیا تھا، زیان نے مسکراتے ہوئے اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں لیا تھا ایک طرح سے اپنائیت کا اظہار کیا تھا۔

''سچ میں زیان بھائی آپ دونوں کو یوں ایک ساتھ دیکھ کر مجھے چاند سورج کی جوڑی والی بات پر یقین آ جاتا ہے، آپ دونوں ایک دوسرے کو یوں مکمل کرتے ہیں جیسے آسمان کی چادر میں ٹنکے وہ چاند ستارے آسمان کے دلفریب حسن کو۔'' عمر حیات کی بیوی کافی باتونی اور بے دھڑک اپنے احساسات و جذبات کو بیان کر دینے والوں میں سے تھی اور اسی لئے وہ کھل کر ان دونوں کی تعریف کر رہی تھی، زیان احمد نے مسکرا کر اپنے پہلو میں جھانکا تھا جہاں نروس سی وہ اپنے بائیں ہاتھ کی انگلی میں پہنی ہوئی انگوٹھی کو کبھی اتار رہی تھی تو کبھی پہن رہی تھی، جس کے سبب انگلی میں ہلکا سا گلابی پن اتر آیا تھا جو دودھیا مخروطی انگلی کو مزید دو آتشاں کر گیا تھا، زیان نے بہت نرمی سے اس کا وہی ہاتھ اپنی مضبوط گرفت میں جکڑ لیا تھا اور بہت ہی غیر محسوس طریقے سے انگلی کو سہلانے لگا تھا۔

''ٹھیک کہا آپ نے ہماری جوڑی باکمال تو ہے پر چاند سورج کی نہیں۔'' اس نے ذرا توقف سے اپنی بیوی کو دیکھا تھا۔

''بلکہ چاند اور چاندنی کی، میں چاند ہوں اور یہ میری نرم ٹھنڈی میٹھی سی چاندنی ہے جو مجھ

سے دور ہو یا میرے قریب رہتی ہمیشہ میرے مدار میں ہی ہے۔''

''ہوں تو موصوف آج فل شاعری کے موڈ میں ہیں۔'' انہیں کھڑا دیکھ بھی وہیں اکٹھا ہو گئے تھے، زیان احمد کی دلفریب بات بلکہ اظہار پر دل کھول کر اسے داد دے رہے تھے۔

''خیر یہ باتیں تو چلتی رہیں گی، اس وقت بارہ بج رہے ہیں چلیے چل کر کیک کاٹتے ہیں۔'' نداحل کی آنکھوں میں نجانے کیوں نمی سی چمکی تھی، اسی لئے وہ سنجیدہ ہوتے ہوئے کیک کی سمت بڑھ گیا، جہاں ہیرا کیک پر تین کینڈل لگا رہا تھا، نجانے کیوں ان تین موم بتیوں کو دیکھ کر زیان احمد کے چہرے پر اک پھیکی سی مسکان رینگ گئی تھی، پارٹی کا انتظام لان میں کھلے آسمان تلے کیا گیا تھا، لان میں لگے پودوں پر جگنوؤں کی لڑیاں ڈال کر ان کی خوبصورتی میں اضافہ کیا گیا تھا، جبکہ رہائشی عمارت میں اس وقت بالکل خالی تھی، کیونکہ زیان احمد کی پوسٹنگ ان دنوں اسلام آباد میں تھی، اسی لئے وہ آرمی کی طرف سے ملے ہوئے اس سرکاری اپارٹمنٹ میں صرف اپنی بیوی کے ساتھ رہتا تھا، جبکہ دونوں کا آبائی گھر سیالکوٹ میں تھا۔

کیک کٹتے ہی کھانا کھول دیا گیا تھا، بیرے ادھر سے ادھر مہمانوں کو کھانا سرو کرتے پھر رہے تھے، البتہ زیان احمد کی نظریں نداحل پر ٹکی تھیں۔ سفید لباس میں اپنے ہوشربا اور کافی حد تک بے پرواہ حسن سمیت کسی پرستان کی حور سے ہرگز کم نہیں لگ رہی تھی، وہ اپنے وجود میں ایسی کشش رکھتی تھی کہ سادگی میں ہوش اڑا دیتی تھی اور اس وقت تو وہ مہنگے ترین پارلر سے تیار ہوئی حسن کے تمام ہتھیاروں سے لیس تھی، زیان احمد کی نظروں کی تپش تھی یا کچھ اور نداحل کی محویت ٹوٹ گئی تھی، اس نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا تھا اور زیان کو اپنی طرف دیکھتا پا کر اک ٹھنڈی اور کافی تھکی ہوئی سانس خارج کی تھی اور قدم رہائشی عمارت کی سمت بڑھا دیئے تھے، چونکہ پارٹی اپنے اختتامی مراحل میں پہنچ چکی تھی اور اکا دکا افراد ہی رہ گئے تھے، جنہیں زیان خود بھی اکیلے سی آف کر سکتا تھا۔

☆☆☆

بدل ہی ڈالی ہے ظالم نے رسم محبت کی
مجھے بھی ساتھ رکھتا ہے اسے بھی ساتھ رکھتا ہے

''اس...... سید...... رکو...... رر...... رک جاؤ اسید...... پپ...... پلیز اسید اللہ کے لئے رک جاؤ۔'' اسی لئے اوسان ٹھکانے میں آنے کے لئے کافی لمحے لگے تھے، لیکن جونہی کروٹ بدل کر اپنے پہلو میں جھانکا تو بے اختیار لبوں سے اک ٹھنڈی سانس خارج ہوئی، اس کی بیوی گہری نیند میں کسی بچھڑے ہوئے کو روک رہی تھی، یہ تو روز کا معمول تھا، اب تک تو اسے عادی ہو جانا چاہیے تھا مگر وہ جب بھی خواب میں کسی کو پکارتی تھی، وہ اک نئے درد سے آشنا ہوتا تھا، غصے، بے بسی اور بے زاری کے شدید ترین احساس سے مغلوب ہوتے ہوئے اس کا شانہ جھنجھوڑا تھا، کئی آوازوں کے بعد اس نے آنکھیں کھول کر حیرت سے خود پر جھکے شوہر کو دیکھا تھا۔

''کیا ہوا؟'' آواز میں نمایاں الجھن تھی، ... نظروں میں ایسی کاٹ اتری کہ حقیقت کا ادراک اسے پل بھر میں ہوا تھا۔

''تم ایک کام کیوں نہیں کرتی، یا تو یہ بیڈ روم بدل لو یا پھر اسی کے پاس چلی جاؤ جو تمہیں سکون سے سونے بھی نہیں دیتا تاکہ کم از کم میں تو سکون کی نیند سو پاؤں۔'' وہ گہرے طنزیہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولا تھا، اس نے حیرت سے سر

اٹھا کر اپنے شوہر کو دیکھا تھا وہ جب بھی خواب میں بڑبڑاتی تھی اس کا شوہر ہمیشہ خاموش رہتا تھا اور پانی کا گلاس اس کی سمت بڑھا دیتا تھا، مگر آج ایسا کچھ نہیں ہوا تھا، اس کے ہر ہر انداز سے بے زاری و بے رغبتی جھلک رہی تھی، اتنا آساں کہاں تھا اپنی بیوی کے منہ سے کسی غیر کا نام سننا آخر وہ بھی اک مرد تھا کب تک برداشت کرتا، اس سے پہلے وہ کچھ کہتی وہ خود ہی واک آؤٹ کر گیا تھا، اس کے قدموں سے لپٹتی تھکن و مایوسی نے اس کے دل کو خاک کیا تھا، دل میں عجب سی خواہش جاگی کہ آگے بڑھ کر اسے روک لے لیکن یہ ممکن نہیں تھا، کیونکہ بعض دفعہ ہم اپنے جنون و وحشت میں اتنی آگے نکل آتے ہیں کہ چاہیے تو بھی واپس نہیں پلٹ پاتے، اگر مڑ کر بھی دیکھیں تو صرف دھول و دھند میں اٹا ویرانہ ملتا ہے اور ویرانوں میں صرف بھٹکا جاتا ہے، وہ جانتی تھی رات بھر شہر کی خاک چھاننے کے بعد وہ صبح واپس لوٹ آئے گا، اس نے تھک کر سر بیڈ کی پشت سے ٹکایا اور آنکھیں موند لیں تھی۔

بچھڑ کے تجھ سے کسی طور دل بہل نہ سکا
نشانیاں بھی تیری میرے پاس کتنی تھیں

وہ پیدل ہی بے مقصد سڑک پر نکل آیا تھا، یہ ہر روز کا نہیں، لیکن ہفتے میں کبھی ایک دو دن اس کی بیوی کو اس طرح کا دورہ ضرور پڑتا تھا اور جب بھی ایسا ہوتا تھا وہ رات کانٹوں پر بسر کرتا تھا، اب بھی لائٹر سے سگریٹ کو شعلہ دکھایا اور ایک طویل کش لے کر دھواں ہوا میں چھوڑا تھا، گہری ڈارک براؤن آنکھیں سامنے پھیلی طویل سڑک پر تھیں جبکہ ذہن و دل کہیں اور کسی اور جہاں میں پہنچا ہوا تھا۔

”تو مسٹر زیان احمد! کیا ملا تمہیں نداحل مستنصر حسین سے شادی کر کے، ایک ایسی زندگی جس میں نہ خوشی ہے اور نہ ہی کوئی سکون و راحت کا پل، پچھلے تین سالوں میں تم حاصل ہی کیا کر پائے ہو، یہ دنیا یہ کلاس جس کے سامنے تم ایک خوش باش ہیپی میرڈ لائف کا ڈھونگ رچاتے ہو آخر اس کی حقیقت کیا ہے، ایک ایسی بیوی جس کا وجود صرف تمہارے پاس ہے جبکہ اس کا ذہن و دل اور روح پر کوئی اور ہی قابض ہے، جو رہتی تو تمہارے ساتھ ہے لیکن پیار کسی اور سے کرتی ہے، چچ...... چچ تف ہے تمہاری زندگی پر، تف ہے۔“ ہاتھ میں دبی سگریٹ خود تو جلی تھی جبکہ اس کی انگلی کو بھی جلا ڈالا تھا، اس نے چونک کر سگریٹ دور اچھالی اور ترحم بھری نظریں اپنی انگلی پر گاڑھ دیں۔

”تم میں اور اس سگریٹ میں کوئی فرق نہیں ہے نداحل، تم دونوں جلتی تو خود ہو لیکن راکھ دوسروں کو کر دیتی ہو، لیکن ایک بات اچھی بھی ہے جب تک سامنے والا تباہ نہ ہو جائے تم دونوں پیچھا نہیں چھوڑتی ہو۔“ زیان کے جوتوں سے کوئی چیز ٹکرائی تھی، وہ ایک چھوٹے سائز کا پتھر تھا جسے اس نے پاؤں کی اک زوردار ٹھوکر سے دور اچھال دیا تھا، بلیک لائننگ والے ٹراؤزر پر بلیک ٹی شرٹ پہنے وہ بے پناہ ڈیشنگ لیکن انتشار کا شکار لگ رہا تھا، وہ اس وقت اپنی ذات سے قدرے بے پرواہ دکھائی دے رہا تھا، بالکل ایسے مسافر کی طرح جو آدھے راستے میں ہی اپنا تمام مال و اسباب لٹا بیٹھا ہو۔

صبح وہ ناشتے کے لوازمات چن رہی تھی جب وہ یونیفارم پہنے نک سک سے تیار نیچے آیا تھا، کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے رات والے واقعے کے کوئی بھی نشان اس کے چہرے پر دکھائی نہیں دے رہے تھے، نداحل نے خاموشی سے اسے سرد کیا تھا، ایک دو نوالے لینے کے بعد وہ

اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''ذی...... پلیز ناشتہ تو مکمل ختم کر کے جائیں۔'' نداحل کے لہجے میں بیقراری بھری التجا تھی، زیان کے قدم پل میں تھمے تھے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ رینگ گئی تھی، وہ قدم قدم چلتا ہوا نداحل کے مقابل آ کھڑا ہوا تھا اور اپنی سرد و سپاٹ نظریں اس کے چہرے پر گاڑھ دی تھیں جو امید بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''ہوں۔'' اس نے اک گہرا سانس چھوڑتے ہوئے نداحل کے شانوں پر ہاتھ رکھے، نجانے کس احساس کے زیر اثر اس کی پلکیں عارضوں سے جا ملی تھیں، جبکہ اس کے خوبصورت نقوش سے سجے چہرے پر طنز اتر آیا تھا، جب بولا تو الفاظ میں ایسی کاٹ تھی جو مقابل کو ایک پل میں فنا کر دے۔

''تو ایسا ہے، مس نداحل، میری زندگی میں پہلے بھی کوئی چیز مکمل نہیں ہے، اگر یہ ناشتہ ادھورا رہ جائے گا تو کوئی قیامت برپا نہیں ہو جائے گی، اگر کچھ مکمل کرنا ہی ہے تو اس رشتے کو کرو جو اس گھر میں اپنی آخری سانسیں بھر رہا ہے، اس سے پہلے یہ دم توڑ جائے اور یہ کہانی ایک بار پھر سے ادھوری رہ جائے۔'' نداحل نے کچھ کہنے کے لئے لب وا کیے لیکن الفاظ کہیں کھو سے گئے، اپنی بے بسی پر آنکھوں میں آنسو بھر آئے، جو گالوں کو تر کرتے دامن کو بھگونے لگے تھے، زیان کے لبوں پر استہزائیہ مسکان پھیلی، چند پل اسے ترش نظروں سے گھورنے کے بعد ایک جھٹکے سے اسے پرے دھکیلا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر چلا گیا، پیچھے وہ بے دم ہو کر کرسی پر گر سی گئی تھی، اس کے ہاتھوں کی سختی سے اسے اپنی کھال ادھڑتی ہوئی محسوس ہوئی تھی، اس پر ستم اس کے کٹیلے الفاظ جنہوں نے اس کے تمام زخموں سے کھرنڈ اتار پھینکا تھا، نداحل مستنصر حسین سے نداحل زیان احمد بننے تک کا سفر اس کے لئے ہرگز آسان نہیں تھا، کئی دل کئی انسان اور کئی خواب ٹوٹے تھے اس بیچ لیکن وہ یہ سب زیان احمد سے نہیں کہہ سکتی تھی، کیونکہ اس کا درد اس کا اپنا درد تھا، مگر آج زیان احمد کے الفاظ اسے ماضی کے دلدل میں دھکیل چکے تھے جہاں وہ اپنی نادانی اور لاابالی پن کی وجہ سے نہ صرف خود کو بلکہ خود سے جڑے بہت سے رشتوں کو ایذا پہنچا چکی تھی۔

☆☆☆

آج اس کا آخری پیپر تھا، جس سے فارغ ہو کر وہ سیدھا کمرے میں آئی تھی، ارادہ مہینے بھر کی تھکن اتارنے کے لئے لمبی تان کر سونے کا تھا، وہ کپڑے بدل کر بستر تک آئی ہی تھی تبھی حرم اس کے پیچھے چلی آئی تھی، سامنے کھڑی وہ بلاوجہ ہی انگلیاں چٹخانے لگی جس پر نداحل نے بغور اس کے انداز کو ملاحظہ فرمایا تھا۔

''خیریت تم کیوں نائن ٹینز کی ہیروئنوں کی طرح ایکٹ کر رہی ہو، جو کہنا ہے وہ بلا تردد بھی کہہ سکتی ہو۔'' حرم جو سوچ رہی تھی بات کس طرح شروع کرے نداحل نے پہل کر کے خود اس کی مشکل حل کر دی تھی۔

''آج گھر میں مہمان آئے تھے۔'' حرم نے تمہید باندھی۔

''پھر، اس میں نیا کیا ہے؟ مہمان تو اکثر آتے ہی رہتے ہیں۔'' نداحل نے جمائی روکتے بے پروا ہی سے کہا۔

''اس میں نیا یہ ہے کہ تانیہ آئیں تھیں، تمہاری اور ارتضٰی بھائی کی شادی کی ڈیٹ فائنل کرنے کے لئے۔'' بالآخر حرم نے وہ بات کہہ ہی دی تھی جسے کہنے کے لئے وہ پچھلے پانچ منٹ سے کشمکش کا شکار تھی، نداحل کو لگا اس نے کچھ غلط سنا

ے، اس کی بے یقین غزالی نگاہیں حرم کے
ے پر جم کر رہ گئیں تھیں۔
''بابا جان نے انکار کر دیا ہوگا نہ؟''
''نہیں۔'' حرم کے یک لفظی جواب پر وہ
کت ہوئی تھی۔
''بابا جان راضی ہیں پر ارتضٰی بھائی صرف
ح کرنا چاہتے ہیں ان کا ایک پراجیکٹ ادھورا
، اس کے مکمل ہوتے ہی وہ رخصتی کروا لیں
۔'' وہ کچھ دیر سن سی کیفیت میں بیٹھی رہی،
ب نگاہیں اٹھائیں تو ان میں حتمی تاثر تھا، جس
ے حرم کو پریشان کر دیا تھا۔
''لیکن حرم، تم نے کہا تھا میں صرف یہ منگنی
رلوں، بعد میں سہولت سے کوئی وجہ بتا کر انکار
سکتی ہوں اور اب تم میرے پاس نکاح کی
لاع لے کر آئی ہو جبکہ تم جانتی ہو یہ کسی صورت
ن نہیں، میں کسی بھی قیمت پر ارتضٰی سے نکاح
یں کروں گی، میں خود ابھی جا کر بابا جان کو انکار
رتی ہوں۔'' وہ پیروں میں سلیپر اڑستی
وازے کی سمت بڑھی تھی، تبھی حرم اس کے
ستے میں حائل ہو گئی تھی۔
''کیا کہہ کر انکار کرو گی؟ یہی کہ تم بچپن
ے کسی کی اسیر ہو تم اس کے سوا کسی اور سے
دی کا سوچ بھی نہیں سکتی ہو، چلو ایک پل کے
ئے مان لیا بابا جان تمہاری سن لیتے ہیں پھر، اس
ے بعد کیا؟ کیسے ملواؤ گی ان سے؟ اسے جس کا
چھلے سات سالوں سے کوئی اتا پتہ ہی نہیں ہے،
ایسا گیا کہ پلٹ کر تمہاری خبر تک نہ لی اور لیتا
ں کیوں؟ تم نے کون سا اس سے محبت کا مان
شا تھا، اس کے حوصلوں کو پست کیا تھا نا کہ
یرائی بخشی تھی، وہ آئے بھی کیوں نداحل، تم نے
ں شدت سے اس کا دل توڑا تھا نہ ایسے میں
سے نہیں کرنا چاہیے تھا، مجھے نہیں پتہ تم نے ایسا
کیوں کیا؟ لیکن میں جانتی ہوں کوئی تو وجہ رہی ہو
گی تمہارے ایسے رویے کی، اگر تم پہلے اسے کسی
وجہ سے چھوڑ چکی ہو تو اب اپنے فیصلے پر قائم
رہو۔''
''میں نہیں جانتی وہ اب بھی تم سے محبت کرتا
ہے یا نہیں، ہاں پر اتنا ضرور جانتی ہوں کہ اس کی
محبت اپنا راستہ بدل چکی ہے، اسی لئے تم بے
وقوفی و نادانی کے اس جزیرے سے باہر نکل آؤ
جہاں رنج و نارسائی کے علاوہ تمہیں کچھ نہیں ملے
گا۔'' حرم نے گہرا سانس بھرتے اس کے سرد
پڑتے ہاتھوں کو اپنی گرفت میں لے کر نرمی سے
دبایا تھا۔
''مان لو نداحل بعض چیزیں ہمارے لئے
بنی ہی نہیں ہوتیں، ہم جتنی شدت سے ان کی
طرف بھاگتے ہیں، وہ اس سے زیادہ شدت سے
ہم سے دور چلی جاتی ہیں اور ویسے بھی کہانیاں ختم
ہوتی ہیں محبت نہیں، ہو سکتا ہے جس محبت کو تم
یہاں وہاں ڈھونڈ رہی ہو وہ ارتضٰی کی صورت میں
بانہیں پھیلائے تمہارے استقبال کے لئے کھڑی
ہو، ہو سکے تو ٹھنڈے دماغ سے غور کرنا پلیز۔'' وہ
اس کے گال کو آہستگی سے سہلا کر کمرے سے باہر
چلی گئی تھی۔
جب بکھرے گا تیرے رخسار پہ تیری آنکھ کا پانی
تجھے احساس تب ہو گا محبت کس کو کہتے ہیں
اور پھر وہی ہوا تھا جو گھر والوں نے چاہا تھا،
وہ نداحل مستنصر حسین سے نداحل ارتضٰی بنا دی گئی
تھی، حرم نے ٹھیک کہا تھا وہ کس کے لئے اپنے
گھر والوں کے چہروں سے خوشی چھینے، اگر سب
ایسے ہی چلنا تھا تو ٹھیک ہے وہ بھی کوئی اعتراض
نہیں کرے گی، رہی بات دل کی تو وہ کون سا پہلے
سکون میں تھا، جس کے سکون کا وہ اب کوئی
سامان کرتی۔

نکاح کے بعد حرم سیدھا اس کے پاس آئی تھی، ارتضٰی اس سے ملنا چاہتا تھا، مگر نداحل نے انکار کر دیا تھا، حرم جانتی تھی وہ اس وقت کس ذہنی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے اسی لئے مزید فورس نہ کرتے ہوئے اس کا انکار سب تک پہنچا دیا تھا۔

لیکن جیسے ہی تمام مہمان چلے گئے حرم ایک بار پھر سے اس کے روبرو تھی وہ ڈریسنگ کے سامنے بیٹھی جیولری اتار رہی تھی، پنک زرتار جوڑے میں آج اس پر ٹوٹ کر روپ آیا تھا، مزید حسن اگر سوگوار ہو تو دوآتشہ ہو جاتا ہے، کلائیوں سے چوڑیاں اتارتے ہوئے نداحل نے ذرا کی ذرا حرم کو دیکھا اور کوئی توجہ دیئے بغیر اٹھ کر واش روم میں گھس گئی تھی کچھ دیر بعد فریش ہو کر باہر نکلی تو حرم کو بیڈ پر فرصت سے بیٹھا دیکھ اک ٹھنڈی آہ بھری تھی، حرم کی نظریں اسی پر جمی تھیں، سفید لون کے شلوار سوٹ میں نکھری نکھری سی وہ بہت معصوم اور پاکیزہ لگ رہی تھی، بیضوی چہرے سے ٹپکتی پانی کی بوندیں اس کے گلابی دوپٹے میں جذب ہو رہی تھی، جبکہ وہ بے نیازی سے اپنے بالوں کو سلجھا رہی تھی۔

''تم خوش ہو نہ نداحل؟'' حرم نے نجانے کیا سوچ کر یہ سوال کر بیٹھی، اور نداحل وہ اتنی دیر تک ہنستی چلی گئی کہ آنکھیں پانیوں سے لبالب بھر گئیں تھیں۔

''تمہیں اب خیال آیا ہے میری خوشی کا جب میں اپنا دامن خالی کر بیٹھی ہوں، حیرت ہے حرم بہت حیرت ہے۔''

''تم مان کیوں نہیں لیتی ہو وہ نہیں تھا تمہارے نصیب میں۔'' حرم کے وجود کو عجب سی افسردگی نے اپنی لپیٹ میں لیا۔

''مان لیا ہے حرم، مان ہی تو لیا ہے، تبھی تو مدثر ارتضٰی بن بیٹھی ہوں، پر کیا کروں حرم میں چاہ کر بھی تم لوگوں کے لئے خوش نہیں ہو پاتی، یہ دیکھو میری ہتھیلی پر ارتضٰی کے نام کی مہندی رچی ہے لیکن اس کی خوشبو میرے دل تک نہیں پہنچتی، تم سمجھتی ہو میں خود غرض ہوں، مجھے کسی کی پرواہ نہیں، پر ایسا نہیں ہے، یہ سب کچھ میں نے بابا جان، ولی، دادی، رباب اور تمہارے لئے ہی تو کیا ہے تم سب کی خوشی کے لئے۔'' اس نے ہچکی بھری۔

''مگر میں کیا کروں وہ میرے روم روم میں بسا ہے میں جتنا اسے بھلاتی ہوں وہ اور شدت سے مجھے یاد آتا ہے، اس کی ہنسی اس کی نظریں ہمیشہ میرے آس پاس رہتی ہیں، مجھ سے شکوہ کرتی ہیں اپنے سوالوں کا جواب مانگتی ہیں، لیکن تم فکر نہ کرو میں اس کی ہر یاد کو اپنے دل سے نوچ ڈالوں گی، محبت کی ان تناور شاخوں کو کاٹ ڈالوں گی، مگر پلیز مجھے تب تک کے لئے کچھ وقت دے دو۔'' نداحل کی آنسو بھری نظروں میں التجا سمٹ آئی تھی، حرم نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اسے خود میں سمیٹ لیا تھا، وہ اپنی بہن کے ہر دود اور ہر خسارے سے اچھی طرح آگاہ تھی، اس نے نداحل کو ٹوٹتے اور جڑتے ہوئے دیکھا تھا، اسی لئے حرم کو یقین کامل تھا ایک نہ ایک دن وہ ہو یاد ہر درد سے اپنا دامن چھڑا کر زندگی میں ضرور آگے بڑھے گی اور حرم کو اسی دن کا انتظار تھا اور وہ وقت جلد یا بدیر آنے والا تھا۔

☆☆☆

چل پڑی ہیں دعائیں عرش کی جانب
بس اب تم میرے ہونے کی تیاری کرو

نکاح کے اگلے ہی دن نداحل کو بہت تیز بخار نے آ گھیرا تھا سب گھر والوں کے ہاتھ پاؤں پھول چکے تھے، مزید ڈاکٹر کی تشخیص کردہ دوائیں بھی بے اثر ثابت ہوئیں، وہ نڈھال اور

پژمردہ سی بستر پر پڑی تھی، اس دیکھ دادی کو ہول اٹھنے لگے تھے، نداحل ایک ایسا طوطا تھی جس میں سبھی گھر والوں کی جان بسی تھی، وہ سب کی چہیتی اور فرمانبردار تھی، جبکہ ولی کی تو بات ہی الگ تھی وہ پچھلے دو دن سے نداحل کے ساتھ ہی جاگ رہا تھا، اس کا بھرپور خیال رکھتے وہ خود کو مکمل فراموش کر بیٹھا تھا، ولی کی محبت ایسی ہی تھی نداحل کے لئے، کسی ماں کی معتبر دعا جیسی یا پھر تپتے صحرا میں نخلستان جیسی، وہ بیک وقت نداحل کے لئے ماں باپ، بھائی، دوست سبھی کچھ بن جاتا تھا، البتہ نداحل کی محبت کا انداز علیحدہ تھا، اسے جتانا نہیں آتا تھا وہ بن کہے ولی کی ہر ضرورت ہر بات کا خیال رکھتی تھی، اتنا ولی خود کو نہیں جانتا تھا جتنا نداحل اس کی پسند ناپسند کے بارے میں جانتی تھی۔

☆☆☆

آج صبح ہی آسمان کو سیاہ گھنگھور بادلوں نے گھیرا ہوا تھا، ذرا دیر کو آسمان کی سیاہی کو بجلی کی ہلکی سی لکیر روشن کرتی اور پھر اندھیرا چھا جاتا، مترنم سی ہوا درختوں کے پتوں سے مانوس سی اٹھکیلیاں کرتی جس پر پتے سرسراتے ہوئے جھوم اٹھتے تھے، معاً دیکھتے ہی دیکھتے بادل اس زور سے برسے کہ چند پل میں ہی جل تھل ہو گیا تھا، بارش کی ٹپ ٹپ گرتی بوندیں خوبصورت ردھم پیدا کر رہی تھیں، شدید حبس اور گرمی کے بعد آسمان ٹوٹ کر برس رہا تھا، اسی لئے کائنات کا ہر ذرہ ذرہ کھل اٹھا تھا، بارش کے دیوانے چھتوں اور صحنوں میں نکل کر خود کو بارش کی بوندوں سے قطرہ قطرہ سیراب کر رہے تھے، ان دیوانوں میں اک رباب بھی تھی، جو اسی تاک میں رہتی تھی کہ کب آسمان برسے اور وہ کب بانہیں پھیلا کر اس سے جھڑتے موتیوں کو اپنے دامن میں سمیٹے، وہ اب بھی بازو پھیلائے گول گول گھومتی ہوئی مکمل بھیگ چکی تھی، گلابی لان کا جوڑا بھیگ کر اس کے نازک سراپے سے چپک گیا تھا، گندم کے خوشوں کی طرح دمکتی رنگت اس وقت گلابی گلابی سی ہو رہی تھی، کئی آوارا لٹیں چٹیاں سے نکل کر چہرے کو گھیرے ہوئے تھیں، وہ اس قدر منہمک تھی کہ کھڑکی کے پار ولی کی محویت نوٹ ہی نہیں کر پائی تھی، وہ آنکھوں میں محبت کے انوکھے جزیرے آباد کیے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''اگر تاڑنا مکمل ہو گیا ہو تو نظر کرم ان پکوڑوں کی سمت بھی کر لو جو نجانے کب سے تمہاری اک دید کے منتظر ہیں۔'' وہ جو اردگرد پھیلائے رباب کو دیکھ رہا تھا چونک کر سیدھا ہو بیٹھا تھا، حرم تیکھی نظریں اسی پر ٹکائے ہوئے تھی، ولی نے خجل ہو کر بال کھجائے تھے۔

''اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟'' وہ حرم کو نظر انداز کرتا نداحل سے بولا۔

''طبیعت تو بہت سوں کی خراب ہوئی پڑی ہے۔'' حرم معنی خیزی سے بولا۔

''اگر اجازت دیں تو یہیں بلا لیں طبیب کو۔''

''ارے کہاں دور تھا یہاں دوا دی اور وہاں بخار غائب، لیکن دیکھو تو تین دن ہونے کو آئیں ہیں پر ذرا جو بچی کی طبیعت سنبھلی ہو، کیسی پیلی پھٹک سی ہو گئی ہے میری بچی۔'' پاس بیٹھی دادی نے حرم کی بات سے اپنے مطلب کے معنی اخذ کیے تھے جبکہ جان کی خلاصی ہونے پر ولی نے سامنے پڑی پلیٹ کو اپنی گرفت میں لیا اور خستہ پکوڑا منہ میں ڈالا تھا۔

''مجھے تو لگتا ہے نظر ہی لگ گئی میری بچی کو، موئے سارے مہمان کیسے دیدے پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے، ماشاءاللہ لگ بھی تو کتنی پیاری

لگ رہی تھی، اے آسیہ میں تو کہتی ہوں بیٹی کا صدقہ دے ڈالو جان چھوٹے میری بچی کی موئی بیماری سے۔'' دادی کو نداحل کی صورت دیکھ باقاعدہ ہول اٹھ رہے تھے، جبھی وہ کسی کو بھی بخشنے کے موڈ میں نہیں تھے، البتہ ولی نے بمشکل ہی ان کی باتیں ہضم کی تھیں۔

''دادی مجھے تو لگتا ہے اس دن سے زیادہ آپ ہی نداحل پر فدا ہو رہی تھیں، کہیں یہ آپ کی نظر کا تو کمال نہیں؟'' آسیہ نے گھور کر اسے دیکھا تھا مگر وہ کہاں پرواہ کرتا تھا۔

''اے لو سنتی ہو آسیہ، اپنے سپوت کی بات اب میں اپنی پوتی کو بھی نہ دیکھوں، نہ برخوردار تم ساری محفل میں مجھے ہی تاڑتے رہے تھے۔'' دادی تنک کر بولی تھیں، جس پر سبھی کے قہقہے بے ساختہ تھے، نداحل کے پژمردہ سے چہرے کو بھی دھیمی مسکان نے چھوا تھا، البتہ ولید کہاں شرمندہ ہونے والا تھا۔

''اب کیا کرتا دادی محفل میں ایک آپ ہی پری چہرہ تھیں ورنہ تو سبھی پیسٹری کی دکان بنی ہوئی تھیں اور پیسٹری مجھے ہرگز نہیں پسند۔'' ولی نے لاؤنج میں داخل ہوتی رباب کو نشانہ بنایا تھا، جو اک گھوری سے اسے نوازتی نداحل کے برابر میں ٹک گئی تھی، بھیگے گلابی جوڑے کی جگہ وہ اب بلیو اور گرین رنگ کے لان کے جوڑے میں ملبوس تھی، البتہ بھیگی بادامی لٹیں اب بھی چہرے کے اطراف میں پھیلی ہوئیں تھیں۔

''ویسے دادی آج ہمارا گھر واقع میں ہی گھر نہیں لگ رہا۔'' ولی کی نظریں رباب کے دھلے دھلائے صبیح چہرے پر پھسلنے لگی تھیں، اسے جتنا میک اپ سے چڑ تھی اتنا ہی رباب اسے چڑانے کے لئے میک اپ استعمال کرتی تھی، رباب ولی کی اکلوتی پھپھو کی بیٹی تھی، جو آج سے تین سال پہلے ہارٹ اٹیک سے وفات پا چکی تھیں، پھپھا کا انتقال رباب کے بچپن میں ہی ہو گیا تھا تب سے رباب یہیں خالدہ پھپھو کے ساتھ رہتی تھی، اپنی زندگی میں ہی خالدہ پھپھو رباب کی نسبت ولی کے ساتھ طے کر گئیں تھیں۔

''نہ برخوردار تم سے کون کہتا ہے صبح صبح ہی آئینے میں اپنی شکل دیکھ لیا کرو، اب نظر آ جاتا ہو گا کوئی بندر تو اس میں ہمارا کیا قصور۔'' دادی نے اک گھوری سے نوازتے ہوئے اپنا حساب بے باک کیا تھا، جبکہ رباب کے چہرے پر دل جلانے والی مسکان کھل اٹھی تھی، باقی سب بھی دبی دبی ہنسی ہنس رہے تھے، ولی اور دادی کی یہ نوک جھوک تو معمول کا حصہ تھی۔

''وہ کیا ہے کہ مجھے اک ضروری کام کرنی ہے تو سبھی کو اللہ حافظ۔'' ولی لمحے کے ہزارویں حصے میں بہانہ گھڑ کر غائب ہوا تھا، اس کے نکلتے رباب مزید پھیل کر صوفے پر بیٹھ گئی تھی، اب ہوا نہ حساب برابر، نکاح والے دن کیسے گلا پھاڑ پھاڑ کر ہنس رہا تھا مجھ پر، رباب کو وہ وقت ہی نہیں بھولتا تھا جب وہ اتنے دل سے تیار ہو کر آئی تھی اور موصوف اسے دیکھ کر ایسے لوٹ پھوٹ ہوا تھا کہ سبھی ان کی سمت متوجہ ہو گئے تھے، خجالت کے مارے رباب کی رنگت دہک اٹھی تھی، تب سے رباب کی ولی سے بات چیت بند تھی۔

''دیکھو تو کتنی سی شکل نکل آئی ہے، اللہ غارت کرے ایسے بدنظروں کو۔'' ولی کے جاتے ہی دادی کی توجہ پھر سے نداحل کی سمت متوجہ ہو گئی تھی، اب اگر ولی یہاں ہوتا تو ضرور کہتا، دادی میک جو ڈھل گیا ہے، رباب نے سوچا اور دھیرے سے مسکرا دی تھی، دادی کی ہڑبڑاہٹیں مسلسل جاری تھیں، حرم نے اک چور نظر نداحل کے چہرے پر ڈالی جو شیشے کے پار لان میں

جھانک رہی تھی، جہاں موسلا دھار بارش تھم چکی تھی، ہر چیز اجلی اور نکھری نکھری لگ رہی تھی۔

"آہ نجانے بچی کی کب چھوٹے گی جان اس موئے بخار سے۔" دادی اک سرد آہ خارج کرتی عصر کی نماز ادا کرنے کے لئے اٹھ گئیں تھیں، حرم کا جی چاہا کہ کہہ دے۔

"دادی جسمانی بخار تو دوا سے اتر جاتا ہے لیکن جن کی روح بیمار عشق ہوتی ہے، ان کا یہ مرض صرف اور صرف محبوب کی اک دید سے رفع ہوتا ہے۔"

تم کو یاد نہ کروں تو بچ سکتا ہوں
طبیب نے یہ آخری دوا ہاتھ جوڑ کر بتائی ہے

☆☆☆

میں نے دل کے دروازے پر لکھا تھا!!!!
اندر آنا منع ہے......!
عشق مسکراتا ہوا بولا......
معاف کرنا میں اندھا ہوں!!!!

فون کی بیل مسلسل بج رہی تھی جب کسی نے ریسیو نہ کیا تو نہ چاہتے ہوئے نداحل کو خود ہی اٹھانا پڑا تھا۔

"ہیلو۔" اس نے دھیمے سے پکارا تھا۔

"اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟" جواب دیتے ہوئے اس کے لہجے میں واضح کپکپاہٹ تھی جسے ارتضٰی نے شدت سے محسوس کیا تھا۔

"گڈ...... پھر ہم مل سکتے ہیں۔" اس کی اگلی بات نے نداحل کے اوسان خطا کر ڈالے تھے، وہ بمشکل ہی اس سے بات کر رہی تھی، شاید اس رشتے کا لحاظ تھا جو ان دونوں کے بیچ قائم ہو چکا تھا، ورنہ جب بھی ارتضٰی نے بات کرنے کی کوشش کی تھی وہ صاف اپنا دامن بچا جاتی تھی۔

"آئندہ [illegible]
خواہش کو پورا نہیں کر سکتی۔"

"طبیعت پوچھنے کا شکریہ، اللہ حافظ۔" اپنی بات مکمل کرتے ہی اس نے کھٹاک سے فون رکھ دیا تھا۔

جس یونی میں نداحل نے ایم بی اے پارٹ ون کا ایڈمیشن لیا تھا وہیں سے ہی ارتضٰی نے بھی اپنا ایم بی اے کمپلیٹ کیا تھا، وہ یونی کا ایک سیمینار اٹینڈ کرنے آیا تھا بس وہیں اس کی نظر نداحل پر پڑ گئی تھی، جھیل سی گہری آنکھوں والی نداحل فٹ سے اس کے دل میں اتر گئی تھی، ارتضٰی کو کانچ کی یہ مورت اتنی پسند آئی تھی کہ اگلے ہی دن وہ اپنی مام تانیہ عباد کو لے کر حسین ولا میں پہنچ گیا تھا، تانیہ عباد کو بھی نداحل اتنی پسند آئی کہ وہ ہاں کروا کر ہی اٹھی تھیں، ان دونوں کو منگنی کے بندھن میں باندھا دیا گیا تھا، شادی نداحل کے فائنل ایگزام کے بعد ہونا طے پائی تھی، ارتضٰی کے والد عباد صدیقی چند سال پہلے ہی وفات پا چکے تھے، کافی پیمانے پر پھیلا ہوا کاروبار وہ تن تنہا ہی سنبھال رہا تھا، اس سے چھوٹا بھی ایک بھائی تھا مگر اسے بزنس کے کسی بھی معاملے سے ذرا برابر بھی شغف نہیں تھا، وہ ان دنوں لندن کے میڈیکل انسٹی ٹیوٹ سے تعلیم حاصل کر رہا تھا، وہ میڈیکل کے تھرڈ ائیر میں تھا، صرف چھٹیوں میں ہی پاکستان کا چکر لگاتا، تانیہ عباد خود ایک ورکنگ وومن تھیں، ان کا اپنا بوتیک تھا، اور کئی فلاحی اداروں کی لیڈر شپ بھی حاصل کر رکھی تھی۔

راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا، مگر ارتضٰی نے نکاح کا کنکر پھینک کر انتشار برپا کر دیا تھا، سبھی کے مطابق نکاح کے بجائے شادی ہونی چاہیے تھی لیکن ارتضٰی نے اپنی چلاتے ہوئے نکاح کر لیا تھا اور رخصتی اپنے پروجیکٹ کے مکمل ہونے تک ملتوی کر دی تھی، ہر ایک طرح سے [illegible] نداحل کے حق میں ہی تھا، یوں اسے سنبھلنے کے

لئے کچھ وقت مل جاتا پر آج ارتضٰی کے فون اور ملنے کی خواہش نے اسے حواس باختہ کر دیا تھا وہ کسی بھی قیمت پر ارتضٰی سے ملنا نہیں چاہتی تھی، حالانکہ ایسی کوششیں وہ پہلے بھی کر چکا تھا، لیکن تب کے اور اب کے حالات میں زمین آسمان جتنا فرق تھا، اب وہ نداحل پر شرعی حق رکھتا تھا اور اسی حق کو استعمال کرتے ہوئے وہ کچھ بھی منوا سکتا تھا۔

گھنٹی ایک بار پھر سے بج رہی تھی، دوپہر کا وقت امکان یہی تھا کہ سبھی اپنے اپنے کمروں میں آرام کر رہے ہونگے اسی لئے مرتا کیا نہ کرتا کی مصداق اس نے پھر سے ریسیور اٹھا لیا تھا۔

''جب میں کہہ چکی ہوں مجھے نہیں ملنا آپ سے تو پھر کیوں فورس کر رہے ہیں۔''

''ولید سے بات ہو سکتی ہے؟'' اس کی مکمل بات سننے کے بعد نہایت آہستگی سے کہا گیا تھا، نداحل کے وجود میں برقی لہر دوڑ گئی تھی، وہ اک پل میں پتھر کی مورتی میں تبدیل ہوئی تھی۔

''کیا میں ولید مستنصر حسین سے بات کر سکتا ہوں؟'' اس کی گہری ہوتی خاموشی پر دوسری طرف پھر سے اپنا مطالبہ دہرایا گیا تھا، اس کی سانسوں کا زیر بم مقابل کو یہ احساس دلا رہا تھا کہ دوسری طرف اب بھی کوئی ہستی موجود ہے۔

''کیا آپ کو میری آواز سنائی دے رہی ہے؟'' وہ پوچھ رہا تھا اور نداحل کا روم روم اس وقت سماعت بنا ہوا تھا، وہ چیخ چیخ کر کہنا چاہتی تھی کہ جب سے تمہاری آواز سنی ہے، مجھے کچھ اور سنائی ہی کب دیتا ہے، وہ کہنا چاہتی تھی کہ اس دنیا میں یہ آخری آواز ہے جسے وہ سننا چاہتی تھی لیکن عجب بے بسی تھی آواز کہیں حلق میں ہی گھٹ گئی تھی، باوجود کوشش کہ وہ کچھ بول نہیں پا رہی تھی۔

''کیا ہوا؟ سب ٹھیک ہے؟'' وہ بمشکل کچھ بولنے ہی والی تھی تبھی ائیر پیس سے اک نسوانی آواز ابھری تھی، نداحل چونک کر حواس میں لوٹی تھی اور کھٹاک سے ریسیور کریڈل کی سائیڈ پر پٹخ دیا تھا اور یوں بدحواسی کے عالم میں اپنے کمرے کی سمت دوڑی تھی جیسے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو، جبکہ دوسری طرف کال ملانے پر انگیج کی رنگ ٹون سنائی دے رہی تھی۔

☆☆☆

کیسے ٹوٹ کے برسے رات
بادل دل اور آنکھیں

''کیوں؟'' شدت سے چلاتے وہ بے بسی کی انتہاؤں کو پہنچی ہوئی تھی، شدت گریہ سے سوجی ہوئی آنکھوں میں ٹوٹے کانچ کی سی چبھن تھی، پہلے صرف دل قرب میں مبتلا رہتا تھا، لیکن آج وہ سراپا کرب بنی ہوئی تھی، اس نے بڑی دقتوں سے خود کو پتھر کیا تھا، مگر آج ایک آواز نے اسے موم کی طرح پگھلا ڈالا تھا، وہ قطرہ قطرہ پگھل کر یہاں وہاں بکھر رہی تھی، مگر سمیٹنے والا کوئی نہیں تھا، اگر تھا بھی تو دل کے بے حد قریب پر صدیوں کی مسافت پر، اس نے سسکی بھر کر سامنے رخ موڑا تھا، جہاں اس دشمن جاں کا آشیانہ تھا، جدھر وہ چلتا پھرتا، سانس لیتا اور مسکراتا ہوگا، جہاں جا بجا اس کی سانسوں کی خوشبو پھیلی رہتی ہو گی، جہاں موجود ہر چیز پر اس کا مہکتا لمس آباد رہتا ہوگا، دوسری منزل پر ہی اس کا کمرہ تھا، جس کی بڑی سی چوڑے پٹوں والی کھڑکی عین نداحل کے گھر کے سامنے تھی، اس کے لائٹ گرین شیشوں پر جب بھی سورج کی روشنی پڑتی تھی یوں لگتا تھا سورج خود اس سے ملنے آیا ہو لیکن سورج کی بار بار دستکوں کے باوجود بھی وہ کھڑکی نہیں کھلتی بالکل اس طرح سورج ناکام و نامراد لوٹ جاتا تھا جیسے نداحل کی پیاسی ترسی ہوئی کانچ سی آنکھیں، پچھلے

سات سالوں سے یہ کھڑکی بندھی اور شاید تاعمر بند ہی رہتی تھی، کیونکہ اس کا مکین خود تک پہنچنے والے ہر راستے ہر روزن اور درز کو بند کر چکا تھا۔

لیکن آج کہیں غلطی ہوگئی تھی، کوئی کھڑکی یا روزن کھلا رہ گیا تھا جس سے اس کی زندگی سے بھرپور صدا گونجی تھی اور نداحل کے تن مردہ میں جان ڈال گئی تھی، مگر صرف چند لمحوں کے لئے کیونکہ اگلے ہی پل اس کے وجود سے روح کو بڑی بے رحمی سے کھینچا گیا تھا، وہ اکیلا نہیں تھا بلکہ اس کی ہم سفر بھی اس کے ساتھ تھی، بس یہی وہ پل تھا جو نداحل کے وجود سے سلگتی، بھٹکتی، سسکتی اور تڑپتی محبت کو بے دردی سے دور کہیں قبرستان میں دفن کر چکا تھا، اس نے سوچ بھی کیسے لیا تھا کہ وہ اب تک نداحل کا انتظار کر رہا ہوگا جسے خود اس کی زندگی میں ارقمی آ چکا تھا، ویسے ہی اس کی زندگی میں بھی تو کوئی آ گئی ہوگی، وہ بھی آگے بڑھ گیا ہوگا، اسے تو یہ تک یاد نہ ہوگا کہ کسی خواب سی لڑکی کو اس نے محبت بھرا پیغام بھیجا تھا، جسے جب دیکھتا تھا تو آنکھوں میں ستارے جگمگانے لگتے تھے، خوب صورت کشاؤ ہونٹوں کو دلکش سی مسکان گھیر لیتی تھی، پورے وجود کو محبت کی مہک گھیر لیتی تھی۔

اگر وہ سب کچھ بھلا بیٹھا تھا تو نداحل کیوں نہیں، وہ تو اس قدر آگے بڑھ گیا تھا کہ نداحل کی آواز تک پہچان نہیں پایا تھا۔

''وعدہ رہا تم سے آج سے بلکہ ابھی سے میں تمہاری محبت اور تمہارے بنا سانس لینا سیکھوں گی۔'' وہ چہرے پر پتھروں سی سختی لئے سامنے ایستادہ سفید اور چمک دار لیکن سرد اور کٹھور، جس نے نداحل کے سارے ارمانوں، خوابوں اور خواہشوں کو جلا ڈالا تھا، کیونکہ برف ٹھنڈی ہونے کے باوجود جلا بھی ڈالتی ہے۔

نفرت تو نہیں نہیں تھی معاملہ انا کا تھا
وہ شخص اپنی ضد میں مجھ کو گنوا گیا

☆☆☆

دروازے پر ہوتی مسلسل دستکوں نے اسے ہوش میں لا کر حال میں واپس پہنچا دیا تھا، اس نے چونکتے ہوئے اردگرد نظریں دوڑائیں تھیں، اسے کچھ پل سمجھ ہی نہ آئی وہ کہاں ہے، جیسے ہی عقل شعور سے ٹکرائی اس نے سرد آہ بھر کر خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا تھا، ماضی کا سفر کسی کے لئے بھی آسان نہیں ہوتا، پھر چاہے وہ خوش کن ہو یا کانٹوں بھری راہ گزر۔

دروازے پر دستکوں کا سلسلہ رک چکا تھا، لیکن میز پر پڑا اس کا موبائل کان سے لگایا تھا، جس پر پہلے ہی لاتعداد مسڈ کالز تھیں۔

''اگر ہوش کی دنیا میں لوٹ آئی ہو تو برائے کرم دروازہ کھول دو کیونکہ مزید بارش میں بھیگنے کی نہ ہمت ہے اور نہ طلب۔'' دوسری طرف زیان تھا، جو اکتاہٹ سے زیادہ جھنجھلاہٹ میں مبتلا تھا، نداحل نے چونک کر مشرقی دیوار پر سجی گھڑی پر اک نظر ڈالی تھی، جو آٹھ کا ہندسہ عبور کر کے نو کے دائرے میں داخل ہو رہی تھی، نداحل کا ہاتھ خود بخود سر تک جا پہنچا تھا، زیان آٹھ بجے گھر پہنچ جاتا تھا، اس کا مطلب وہ پچھلے پون گھنٹے سے دروازے پر کھڑا دستک دے رہا تھا۔

وہ مزید ایک پل کی دیر کیے بنا دروازے کی سمت لپکی تھی، فاصلہ کتنا تھا، ڈائننگ روم سے آگے لاؤنج اور پھر دروازہ، جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا زیان اک سرد کٹھیلی نظر اس پر ڈال کر اسے سامنے سے ہٹاتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا، نداحل نے اک نظر لان میں ڈالی تھی، کار ڈرائیوے پر کھڑی تھی گیٹ چوکیدار نے کھولا تھا اور اب شاید اپنے کیبن میں بارش سے چھپ کر

بیٹھا تھا، زیان نے بھیگے کپڑے دیکھ کر نداحل کو شدید شرمندگی نے آن گھیرا تھا، وہ سیڑھیاں چڑھ کر کمرے میں جا چکا تھا، نداحل نے کچن کی سمت دوڑ لگائی اور فٹ سے کافی تیار کیے کمرے کی سمت بڑھ گئی جہاں وہ کپڑے چینج کیے ڈریسنگ کے سامنے کھڑا بال بنا رہا تھا، اس نے خاموشی سے کافی سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور اک نظر زیان پر ڈالی جو گرے کھلے ٹراوزر پر سیاہ ٹی شرٹ پہنے کھڑا تھا، سیاہ رنگ اس کی سرخ و سفید رنگت پر خوب جچ رہا تھا، ٹی شرٹ سے جھانکتے اس کے بازو اور کسرتی بدن نہایت دلکش اور جاذب نظر تھے، چھ انچ سے نکلتا قد، کسرتی بدن، ڈائمنڈ کٹ فیس جس پر اونچی کھڑی ناک، کٹاؤ گلابی ہونٹ، بادامی گھنی پلکوں والی آنکھیں اور غرور سے تنی بھنویں، وہ ایک آئیڈیل مرد تھا، وجاہت و دلکشی کا پیکر بے انتہا خوبرو، اس کی ذات کا خصوصی پہلو اس کی بادامی آنکھیں تھیں جو جہاں اٹھتی تھیں دنیا فتح کر لیتی تھیں۔

''لے چکی جائزہ؟'' وہ نجانے کب بیڈ پر آ بیٹھا تھا اور اس کی چوری بھی پکڑ چکا تھا، نداحل گھبرا اٹھی تھی اس کے سوال پر نہیں بلکہ اس کے لہجے سے جھلکتی سرد مہری پر۔

''میں آپ کے لئے کھانا لاتی ہوں۔'' وہ نظریں جھکائے دروازے کی سمت بڑھی تھی۔

''کھانے پینے کے علاوہ بھی بہت سی ضروریات ہوتی ہیں۔'' وہ کچھ جتا رہا تھا نداحل کے سینے میں ٹھک سے کچھ پیوست ہوا تھا، آنکھیں پانی سمیٹ لائیں تھیں وہ ایک منٹ کی دیر کیے بنا باہر دوڑی تھی مبادا کہیں اس کے سامنے ہی آنسو نہ بہہ نکلیں، زیان نے نخوت سے سر جھٹک کر کافی کے کڑوے گھونٹ حلق سے نیچے اتارے تھے۔

وہ آنسوؤں کو ہتھیلیوں سے رگڑتی کچن میں داخل ہوئی تھی لیکن اگلے ہی پل ٹھٹک کر رک گئی تھی، صبح ناشتے کے لوازمات یونہی ٹیبل پر دھرے تھے، کچن بھی صاف ستھرا اس کا منہ چڑا رہا تھا، یعنی اس نے ڈنر میں کچھ بنایا ہی نہیں تھا، وہ اپنا ماتھا پیٹتی وہیں چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی، یعنی ایک اور جرم میں اضافہ ہوا، آج کا دن ہی برا تھا۔

جب کافی دیر بعد بھی وہ کھانا لے کر کمرے میں نہ پہنچی تو زیان خود ہی نیچے آ گیا تھا، جہاں وہ سر پکڑے بیٹھی تھی، زیان نے اک نظر سفید ماربل کے کچن پر ڈالی مگر دور دور تک کھانے کا کوئی بندوبست نہیں تھا، وہ اک تاسف بھری نظر اس پر ڈالتا واپس پلٹا تھا، اس نے صبح بھی ناشتہ برائے نام کیا تھا، لنچ کے نام پر کافی کے صرف چند گھونٹ پیئے تھے، اسی لئے اسے اب زوروں کی بھوک لگی تھی، مگر......

اچانک نداحل کی سسکی نے خاموشی میں دراڑ ڈالی تھی، وہ شدید ترین کوفت کا شکار ہوتا پلٹا تھا، چند ثانیے ہچکیوں سے روتی نداحل کو سرد نگاہوں سے گھورا اور بالآخر بازو سے کھینچ کر اسے اپنے مقابل کھڑا کیا۔

اس اچانک افتاد پر نداحل کانپ کر رہ گئی تھی متزاد زیان کی غصیلی نظریں، جن کی تاب وہ بمشکل ہی لا پاتی تھی۔

''وجہ؟'' زیان کا اشارہ اس کے آنسوؤں کی سمت تھا۔

''میں نے ایسا جان بوجھ کر نہیں کیا تھا؟ پتہ نہیں میں کیسے کھانا بنانا بھول گئی۔'' بھیگی پلکیں جھکائے وہ کسی مجرم کی طرح اعتراف جرم کر رہی تھی۔

''ہوں۔'' اس نے ہنکارا بھرا اور اس کے

شانوں پر گرفت ہلکی کی۔
"تو اس میں رونے والی کیا بات ہے؟"
"آپ کو بھوک لگی ہو گی پر میرا یقین کریں۔"
"اٹس اوکے، مجھے بھوک نہیں لگی۔" زیان نے اسے ٹوکتے ہوئے جھوٹ بولا، حالانکہ اسے شدید بھوک لگی تھی مگر وہ اسے اس گلٹ سے نکالنا چاہتا تھا۔
"لیکن مجھے لگی ہے۔" آنکھوں کو پھر سے بھگوتی وہ معصومیت سے بولی تھی، زیان نے بغور اس کا جائزہ لیا، پرپل شلوار سوٹ میں روئی روئی سی وہ اسے اس پل کافی قابل رحم لگی تھی، تبھی اسے واپس چیئر پر بٹھاتے وہ خود کوکنگ رینج کی بڑھا تھا، تقریباً آدھے گھنٹے میں وہ اسپیگھٹی تیار کر چکا تھا، سرونگ باؤل میں ڈال کر وہ کرسی گھسیٹ کر نداحل کے سامنے آ ٹکا تھا، وہ سب کچھ اتنی صفائی اور مہارت سے کر چکا تھا کہ وہ دنگ سی بیٹھی اسے تک رہی تھی، زیان نے اس کی حیران خود پر جمی نگاہوں کو اگنور کرتے ہوئے فورک اس کے ہاتھ میں تھمایا اور ابرو کے اشارے سے کھانے کو کہا تھا، نداحل بغیر کوئی تاثر دیئے کھانے لگی تھی، ویسے بھی لذیز سی خوشبو نے بھوک کو مزید چمکا دیا تھا، ایک ہی باؤل سے کھاتا دیکھ انہیں کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ بظاہر ایک ساتھ رہنے والے یہ دونوں فریق ایک دوسرے سے صدیوں کے فاصلے پر ہیں۔
کھا چکنے کے بعد زیان نے ہی باؤل دھو کر کچن سمیٹا تھا، ایک بے تاثر نگاہ نداحل کے چہرے پر ڈالی اور سیڑھیوں کی سمت بڑھ گیا تھا، جب وہ کمرے میں پہنچی تو زیان سرخ شنیل کا کمبل خود پر پھیلائے بے خبر سو رہا تھا، اس کے وجیہہ چہرے پر تھکن کے واضح آثار تھے، اک بے نام سا درد تھا جو نداحل کے اندر کہیں اترتے ہوئے بے چین و بے قرار کر رہا تھا۔
"کتنی بد نصیب ہوں میں جس کے پاس آج سب کچھ ہے، لیکن تہی دامنی ایسی ہے کہ ان خالی خوالی چلتی بے ڈھنگ سانسوں کے علاوہ کچھ نہیں بچتا، مجھے آپ کا ہر الزام ہر گلہ منظور ہے پر میں کیا کروں میں چاہ کر بھی آپ کی سمت پیش قدمی نہیں کر سکتی ہوں، میں ایک ایسی لڑکی ہوں جس نے اپنی ذات سے ہمیشہ دوسروں کو ایذا ہی پہنچائی ہے، میں نے اپنی ذات سے منسلک لوگوں کو سوائے دکھ، درد اور تکلیف کے کچھ نہیں دیا، میری غلطیوں اور نادانیوں کی فہرست بہت لمبی ہے، آپ سمیت اگر سب سے معافی بھی مانگنا چاہوں تو میرے پاس وہ الفاظ ہی نہیں ہیں جن سے اس سب کا مداوا ہو سکے۔" کن اکھیوں سے وہ اسے دیکھتی بیڈ تک آئی تھی، سیاہ بال ماتھے پر بکھرائے اور ہونٹوں کو سختی سے باہم پیوست کیے وہ نداحل کی پلک کی نوک پر ٹکا چمکدار آنسو بن گیا تھا، وہ چند پل اسے بے خودی سی گھورتی رہی تھی، حالانکہ کے دل میں اک عجب سی خواہش جاگ رہی تھی کہ آگے بڑھ کر اس کے بال پیشانی سے ہٹا دے، لیکن ڈر تھا کہ کہیں وہ جاگ نہ جائے، اسی لئے وہ اپنی تشنہ حسرت کو دل میں چھپائے کھڑی ہوئی اور گلاس ونڈو کے پاس جا ٹھہری تھی، بارش تھم چکی تھی لیکن سیاہ زہریلی رات اپنے پھن پھیلائے کھڑی تھی۔
ماضی ایک ایسا بھیانک گرداب تھا جو اس کے گرد اپنی نوک دار کٹیلی فصلیں کھڑی کیے اس کو لمحہ لمحہ، پل پل زخمی کر رہا تھا، ایک ایسا درد جو اسے مارتا بھی نہیں تھا اور جینے بھی نہیں دیتا تھا۔
"میں زندگی کی راہ گزر پر چلنے والی ایک ایسی مسافر ہوں جس نے اپنی منزل کو خود اپنے ہی

ہاتھوں سے آگ لگائی تھی، آج اگر وقت مجھے آزما رہا ہے تو صحیح ہے، میرے جیسے لوگ جو وقت کی بساط پلٹنے کی کوشش کرتے اپنے قاعدے قانون پر چلانے کی کوشش کرتے ہیں، وقت بدلے میں انہیں ایسا پلٹا کر مارتا ہے کہ سوائے ناتمام حسرتوں کے ان کے پاس کچھ بھی نہیں بچتا۔"

تجھ کو معلوم کہاں پیاس کے معنی ہمدم
تو نے دیکھی بھی ہے جلتی ہوئی حسرت کوئی

☆☆☆

ارتضٰی کا پروجیکٹ مکمل ہوتے ہی دونوں گھرانوں میں شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے تھے، مطمئن سی نداحل شادی کی تیاریوں میں دلچسپی لیتی ہوئی حرم کو حیران کیے دے رہی تھی، تب تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب بابا جان کے کہنے پر وہ ارتضٰی کے ساتھ شاپنگ کرنے کے لئے بغیر کسی حیل وحجت کے تیار ہو گئی تھی، اسے نک سک سا تیار دیکھ وہ اللہ کا شکر ادا کرتی نداحل کے لئے دل سے خوش تھی، نداحل اس کے چہرے پر پھیلی بے یقینی کو اچھے سے دیکھ رہی تھی، اب وہ اسے کیا بتاتی کہ بدلاؤ اس کی زندگی میں کیونکر آیا ہے، بقول شاعر کے۔

یوں ترے شہر میں رہا کوئی
جیسے اک وہم تھا نہ تھا کوئی
چین سے بیٹھنے نہیں دیتا
گزرے وقتوں کا رابطہ کوئی
آ گیا ہو گا یاد کوئی کام
دفعتاً اٹھ کے چل دیا کوئی
کار دنیا نے وہ بھی چھین لیا
حاصل جاں تھا درد سا کوئی
آج یہ بوجھ بھی اتار دیا
حرف تھا دل میں ان کہا کوئی

اسے لینے کے لئے ارتضٰی آ چکا تھا، وہ ہر سوچ کو ذہن سے جھٹکتی سبھی کو اللہ حافظ کہتی باہر پورچ میں آئی تھی جہاں آنکھوں پر سیاہ گلاسز ٹکائے وہ ولید سے بات کر رہا تھا، گرے پینٹ کوٹ میں کافی اسمارٹ اور شاندار لگ رہا تھا، اس نے نداحل کے لئے آگے بڑھ کر فرنٹ ڈور کھولا تھا جس پر وہ تھینکس کہتی گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔

"آج تو آپ کی بالکل خیر نہیں ارتضٰی، بندہ شاپنگ پر جائے اور وہ بھی خواتین کے ساتھ تو سمجھ لو وہ اچھا خاصا کنگال ہونے والا ہے، ویسے میں دل سے آپ کے لئے دعا گو ہوں، اب اللہ ہی آپ کی حالت زار پر رحم فرما سکتا ہے۔" اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے ولی نے اچھا بھلا خوفناک نقشہ کھینچا تھا۔

"ہاہاہا۔" ارتضٰی نے قہقہہ لگاتے اک نظر نداحل کو دیکھا جو دانت پیستے ہوئے ولی کو گھور رہی تھی۔

"بس یار تمہاری ہمدردیوں کی اشد ضرورت ہے دعا کرتے رہنا۔ بنے اس مظلوم کے لئے وہ صحیح سلامت لوٹ آئے۔" جواباً ارتضٰی نے خود پر مصنوعی مظلومیت طاری کرتے کہا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی، گاڑی کو گیٹ سے باہر نکال کر سڑک پر رواں چھوڑ دیا اور اک نظر خاموش بیٹھی نداحل پر ڈالی۔

"ویسے آپ پر براؤن رنگ بہت سوٹ کرتا ہے۔" وہ اس وقت براؤن شلوار سوٹ میں ملبوس تھی، جس کی قمیض پر سیاہ دھاگے کا کام بنا ہو تھا، جن میں براؤن موتی جڑے تھے جو اس کی خوبصورتی میں اضافے کا باعث تھے، ساتھ ہی ہم رنگ براؤن شال جو گھر سے باہر جاتے وقت لیتی تھی، سرخ وسفید رنگت شال کے ہالے میں خوب دمک رہی تھی۔

''سوٹ کرنے سے میرا مطلب تھا، آپ کی خوبصورتی میں چار چاند لگا دیتا ہے، بالکل ایسے ہی جیسے آپ کی موجودگی میری زندگی میں چار چاند لگا دیتی ہے، ویسے مام کہتی ہیں آپ پر سارے ہی رنگ دلفریب لگتے ہیں، کیا یہ سچ ہے؟'' وہ سامنے سڑک سے نظر ہٹا کر استفہامیہ نداحل کو دیکھ رہا تھا جس کی گھبراہٹ عروج پر تھی۔

''اچھا چلیں یہ بتائیں میں کیسا لگ رہا ہوں؟'' نداحل نے دھیرے سے پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا جو آنکھوں میں ڈھیروں اشتیاق لئے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''ہینڈسم۔'' نظریں ملتے ہی ارتضٰی نے آنکھ کا کونا دبایا تھا۔

''پتہ نہیں۔'' مارے گھبراہٹ کے نداحل نے رخ پھیرا جبکہ رخسار دہک اٹھے تھے، اس سے اس کی ہرگز توقع نہ تھی۔

''ہاہاہا۔'' وہ محظوظ ہوا تھا۔

''ویسے یہ پتہ کیسے چلتا ہے؟ آئی مین کوئی خاص ذرائع۔'' وہ اسے بولنے پر اکسا رہا تھا، نداحل نے ہاتھ بڑھا کر مرر اس پر سیٹ کیا۔

''اس میں دیکھ کر۔'' اسے شاید اس جواب کی توقع ہرگز نہ تھی تبھی وہ محظوظ ہوتا مسکرا کر نداحل کی سمت جھکا تھا۔

''میرا آئینہ تو آپ ہیں، اگر اجازت دیں تو دیکھ لوں۔'' پل میں نداحل کی ہتھیلیاں پسینے میں بھیگی تھیں۔

''آپ پلیز سامنے دیکھ کر گاڑی چلائیں۔'' لرزتی آواز میں توجہ سامنے سے آتی گاڑی سمت دلائی، وہ مسکراتے ہوئے سیدھا ہوا تھا، ویسے بھی نداحل کے لال ٹماٹر چہرے نے اس کے دل کو عجب سی لے پر گدگدایا تھا، سیٹی کی لے پر شوخ سی دھن گنگناتے ہوئے اس کا سارا دھیان تارکول سے بنی سڑک پر تھا، باقی کے سفر خاموشی سے کٹا تھا۔

مال میں آنے کا یہ اس کا پہلا تجربہ نہیں تھا، لیکن ارتضٰی کے ساتھ نیا ضرور تھا، اسی لئے وہ کچھ کنفیوزڈ سی تھی، ارتضٰی اس لئے اک شاپ میں داخل ہوا تھا، ہینگر میں ٹنگی ریڈ سلیولیس شرٹ اس کی سمت بڑھائی اور ٹرائی کرنے کو کہا، نداحل کی بے یقین اور الجھن بھری نظریں ارتفی کے سراپے پر ٹک سی گئیں تھیں۔

''وہ سامنے ٹرائل روم ہے محترمہ، جائیے اور چینج کر کے آئیں۔'' وہ اس کی الجھن کا غلط مطلب سمجھا تھا، جواباً ہاتھ میں تھامی شرٹ آگے کی۔

''یہ میں پہنوں گی، بغیر آستین کی شرٹ۔''

''تو اس میں برا کیا ہے، تم پر بہت سوٹ کرے گی یہ۔''

''لیکن آج سے پہلے میں نے ایسے کپڑے کبھی نہیں پہنے اور نہ ہی مجھے پسند ہیں۔''

''دیکھو یار اس میں کوئی معیوب بات نہیں ہے، اگر کبھی نہیں پہنے تو اب پہن لو۔'' ارتفی نے سہولت سے اس کے ہر اعتراض کو رد کیا تھا۔

''تم جانتی ہو میں جس سوسائٹی سے بلونگ کرتا ہوں وہاں یہ سب کام ہے اور میری مام بھی ایسی ہی ڈریسنگ کرتی ہیں اور جب مجھے ہی کوئی اعتراض نہیں ہے تو۔'' وہ کب آپ سے تم تک کا سفر طے کر چکا تھا اسے خود بھی خبر نہیں ہوئی تھی، نداحل کے چہرے پر عجب سے تاثرات چھا گئے تھے۔

''اگر یہ سب کچھ آپ کو پسند تھا تو اس بارے میں پہلے سوچنا چاہیے تھا، کیونکہ میں ایسی ہی ہوں ایسی ہی رہوں گی، یہ سب آپ کو معیوب

نہیں لگتا لیکن میرے لئے انتہائی شرمناک ہے، اب بھی کچھ زیادہ نہیں بگڑا ہے آپ سوچ لے کر آیا آپ میرے ساتھ شاپ سے باہر نکل گئی تھی۔'' ارتقی نے غصے سے بھری ہوئی کومل سی لڑکی کو باہر جاتے دیکھا اور دھیرے سے مسکرا دیا، جیسے اسے یقین ہو وہ اسی طرح ری ایکٹ کرے گی، ابھی تو شروعات تھی، ارتضٰی اسے ہر اس زاویے سے پرکھنا چاہتا تھا جہاں اسے یقین تھا کہ وہ ڈگمگا جائے گی۔ اس کسوٹی کے کھیل میں اب جیت کس کے نصیب میں تھی اور مات کس کے لئے تو صرف وقت ہی جانتا تھا۔

اور پھر یوں ہوا کہ ارتضٰی اس کی ہر بات پر اعتراض کرنے لگا تھا، وہ جان بوجھ کر اعتراضات کی ایک لمبی فہرست نداحل کے سامنے رکھ دیتا جس پر حسب حال وہ ارتقی سے الجھ پڑتی تھی۔

''ارے تم چادر لے کر کیوں میرے ساتھ جاتی ہو؟'' وہ سوال کرتا۔

''میں سب کے ساتھ باہر ایسے ہی جاتی ہوں۔'' وہ جواب دیتی۔

''تم اتنی ڈل کلرز ہی کیوں پسند کرتی ہو؟'' نیا سوال تیار ہوتا۔

''کیونکہ مجھے ایسے ہی کلرز پسند ہیں۔'' وہ ایک جواب دیتی تو وہ مزید کرتا نداحل کے صبر کا پیمانہ چھلکنے کو تیار ہوتا، ایسے نہیں تھا کہ وہ غصے میں جواب دیتی تھی وہ بہت ٹھنڈے سبھاؤ کی لڑکی تھی، ہمیشہ تحمل اور بردباری کا مظاہرہ کرتی تھی، لیکن پھر بھی ہلکی پھلکی نوک جھونک دونوں کے درمیان ہو جاتی، پر حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اگلی ملاقات پر پچھلی تکرار کے آثار کہیں سے بھی ارتقی کے چہرے پر دکھائی نہ دیتے تھے، نداحل خفگی یا پھر ذرا سی ناراضگی تلاشنے کی کوشش کرتی پر ارتقی کے چہرے پر کھلی وہی اولین میٹھی سی مسکان اسے ناکامی کا منہ دکھاتی تھی، جہاں اسے ارتضٰی کی ذات سے کئی شکوے تھے وہیں اسے اس کی یہ عادت بہت اچھی لگتی تھی۔

☆☆☆

نہ بیاں ہوئی ان سے نہ ظاہر ہوئی ہم سے
سلجھی ہوئی آنکھوں میں الجھی رہی محبت

رخصتی میں تقریباً ایک ہفتہ باقی تھا جب ارتضٰی کی کال نے نداحل کا دماغ گھما ڈالا تھا، وہ آج کی رات اس کے ساتھ اپنی کوئی خوشی سیلی بریٹ کرنا چاہتا تھا، نداحل کو کوئی اعتراض نہ ہوتا، اگر وہ اسے دن کے اجالے میں کہیں بھی بلاتا وہ بغیر کسی اعتراض کے پہنچ جاتی، مگر رات کو اس کے ساتھ کہیں بھی اس کے لئے ناقابل عمل تھا، اس کے انکار پر وہ شدید غصے میں آ گیا تھا۔

''تم جانتی نہیں ہو تمہارا انکار کیا طوفان کھڑا کر سکتا ہے، ایسا نہ ہو تمہیں کسی ناقابل برداشت نقصان سے دوچار ہونا پڑے، اسی لئے جو میں کہہ رہا ہوں اس پر چپ چاپ عمل کرو۔'' ارتقی کی یہ شدید دھمکی اس کے ضبط کو چکنا چور کر گئی تھی۔

''آپ جو بھی کر سکتے ہیں مسٹر ارتضٰی وہ بخوشی کریں، مجھے کوئی بھی اعتراض نہیں ہوگا، لیکن اگر آپ کو یہ لگتا ہے کہ میں آپ کی اس دھمکی سے ڈر جاؤں گی اور آپ کی یہ واہیات سی ڈیمانڈ پوری کر دوں گی تو یہ سراسر آپ کی غلط فہمی ہے اللہ حافظ۔'' وہ اپنی کہہ کر فون کاٹ چکی تھی، اگر اسے یہ علم ہوتا کہ اس کا انکار کیا طوفان لانے والا ہے تو شاید وہ کبھی اتنا شدید ردعمل ہرگز نہ دیتی۔

☆☆☆

افق کے پار جاتا ہوا سورج کافی خوش و مسرور تھا، مغرب کی سمت پھیلا گلابی رنگ نئی

نویلی دلہن کے رخسار کی لالی کو مات دے رہا تھا، شرمایا شرمایا سا سورج بادلوں کی اوٹ میں چھپتا ہوا نارنجی آنچل اوڑھے ہوا تھا، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا بادلوں کے ساتھ اٹھکیلیاں کرتی ہوئی ڈوبتے سورج کے الوداعی بوسے لے رہی تھی۔

''ایسا کیا خاص ہے اس ڈوبتی شام میں جو میری گڑیا ہر چیز سے بے پرواہ ہو کر اس میں قدر محو ہے کہ میرے آنے کی بھی خبر نہ ہوئی۔''

''ولی تم کب آئے؟'' وہ چونکتے ہوئے سیدھی ہوئی۔

''اگر چھٹیاں نکال کر بتاؤں تو تقریباً ستائیس سال تو ہو ہی چکے ہیں۔'' ولید نے تھوڑی کھجاتے شرارت سے نداحل کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہمم......اور چھٹیاں ڈال کر۔''

''بیوقوف لڑکی حسین وجمیل لڑکے سے کبھی اس کی صحیح عمر نہیں پوچھتے ورنہ وہ غصہ کر جاتا ہے۔'' انداز ڈانٹنے والا تھا۔

''ہوں میرے خیال سے یہ بات لڑکیوں کے بارے میں کہی جاتی ہے، مرد سے عموماً اس کی تنخواہ کے بارے میں نہیں پوچھتے۔'' نداحل نے پتے کی بات کی تھی۔

''لگتا ہے میری گڑیا سمجھدار ہوگئی ہے، ارقی کی محبت کافی راس آ رہی ہے۔'' ولید سامنے کی طرف دیکھ رہا تھا اسی لئے نوٹ ہی نہ کر پایا کہ کیسے ارقی کے ذکر پر اس کی آنکھوں میں اداسی سمٹ آئی تھی، پہیلی سا وہ شخص نداحل کی سمجھ سے بالاتر تھا، جب لگتا وہ اسے سمجھنے لگی ہے تبھی وہ اک نئی پرت چڑھائے اس کے سامنے آجاتا تھا۔

''لگتا ہے طوفان آنے والا ہے۔'' ولید کی آواز پر چونک کر اس نے اس کے تعاقب میں دیکھا تھا، آسمان کا گلابی پن کہیں کھو گیا تھا، گرد آلود سی مٹیالی تہہ نے آسمان کو گھیرا ہوا تھا۔

''آؤ نیچے چلتے ہیں۔'' ولی نے اس کی سمت ہاتھ بڑھایا تھا، جسے تھام کر نیچے اترتے اس کے دل کو اچانک وسوسوں نے گھیرا تھا، وہ دونوں لاؤنج میں آئے تو عجب سے سناٹے نے ان کا استقبال کیا تھا۔

''کیا ہوا بابا جان سب خیریت ہے؟'' وہ صوفے پر ڈھلکے کندھے لئے بیٹھے مستنصر حسین سے پوچھ رہا تھا، کسی خیال کے تحت نداحل نے ولید کے ہاتھ پر اپنی گرفت مضبوط کی تھی۔

''ارقی آئی سی یو میں ایڈمٹ ہے، گھر کی سیڑھیوں سے گرا ہے، سر میں شدید چوٹیں آئی ہیں۔'' وہ خالی خالی نظریں نداحل کے چہرے پر اٹکاتے ہوئے بول رہے تھے، ولید نے نامحسوس طریقے سے اسے اپنی بازو کے گھیرے میں لے لیا تھا۔

''میں جا کر دیکھتا ہوں ہاسپٹل میں۔'' مستنصر حسین اٹھ کھڑے ہوئے تھے، باقی سبھی گھر والوں کی نظریں نداحل کے دھواں دھواں چہرے پر تھیں۔

''میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔'' ولید بھی ان کے پیچھے لپکا تھا۔

''ولی!'' نداحل کانپتی آواز میں صرف اس کا نام ہی پکار پائی تھی۔

''تم ڈرو نہیں گڑیا، کچھ بھی نہیں ہوگا اسے، بس اللہ سے دعا کرو کہ اسے صحت یابی عطا فرمائے۔'' اسے سینے سے لگا کر پیشانی چومتے ہوئے ولی نے اس کی ڈھارس بندھائی تھی، لیکن نجانے کسی انہونی کے خوف سے اس کا دل پتے کی مانند لرز رہا تھا۔

''نداحل!'' حرم نے اسے تھامنا چاہا تھا لیکن وہ ہاتھ چھڑاتی بھاگ کر سیڑھیاں چڑھ گئی تھی۔

''یا الٰہی!'' دادی نے دونوں ہاتھوں سے جھولی پھیلائی تھی۔

''میری بچی کی خوشیاں اسے لوٹا دے مولا، اس کے سر کے سائیں کی حفاظت کرنا۔''

''آمین!'' حرم اور رباب سمیت آسیہ بیگم نے بھی دل سے آمین کہا تھا۔

کون اس دل کی دیکھ بھال کرے
ہر روز کوئی نئی چیز ٹوٹ جاتی ہے

پانچ گھنٹوں کے جان لیوا انتظار کے بعد ڈاکٹر باہر آیا تھا اور آتے ہی سب پر اک طائرانہ نظر ڈالی تھی۔

''آپ میں سے نداحل کون ہے؟'' سبھی جو ارتضیٰ کی خیریت معلوم کرنے کے لئے بیقرار کھڑے تھے، ڈاکٹر کے عجب سوال پر اسے گھورنے لگے۔

''میرا بیٹا کیسا ہے ڈاکٹر؟'' تانیہ عباد آگے بڑھیں تھیں۔

''ہم ابھی یقین سے تو کچھ نہیں کہہ سکتے، ان کا سر سیڑھیوں سے ٹکرانے کے باعث کافی متاثر ہوا ہے، ہوسکتا ہے وہ ٹھیک ہو جائیں یا پھر کومہ میں بھی جا سکتے ہیں، ہمارے پاس ٹائم بالکل بھی نہیں ہے پیشنٹ بے ہوشی کی حالت میں نداحل پکار رہا ہے اگر ہو سکے تو انہیں بلا لیں۔'' ڈاکٹر ایکسیوز کرتا ہوا گزر گیا تھا۔

''جاؤ ولی گھر جا کر نداحل کو لے آؤ۔'' مستنصر حسین نے ولید کو نداحل کو لانے کا حکم دیا، وہ سر ہلاتے ہوئے باہر کی سمت بڑھا، معاً اس کے قدموں کو تانیہ عباد کی سرد سی آواز نے روکا۔

''ایسے نہیں مستنصر حسین صاحب! نداحل میرے ارتضیٰ کی منکوحہ ہے اور میں چاہتی ہوں جب وہ یہاں آئے تو میرے ارتضیٰ کی بیوی کے روپ میں آئے۔''

''میں سمجھا نہیں آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟'' مستنصر حسین نے اپنی الجھن بھری نظریں ان کے چہرے پر گاڑھیں۔

''میں نداحل کی رخصتی چاہتی ہوں، ابھی اور اسی وقت۔'' ان کا لہجہ دوٹوک تھا، ولید نے کچھ کہنا چاہا لیکن مستنصر حسین نے اسے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

''ٹھیک ہے، جیسا آپ چاہیں، ویسے بھی نداحل آپ کی ہی امانت ہے، آج نہیں تو کل اسے آپ کے ہی گھر آنا تھا، بات پہلے کی ہوتی تو شاید میں کبھی بھی اس طرح رخصتی کے حق میں نہ ہوتا، پر ارتضیٰ کی حالت کے پیش نظر میں انکار کی حالت میں ہرگز نہیں ہوں، جاؤ ولی جا کر نداحل کو لے آؤ۔'' ان کے فیصلے پر سر ہلاتا ولی کوریڈور سے باہر چلا گیا تھا۔

اور تقریباً ایک گھنٹے بعد نداحل ہاسپٹل میں تھی، سرخ جوڑے میں خود کو براؤن شال سے ڈھانپے وہ آنے والے لمحوں کی آہٹوں سے خوفزدہ تھی، جونہی وہ آئی سی یو میں داخل ہوئی تانیہ عباد اس کا ہاتھ تھام کر ایک دروازے سامنے لے آئیں تھیں۔

''اندر جو زخموں سے چور ہوا پڑا ہے، وہ میرا بیٹا اور تمہارا شوہر ہے، مجھے تم سے کچھ نہیں ۔۔۔بس اتنی سی درخواست ہے، اسے کہیں نہ جانے دینا، وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے، شاید مجھ سے بھی زیادہ، اگر تم روکو گی تو وہ رک جائے گا اور تمہیں اسے روکنا ہے، ہر حال میں ہر قیمت پر۔''

تانیہ عباد اسے وہیں چھوڑ کر خود بینچ پر جا بیٹھیں تھیں، سامنے شیشے کے پار سفید یونیفارم میں ملبوس ڈاکٹر اور نرسیں مصروف دکھائی دیں، اچانک ایک نرس سامنے سے آئی اور اسے سرد سے کوریڈور کی ساری ٹھنڈک اپنی ہڈیوں میں

گھستی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔
زندگی سے بھرپور ہنستے مسکراتے ارتضٰی کا یہ کون سا روپ تھا، بیٹیوں میں جکڑا ٹوٹا بکھرا سا ارتضٰی۔
ارتضٰی کو تین دن بعد ہوش آیا تھا اور یہ سارا وقت سبھی نے کانٹوں پر بسر کیا تھا، ہوش آتے اس نے سب سے پہلے نداحل کو پکارا تھا، جیسے کوئی مرنے والا پانی پانی پکارتا ہے۔
''اسے کچھ نہیں ہونا چاہیے۔'' تانیہ عباد نے اسے پھر سے یاد کروایا تھا کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے اسے ارتضٰی کو ہر حال میں روکنا ہے، وہ سر اثبات میں ہلاتی ہوئی کمرے میں آئی تھی، جہاں وہ شخص بے بس ولاچار پٹیوں میں جکڑا پڑا تھا، وہ شخص جو بے وجہ ہی چھوٹی چھوٹی باتوں پر اس سے جھگڑتا تھا، آج خاموش پڑا اسے رلا گیا تھا، وہ آئی سی یو کے دروازے پر کھڑی آنسو بھری آنکھوں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی تبھی اپنے نام کی پکار پر چونک اٹھی۔
''نداحل ادھر آؤ میرے پاس۔'' وہ جاگ رہا تھا اور اس کی سمت متوجہ تھا، لیکن جگنوؤں کی طرح چمکتی آنکھوں کے جوت بجھے ہوئے تھے، نداحل کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر اس کی شال میں جذب ہونے لگے تھے، ارتضٰی بے اختیار تڑپا تھا۔
''مت روؤ نداحل کے میرے ہاتھ تمہارے آنسو پونچھنے سے بھی لاچار ہیں۔''
''آپ یہ سب اسی لئے کر رہے ہیں کہ میں آپ کی بات نہیں مانی، آپ نے ملنے کے لئے بلایا تھا نہ تو لیں میں آگئی ہوں آپ سے ملنے اب ختم کریں میری یہ سزا اور جلدی سے ٹھیک ہو جائیں، مانا میں نے آپ کو ہرٹ کیا تھا مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ خود کو یوں نقصان پہنچائیں، یہ زندگی صرف آپ کی ہی تو نہیں ہے، آنٹی، چھوٹا بھائی اور شاید میں بھی اب اس کا حصہ ہیں، ایسا کرنے سے پہلے ایک بار بھی نہیں سوچا کہ کیا گزرے گی ہم سب پر آپ کو اس حالت میں دیکھ کر۔'' یہ کوئی دنوں کا لاوا تھا جو ذرا سا راستہ دیکھ کر پھٹ پڑا تھا، اپنی کہہ کر وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی، البتہ ارتضٰی کے چہرے پر پیاری سی مسکان کھل اٹھی تھی، کتنا اچھا لگتا ہے جب آپ کسی کو دل و جان سے چاہیں اور وہ آپ کی ذرا سی تکلیف پر پریشان ہو جائے۔
''بہت اپنی اپنی سی لگ رہی ہو یوں میری خاطر روتی ہوئی۔''
''ارتضٰی۔'' اس نے تڑپ کر چہرہ اٹھایا تھا۔
''یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔''
''جانتی ہو نداحل جب تمہیں پہلی بار دیکھا تھا تو تمہاری ان نیلگوں شام سی آنکھوں نے اپنی طرف کی مقناطیس کی طرح کھینچا تھا، پھر بعد میں تمہاری اس معصومیت نے مجھے انسپائر کیا تھا، ایسا نہیں تھا کہ میں نے حسین چہرے نہیں دیکھے تھے مگر تمہارے اس کانچ سے حسن میں الگ سی بات تھی، تمہارا چادر میں چھپا وجود مجھے تمہاری کھوج میں مبتلا کر گیا تھا، میں چاہتا تو پہلے تمہارا دل جیتنے کی کوشش کرتا، لیکن میں نے ایسا نہیں کیا اور تمہارے گھر اپنا رشتہ بھیج دیا، ماما کو کیسے منایا یہ الگ کہانی ہے، انہیں کئی طرح کے اعتراضات تھے، ہم ایک ایڈوانس فیملی سے تعلق رکھتے تھے، جہاں ہر غلط بھی صحیح تھا، تم خود کو چادر میں چھپا کر رکھتی تھی اور ماما نے جن لڑکیوں سے ملاوایا تھا، ان کا پہلا تعارف ہی ان کا عریاں وجود تھا، سب ایک جیسی بھی نہیں تھیں، کچھ خود کو چھپا کر بھی رکھتی تھیں، مگر پھر بھی ان میں بہت کچھ قابل اعتراض

تھا۔"

"جب ہماری منگنی ہوئی مجھے لگا کہ اب تمہیں مجھ سے ملنے پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا، مگر تمہارا یہ کہنا کہ محض منگنی کی بنا پر تم مجھ سے نہیں مل سکتی، کیونکہ منگنی کوئی شرعی رشتہ نہ تھا، میں پہلے بہت حیران ہوا لیکن پھر سوچا شاید تم پری ٹینٹ کر رہی ہو، یونوستی ساوتری ہونے کا ڈھونگ رچا رہی ہو، اسی لئے میں نے تم سے نکاح کرنے کا فیصلہ کیا، چاہتا تو رخصتی بھی ساتھ ہی کروا لیتا مگر اس صورت میں اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو پاتا، پر نکاح کے بعد بھی تمہارا انکار مجھے غصے میں مبتلا کر گیا تھا، اگلی دفعہ میں نے تمہارے بجائے مستنصر انکل سے بات کی تھی اور حیرت انگیز طور پر تم مان گئی تھیں، اس طرح میری تنہائی میں تم سے پہلی ملاقات ہوئی، اک پل کو تمہیں دیکھ کر میں دنگ رہ گیا تھا، مجھے لگا تم غصے سے بھری آؤ گی لیکن تمہارے چہرے پر کھلا تبسم مجھے شوخ کر گیا تھا، میں جان بوجھ کر تمہیں تنگ کرنے لگا یہ تمہاری حاضر جوابی نے مجھے خوب محفوظ کیا، اک پل کو یوں لگا تمہارے ساتھ زندگی بہت پرسکون گزرے گی۔"

"مگر میں کچھ اور ہی سوچ بیٹھا تھا، اسی لئے تمہارے سامنے وہ ریڈ سلیولیس شرٹ کی اور تاثرات جانچنے کے لئے تمہاری طرف دیکھا، تم شاید مجھ سے یہ توقع نہیں کر رہی تھی، لیکن جب میں نے فورس کیا تو تمہارے انکار نے مجھے اندر تک شانت کر دیا، خیر یہ تو صرف شروعات تھی اس کے بعد میں نے تمہارے اوپر اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی، تم کبھی صبر سے جواب دیتی اور کبھی بگڑ جاتی تھی، مجھے کبھی تم پر ترس آتا، پر میرا دماغ میرے دل کے سامنے ڈٹ جاتا اور پھر میں اس کھیل کو وائنڈ اپ کرنا چاہا کیونکہ تم ہر کسوٹی پر پوری اتری تھی، سچ بتاؤ تو اس آخری جھگڑے سے میں کافی پریشان ہو گیا تھا، مجھے لگا شاید میں تمہیں کھو نہ دوں، کیونکہ میں تمہارے ضبط کو آخری حد تک آزما چکا تھا، میں تمہیں منانے اور حقیقت سے آگاہ ہی کرنے آ رہا تھا، پتہ نہیں کیسے میرا پیر پھسلا اور میں دوسری منزل کی سیڑھیوں سے ہوتا ہوا گراؤنڈ فلور پر آ گرا تھا، میری خوشیاں ایک پل میں ساکت ہوئیں تھیں، آنکھیں بند ہونے سے پہلے میں نے جس چہرے کو شدت سے دیکھنے کی خواہش کی تھی، وہ تم تھی نداحل، نداحل میں نے جس معاشرے میں آنکھ کھولی تھی وہاں ہاتھ پکڑنا گلے ملنا عام بات تھی، منگنی کے بعد ملنا ہوٹلنگ کرنا یہ معمولی باتیں تھیں، میں نے تو اس سے بھی آگے کے معمولات دیکھے تھے، مام کی زندگی میرے سامنے تھی، وہ شادی سے پہلے پردہ کرتی تھیں مگر پھر بعد میں دوپٹہ نظر آتا تھا وہ بھی گلے میں، مجھے بیوی چاہیے تھی کوئی ماڈل نہیں اسی لئے نداحل میں تمہیں ہر طرح سے آزما لینا چاہتا تھا، میں نے جیسے جیسے تمہیں پرکھا، تمہارے کردار کی پختگی نے مجھے تمہارا دیوانہ بنا ڈالا تھا اور آج جب زندگی کی ڈور ہاتھ سے چھوٹ رہی ہے تو مجھے صرف تم سے بچھڑنے کا غم ہے، کاش زندگی مجھے تھوڑی سی مہلت اور دیتی تو......" حلق میں آنسوؤں کا پھندا پڑا تھا جس نے بات مکمل ہی کرنے نہ دی تھی، آنسو پلکوں کی باڑ پھلانگ کر کنپٹیوں کے راستے سر میں بندھی سفید پٹی میں جذب ہو رہے تھے، اس کے خاموش ہوتے ہی کمرے میں موت سا سناٹا چھا گیا تھا، سوائے گھڑی کی ٹک ٹک کے جو ارتضی کو یہ احساس دلا رہی تھی کہ زندگی تو بہت پیچھے رہ گئی اب تو وقت آخر ہوا ہی چاہتا ہے، نداحل ابھی تک گم صم کھڑی تھی، وہ تو یہ تک فیصلہ نہ کر پا رہی تھی

یا جوارتضٰی نے کیا وہ صحیح تھا یا غلط۔
"تم نے مجھ سے کبھی محبت نہیں کی نہ
احل۔" کمرے کی خاموش فضا کو پھر سے ارتضٰی
ے الفاظ نے توڑا تھا، نداحل نے ایک گہری
نس خارج کی اور نظریں اس کے چہرے پر ٹکا
ا۔
"آپ ہمیشہ خودساختہ وہموں کا شکار رہے
ں، ہر چیز آپ خود سے ہی اخذ کرتے رہے ورنہ
ید آپ یہ جان جاتے کہ نکاح کے دو بول اتنی
وقت ضرور رکھتے ہیں کہ دو لوگوں کو ایک
سرے سے اس طرح باندھ سکے جس طرح
یں ایک تناور درخت کو زمین سے باندھے
تی ہیں، انہیں اپنے اس اٹوٹ تعلق کو بیان
رنے کے لئے کسی اظہار یا امتحان سے گزرنے
ضرورت نہیں ہوتی اور محبت کوئی لمحہ نہیں ہے
پل میں آیا اور چھو کر گزر گیا، بلکہ یہ تو ایک ایسا
اس ہے جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہی
رکو منوا کر دو دلوں میں اپنی جڑیں مضبوط سے
بوط کرتا چلا جاتا ہے۔"
(ہاں شاید ہمارا رشتہ بھی ایک تناور درخت
ہی مانند تھا پر افسوس میں اس کی کانٹ
نٹ میں اس قدر مصروف ہو گیا کہ جب ہوش
تو وہاں لکڑیوں کے سوکھے ڈھیر کے علاوہ کچھ
نہیں بچا تھا) ارتضٰی دل میں سوچ کر رہ گیا۔
"ایک خواہش پوری کرو گی نداحل؟" ارتضٰی
التجا پر اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا
۔
"وہ پیکٹ کھولو۔" اس نے ایک شاپنگ
ی کی سمت اشارہ کیا جسے نرس خاموشی سے
ں رکھ کر گئی تھی، کھولنے پر اس میں سے سیاہ
[illegible] برآمد ہوا تھا، نداحل نے چہرے پر [illegible]
ار ہوئی تھی جسے سمجھتے ہوئے اس نے
وضاحت پیش کی۔
"میں جب کبھی کسی عورت کو اسے پہنے
دیکھتا تھا تو میرے دل میں یہی خواہش انگڑائی
لیتی تھی کہ جو میری شریک حیات بنے وہ میرے
ساتھ اسے پہن کر باہر نکلے، کیا تم میری اتنی سی
خواہش پوری کرو گی؟" نداحل بنا کسی اعتراض
کے وہ عبایا پہن کر ارتضٰی کے سامنے آ گئی تھی، اس
کی آنکھوں کی چمک میں کئی گناہ اضافہ ہوا تھا، وہ
یک ٹک اسے حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہا
تھا، سیاہ عبائے کے ہالے میں دمکتے اسے کے
مقدس سے چہرے پر ارتضٰی کی آنکھوں کی حسرت
تاریک رات سی پھیل رہی تھی جس کے مقدر میں
سفیدی تھی یا نہیں یہ وقت کو طے کرنا تھا اور آج کی
تاریخ میں وقت سے ظالم شاید ہی کوئی شے ہو۔

☆☆☆

عجب سا شور تھا جس سے اس کی آنکھ کھلی
تھی، اس نے اجنبی نظریں اردگرد دوڑائیں تھیں،
وہ ہاسپٹل میں تھی اور رات ارتضٰی کے پاس سے آ
کر وہ یہیں کوریڈور میں بیٹھ گئی تھی، ارتضٰی بات کر
رہا تھا بالکل نارمل یہ دیکھ کر تانیہ عباد بہت خوش
ہوئیں تھیں، انہوں نے اسے سینے سے لگا کر کافی
دیر پیار کیا تھا، وہ نداحل کی کافی مشکور تھیں جس کی
وجہ سے ان کا بیٹا لوٹ آیا تھا، مگر شاید وہ یہ بھول
گئیں تھیں کہ بجھنے کے پہلے دیئے کی لو بہت تیز
ہو جاتی ہے۔
"دلی یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" ڈاکٹر کو
افراتفری کے عالم میں ارتضٰی کے کمرے کی طرف
بڑھتا دیکھ کر وہ ازحد خوفزدہ ہوئی تھی، رتجگے کی
غماز ولید کی سرخ آنکھیں سرخ جوڑے میں
مستقبل کے آسیب میں گھری اپنی لاڈلی پر جم کر
[illegible]
عباد ہی تھیں، باقی سب کو وہ خود گھر بھیج چکا تھا

کیونکہ ہاسپٹل میں اتنے لوگوں کا رہنا ہاسپٹل رول کے خلاف تھا رات بھر نداحل اس کے کاندھے سے لگی سوتی رہی تھی اور وہ خود جاگ کر اس کی پرسکون نیند ہمیشہ قائم رہنے کے لئے دعائیں کرتا رہا تھا، لیکن بعض دعائیں مستجاب نہیں ہوتیں، وہ آخرت میں بہترین صلے کے عوض لوٹا دی جاتی ہیں، ولید کی دعا بھی رد ہوگئی تھی، خوشنما زندگی کے ڈھیروں خواب ستارہ آنکھوں میں سجائے ارتضٰی خود ایک ایک ناقابل تسخیر خواب بن گیا تھا۔

☆☆☆

میرے ہونٹ ایسے سلے کے پھر
میری چپ نے اسے رلا دیا
سفید کفن کے ہالے میں مقید زندگی سے

بھرپور ارتضٰی کا وجود لاش میں تبدیل ہوکر عباد ولا کے لان میں رکھا گیا تھا، وہ لان جسے ڈھیروں جگنوؤں سے سج کر اس کی خوشیوں میں جگمگانا تھا اس وقت اس کے بے حس و حرکت وجود کو دیکھ کر ماتم کناں تھا، وہ گھر جس میں خوشیوں کے شادیانے بجنے تھے، اس وقت آہوں اور سسکیوں میں ڈوبا ہوا تھا، ارتضٰی کی چارپائی کے پاس بیٹھی ہوئی تانیہ عباد پر کسی سنگی مجسمے کا گمان ہوتا تھا، وہ بنا آنکھ سے ایک آنسو گرائے یک ٹک اپنے لخت جگر کو دیکھ رہی تھیں۔

اس کے بچپن سے لے کر جوانی تک کا ایک ایک لمحہ کسی فلم کی طرح ان کی آنکھوں کے سامنے چل رہا تھا، اس کی فرمائشیں، ضدیں، چھوٹی چھوٹی خوشیاں، روٹھنا منانا، دیر سے گھر آنے پر آنکھوں میں ہلکورے لیتا شکوہ اور پھر سب بھول بھال کر ان کی گود میں سر رکھ کر سو جانا، وہ بہت کم عمری سے ہی ان کی مشکلوں سے آگاہ ہو گیا تھا بھی بغیر کسی شکوے کے جتنا ممکن ہوتا وہ ان کا ہاتھ بٹانے کی کوشش کرتا تھا، وہ اپنے ہر گلے شکوے کو دکھ، درد کو اپنی ذات کے کسی خفیہ خانے میں چھپا ڈالتا تھا اور آج تو خود وہ اپنے آپ کو کہیں رکھ کر بھول آیا تھا، کسی ایسے خفیہ خانے میں جہاں چاہ کر بھی تانیہ عباد اسے ڈھونڈ نہیں سکتی تھی اور لان سے پرے رہائشی ایریا کے ایک کمرے میں نداحل کا بے ہوش وجود گلابی کمبل میں لپٹا پڑا تھا، پاس ہی بیڈ کے ایک کونے پر تشویش سے پر چہرہ لئے حرم بیٹھی تھی، جو آنسو بھری آنکھوں سے کسی نوخیز کلی سا روپ لئے اپنی بہن کو دیکھ رہی تھی، جو زندگی سے بغیر کوئی حسین پل چرائے اس کی بہاروں جوبن دیکھے بنا بیوگی کا ایسا موسم اوڑھ چکی تھی، جہاں خزاں رسید پتوں کی ترتراہٹ کے علاوہ کسی بہار کا گزر نہیں ہوگا۔

''آہ۔'' معاً نداحل کی آواز پر وہ لپک کر اس تک پہنچی تھی، نداحل ہاسپٹل میں ارتضٰی کے بے جان وجود کو دیکھ کر بے ہوش ہوگئی تھی، اس بے ہوشی کے عالم میں ہی ارتضٰی کے گھر لایا گیا تھا اور اب وہ ہوش میں آکر حیران نظروں سے خود پر جھکی حرم کو دیکھ رہی تھی۔

''ارتضٰی!'' اسے ایک پل لگا تھا حقیقت کا ادراک ہوتے، وہ حرم کو پرے دھکیلتی باہر کی سمت دوڑی تھی، وہ ننگے پاؤں کاندھے پر ڈھلکے دوپٹے اور آنسوؤں سے تر گال لئے لان میں آ کر ٹھہر گئی تھی، سارے چہرے بیک وقت اس کی سمت اٹھیں، آسیہ مستنصر نے اسے دیکھا اپنے گال بری طرح پیٹے تھے، ان کی بیٹی کا گھر آباد ہونے سے پہلے ہی برباد ہوگیا تھا، تبھی چہرے اس پل اس کے لئے انجان تھے، وہ شاید پہچان کے رنگ گوا بیٹھی تھی، معاً ان چہروں میں اسے ایک جانا پہچانا چہرہ نظر آیا، وہ لپک کر اس کی [illegible] آئی تھی۔

''ارتضٰی!'' اس کے لہجے میں بیقراری بھری تڑپ تھی، وہ بار بار اسے پکار رہی تھی، مگر اس کے ہر سوال کا جواب ہر پکار پر لبیک کہنے والا بات بے بات جھگڑنے والا چپ کی دبیز تہوں میں چھپ چکا تھا۔

''ماما دیکھیں، یہ ارتضٰی میری بات نہیں سن رہے ہیں، اسے کہیں کہ یہ میری طرف دیکھے مجھ سے بات کرے۔'' اس نے خاموش بیٹھی تانیہ عباد کو جھنجھوڑ ڈالا تھا، حرم نے آگے بڑھ کر اسے بانہوں میں سمیٹنا چاہا لیکن وہ تڑپ کر اس کی گرفت سے آزاد ہوئی تھی۔

''ماما آپ دونوں میری کسی بات کا جواب کیوں نہیں دے رہے ہیں؟'' اس سے پہلے وہ کچھ مزید بولتی کچھ لوگ اندر آئے اور ارتضٰی کی چارپائی کو اٹھا کر باہر لے جانے لگے تھے، نداحل نے چونک کر سوجھی ہوئی آنکھوں والے ایک شخص کو دیکھا تھا جو سفید لباس پہنے ارتضٰی کی چارپائی کو آگے سے تھامے ہوئے تھا، اس سے پہلے وہ کلمہ شہادت پڑھتے چارپائی کو لئے گیٹ سے باہر نکلتے بدحواس سی نداحل پیچھے دوڑی تھی۔

''اس...... اسید...... رکو...... تم ایسا نہیں کر سکتے، رکو میں ارتضٰی کو کہیں جانے نہیں دوں گی، ماما نے کہا تھا مجھے روک لو اسے پلیز مجھے روکنے دو اسے...... اسید۔'' وہ بھاگتی ہوئی انہیں روکنا چاہتی تھی، مگر ان کی صداؤں نداحل کی آواز کہیں دب کر رہ گئی تھی، اسے خبر ہی نہ ہوئی کب تانیہ عباد نے اس کے ہاتھ کو اپنے مضبوط شکنجے میں جکڑا تھا، وہ ایک جھٹکے کے ساتھ جہاں تھی وہیں تھم گئی تھی۔

''ماما میں ارتضٰی کو روک......''

''کیسے روکو گی نداحل! اسے جو ہمیں چھوڑ کر چلا گیا ہے، کیسے روکو گی اسے اب تم، جب تمہیں کہا تھا، تب تو تم سے روکا نہ گیا، اب۔'' انہوں نے جھک کر زمین سے مٹھی میں مٹی بھری اور کھول کر اس کے سامنے کی۔

''وہ خاک ہو گیا ہے اس مٹی کی طرح۔''

اور پھر مٹی کو ہوا میں اچھال دیا تھا۔

''اور یوں بکھر گیا ہے ان ذرات کی طرح، اگر سمیٹ سکتی ہو تو سمیٹ لو۔'' وہ ایک جھٹکے سے اس کے ہاتھ کو چھوڑتی واپسی کے لئے مڑ گئیں تھیں، پیچھے وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے ہوا میں بکھرے مٹی کے ذرات کو دیکھتی رہ گئی تھی، جو ہوا میں بکھر کر دھول بن گئے تھے، جیسے ارتضٰی جیتے جاگتے انسان سے لاش بن گیا تھا، جس طرح پھول آنکھوں میں چبھتی ہے اسی طرح ارتضٰی ایک ایسی دھول بن گیا تھا جسے تا عمر نداحل کی آنکھوں میں چبھتے رہنا تھا۔

میں اس شخص کو کیسے مناؤں فراز
جو مجھ سے روٹھا ہے میری محبت کے سبب

☆☆☆

''نداحل، اٹھو ہوش میں آؤ، آنکھیں کھولو، نداحل ہوش میں آؤ۔'' وہ اس پر جھکا بے تابی سے اس کے گال تھپتھپا رہا تھا جو صوفے پر مدہوش سی پڑی منہ سے عجب سی آوازیں نکال رہی تھی، وہ ساری رات کھڑکی کے پاس چیئر پر بیٹھی رہی تھی اور شاید اسی وجہ سے اسے ٹھنڈ لگ گئی تھی، جب زیان کے بار بار جھنجھوڑنے پر بھی وہ ہوش میں نہ آئی تو وہ اسے اپنی مضبوط بازوؤں میں سمیٹ کر بیڈ تک لے آیا تھا، وہ پہلے بھی دھان پان سی تھی اور آج کل تو ضرورت سے زیادہ کمزور ہوگئی تھی اور اس سب کا ذمہ دار وہ خود کو سمجھ رہا تھا، کیونکہ اس کی ہمراہی میں وہ بے چین اور ڈری سہمی رہتی تھی، جیسے کوئی غلطی کر رہی ہو یا گناہ۔

نداحل کو ٹھنڈ لگنے کی وجہ سے بخار ہو گیا تھا،

ڈاکٹر نے چیک اپ کر کے میڈیسن تجویز کر دی تھی، ساتھ یہ ٹینشن فری رکھنے کی تاکید کی تھی، ڈاکٹر کے جانے کے بعد زیان اس کے پاس بیٹھ گیا تھا، اس کے پر حدت ہاتھ کو اپنے سرد ہاتھوں میں تھام کر بہت نرمی سے دبایا تھا۔

''تمہیں پتہ ہے اگر زندگی کوئی وجود رکھتی تو شاید وہ مجسم تم سی ہوتی، نداحل زیان جیسی، میں تم میں جیتا ہوں، میں خود سے شروع ہو کر تم پر ختم ہوتا، زیان کے ''ن'' میں ہو تم، جتنا مکمل جتنا مطمئن میں تم سے ہوتا ہوں، اتنا تو شاید اپنے وجود سے بھی نہیں ہو پاتا ہوں، تم زندگی ہو میری پر بہت بے رحم اور سنگدل ہو جسے نہ تو میری تڑپ سے فرق پڑتا ہے اور نہ میرے ادھورے پن سے، کاش، کبھی تم مجھے سمجھ پاتی، میرا اعتبار کرتی، جھگڑے میں ہی سہی لیکن کبھی تو مجھے خود سے جوڑتی اور یہ بھی نہ سہی تو ایک بار اپنے ہر دکھ ہر درد کو مجھے سونپ دیتی، جانتی ہو جب تمہارے منہ سے کسی غیر کا نام سنتا ہوں تو دل کرتا ہے تم سے خوب لڑوں جھگڑا کروں، یا پھر تم سے نفرت ہی کر لوں، پر میری بے بسی دیکھو تم، جب بھی تمہارے چہرے پر نظر پڑتی ہے میں سب بھول جاتا ہوں، حتیٰ کہ خود کو بھی یاد رہتا ہے تو صرف اتنا کہ تم میری عاشقی بھری دیوانگی ہو، تم میرا وہ ضدی جنون ہو جو عشق بن کر میری نس نس میرے روم روم میں دوڑتا ہے اور میرے جنون کو ضد ہے پر اس چیز ہر اس احساس سے جو تمہیں مجھ سے دور لے کر جاتا ہے۔'' وہ اس کی ہتھیلی کی پشت پر ہونٹ جمائے دھیرے دھیرے اپنا حال دل بیان کر رہا تھا، ہمیشہ خاموش رہنے والے زیان نے اپنا دل کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا تھا، مگر برا ہو اس غنودگی کا جو نداحل کو گہری نیند سلائے ہوئے تھی، زیان کے لبوں کی جنبش نے اس کے ہاتھ کو گدگدایا تھا وہ ہلکا سا کسمسائی تھی، زیان نے محظوظ ہوتے اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھ دیئے تھے، اس کے لبوں نے انگارہ چھو لیا تھا، مگر وہ تیار تھا اس آگ میں خود کو دھکانے کے لئے۔

صبح تک نداحل کے بخار کی شدت کم ہو گئی تھی، زیان اس کے لئے سوپ بنا کر لایا تھا، سرخ کمبل میں سوئی وہ جاپانی گڑیا لگ رہی تھی، کسی خیال نے دھیرے سے زیان کے دل کو گدگدایا تھا، سوپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر وہ اس کے پاس ہی ٹک گیا تھا۔

''نداحل۔'' نرمی سے اس کے چہرے سے بال ہٹا کر اس کا گال تھپتھپایا۔

کسی معصوم بچے کی طرح کسمسا کر اس نے آنکھ کھول دی تھی۔

''میں نے اسے مار دیا زیان، میری بے رحم محبت نے اس کی جان لے لی، میری خود غرضی کی بھینٹ چڑھ گئی اس کی جوانی، میں تو خود مقید عشق تھی اور دیکھو میرے جنون نے اسے مقید خاک کر دیا۔''

''نداحل تم ٹھیک نہیں ہو۔''

''محبت اتنی بے رحم کیوں ہوتی ہے، دیکھو میرے ہاتھوں کو اس کے خون سے رنگے ہیں۔''

''نداحل!'' زیان نے اسے جھنجھوڑ ڈالا تھا، وہ ایک دم چپ ہو گئی اور خالی نظریں زیان کے الجھن زدہ چہرے پر گاڑھ دیں، عجب تھکن و سیلن زدہ نظریں تھیں جن میں زندگی قطرہ قطرہ ختم ہو رہی تھی۔

''جانتے ہو میرا بھی دل کرتا ہے محبت کرنے کو، محبت کی ان ست رنگی تتلیوں کو چھو کر انہیں محسوس کرنے کو، چاہنا اور چاہے جانے کے احساس کو خود پر لپیٹ کر جینے کو پر کیا کروں جب بھی محبت کے اس لال رنگ میں رنگنے کی کوشش

کرتی ہوں تو اس کا خون میں لتھڑا وجود ڈھیروں گلے شکوے لئے میرے سامنے آ جاتا ہے، مجھے میرے گناہ کا احساس دلاتا ہے، اس کی ٹوٹتی سانسوں کی وجہ ہونے کا گناہ، اس کی دم توڑتی محبت کا گناہ، اس کی ناتمام حسرتوں، گناہ اور اس کے سبھی خوابوں کا گناہ جو میری وجہ سے ٹوٹے تھے، اتنے سارے گناہوں کا بوجھ لے کر میں کیسے جی سکتی ہوں، کیسے تمہارے ساتھ محبت بھری دنیا بسا کر خوش رہ سکتی ہوں، کیسے؟ بتاؤ نہ ذی کوئی طریقہ، راستہ یا ترکیب ہے، نہیں ہے نہ، ہو بھی کیسے کر سکتی ہے، میں نے تو دل توڑنے کا گناہ کیا ہے، وہ دل جہاں خود اللہ بستا ہے اور اللہ تو مسجدوں میں ہوتا ہے، اللہ کا گھر، دیکھو میں نے اللہ کا گھر توڑ ڈالا، پھر مجھے معافی کیسے ملے گی۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

"اور میرا دل نداحل! کیا کبھی اس کے بارے میں سوچا تم نے، اس کے مسمار شدہ قلعوں کو کبھی کھوجا تم نے، اس کی پیوند کاری کی کبھی کوشش کی، اس کے زخموں کو مرہم سے آشنائی دی کبھی، اور ہمارا رشتہ جو......"

"ہاں تو کہہ رہی ہوں نہ میں غلط ہوں، مجھے کچھ بھی جوڑنا نہیں آتا ہے، صرف توڑنا جانتی ہوں، پلیز ذی میری مشکل آسان کر دو اور نہیں جیا جاتا اس طرح، پلیز ذی مجھے آزاد کر دو اس سب سے۔" ہچکیوں سے روتی وہ زیان کو تختہ دار پر لٹکا چکی تھی اور ستم یہ کہ اسی کے سینے سے لگی وہ اس سے جدا ہونے کا مطالبہ کر رہی تھی، ایک ایسا مطالبہ جو نکل تو نداحل کے لبوں سے رہا تھا مگر زیان کے سینے کو چیرتا ہوا گزر رہا تھا، وہ آج پہلی دفعہ زیان کے اتنے قریب آئی تھی کہ اودھم مچاتی [illegible]

[illegible]

ہوتا تو وہ خوشی کے مارے پاگل ہی ہو جاتا لیکن اس کے مطالبے نے اس میں اتنی بھی سکت نہیں چھوڑی تھی کہ پہلوؤں میں گرے ہاتھ اٹھا کر اس روتی ہوئی لڑکی کے گرد ہی حمائل کر دے۔

دوسرے دن نداحل کو سائیڈ ٹیبل پر ایک ٹکٹ اور پیسے پڑے ہوئے ملے تھے، وہ جان گئی تھی فیصلہ اس کے حق میں ہوا ہے، اس کے آنکھوں کے چراغ پل میں پانیوں میں تیرنے لگے تھے، رات جب زیان واپس آیا تو سائیڈ ٹیبل پر صرف پیسے پڑے تھے، باقی سارے گھر میں دکھ بھری ویرانی پھیلی ہوئی تھی، وہ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا اپنی دیمک زدہ محبت سمیت بیڈ پر کسی تھکے ہوئے مسافر کی طرح ڈھیر ہو گیا تھا۔

☆☆☆

تیرا شہر جو پیچھے چھوٹ رہا ہے<br>
کچھ اندر اندر ٹوٹ رہا ہے<br>
حیراں ہیں میرے دو نیناں<br>
یہ جھرنا کہاں سے پھوٹ رہا ہے

پرندہ چاہے جتنی مرضی اڑان کیوں نے بھر لے، آسمان بلندیوں کو چھو لے لیکن جب تھکن سے چور ہوتا ہے تو واپس لوٹ کر اپنے آشیانے میں ہی آتا ہے، پھر چاہے منزلیں کتنی ہی تابناک یا سحر انگیز کیوں نہ ہوں، کوئی بھی کشش اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔

ایک تکلیف دہ اور پر کٹھن سفر کے بعد نداحل بھی اپنے گھر کے سامنے کھڑی تھی ایک ہاتھ سے ہینڈ کیری تھامے اس نے ڈور بیل پر انگلی رکھی تھی، وہ اپنا ہر تعلق حسن ولا سے ختم کر کے گئی تھی، لیکن آج جب لوٹی تھی تو پیچھے بھی اپنا ہر تعلق ختم کر کے آئی تھی، پتہ نہیں زندگی میں اسے سب کچھ ایک ساتھ کیوں نہیں ملتا تھا، کچھ پانے کے لئے ہمیشہ کچھ کھونا ہی کیوں پڑتا تھا۔

گیٹ چوکیدار نے کھولا تھا، آنے والی کو

حیرت و بے یقینی سے دیکھا جیسے یقین نہ ہو کہ سچ میں یہی ہستی چوکھٹ پر کھڑی ہے، وہ چوکیدار کو نظر انداز کرتی آگے بڑھی تھی، ہر ہر قدم پر اس کی ڈھیروں یادیں بکھری پڑی تھیں جنہیں دامن میں سمیٹتی وہ لاؤنج میں داخل ہوئی تھی، کچن سے چائے کے لوازمات ٹرے میں رکھ کر لاتی رباب کے ہاتھ سے ٹرے چھوٹ گئی تھی۔

''ہانیہ!'' وہ چیختی ہوئی اس سے لپٹ گئی تھی، شور کی آواز سن کر آسیہ دوڑ کر باہر آئیں تھیں، نداحل پر نظر پڑتے وہ جہاں کی تہاں تھم گئی تھیں۔

''امی!'' وہ خود ہی ان سے جا کر لپٹ گئی تھی، آسیہ کے سکتہ زدہ وجود میں جنبش ہوئی انہوں نے شدت سے اپنی لاڈلی کو سینے میں بھینچ لیا تھا، جبکہ کمرے کی چوکھٹ پر کھڑے مستنصر حسین پتھر کے ہو گئے تھے، آسیہ دیوانہ وار اسے چوم رہی تھیں، کتنے سالوں بعد ان کی پیاسی مامتا سیراب ہو رہی تھی۔

''مستنصر دیکھیں ہماری نداحل لوٹ آئی ہے۔'' وہ نداحل کو تھامے ان کے سامنے لائی تھیں۔

''بابا جانی!'' کیسی تڑپ تھی اس کی پکار میں جو مستنصر حسین کو تڑپا کر رکھ گئی تھی، انہوں نے کھینچ کر اسے خود میں بھینچ لیا تھا، نداحل کے آنسو ان کا سینہ بھگونے لگے تھے، مستنصر حسین کے خاموش آنسو نداحل کے بالوں میں جذب ہوتے انمول ہونے لگے تھے، وہ ایسا مضبوط گھیرا اس کے گرد تانے کھڑے تھے جیسے کبھی نہ توڑنے کا عہد کر لیا ہو۔

''بس میری جان اب اور نہیں۔'' وہ اس کے آنسو پونچھتے صوفے تک لے آئے تھے۔

''جاؤ رباب بہن کے لئے پانی لے آؤ۔'' اسے صوفے پر بٹھا کر وہ رباب سے مخاطب ہوئے جو سر ہلاتی کچن میں غائب ہو گئی تھی۔

بابا اسے حرم کی بیٹی کے قصے سنا رہے تھے، جسے وہ غائب دماغی سے سن رہی تھی، معاً وہ چونکی اک کمی کا احساس یک بارگی دل میں جاگا تھا۔

''بابا! دادی کہاں ہیں؟ کیا وہ اپنے کمرے میں ہیں؟'' نان اسٹاپ بولتے ہو چپ کر گئے تھے، وہ باری باری سب کے چہرے دیکھتے خود ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''وہ اپنے کمرے میں ہی ہونگی میں جا کر خود انہیں باہر لے آتی ہوں، اچھا کیا جو آپ نے انہیں میری آمد کا نہیں بتایا۔'' وہ منہ میں بڑبڑاتی ان کے کمرے کی طرف جانے لگی تبھی اس کا ہاتھ مستنصر حسین کی گرفت میں آ گیا تھا۔

''وہ تمہیں کہیں نہیں ملیں گی نداحل، کیونکہ وہ وہاں چلی گئیں ہیں جہاں سے کوئی لوٹ کر کبھی بھی اپنے پیاروں سے ملنے نہیں آتا ہے۔''

''مطلب۔'' اس کے جھیل نینوں کے کناروں پر خوف آ ٹکا تھا۔

''وہ ہمیں چھوڑ کر چلی گئیں ہیں نداحل!'' انہوں نے دھیرے سے اسے اپنے ساتھ لگایا تھا۔

''آپ جھوٹ بول رہے ہیں نہ بابا، ایسے کیسے جا سکتی ہیں وہ مجھ سے ملے بنا بات کیے بغیر، آپ کچھ بھی کہہ دیں گے اور میں مان لوں گی، ہر گز نہیں میں جانتی ہوں وہ مجھ سے کتنی محبت کرتی ہیں ایسے تھوڑی ہوتا ہے۔'' وہ انہیں پرے دھکیل کر بولتی حیرت، دکھ، شاک، بے یقینی اور حواس باختگی جیسے کئی جذبات کا شکار تھی، رباب نے آگے بڑھ کر اسے تھاما تھا، وہ زلزلے کی زد پر ٹکا ایسا پتہ معلوم ہو رہی تھی جو ذرا سے جھٹکے سے ٹوٹ کر بکھرنے کے قریب تر ہو۔

(باقی اگلے ماہ)

# قربت ہجر میں محبت

ندا حسنین

"یہ ... یہ کیا کہہ رہے ہو تم شاہ ویز؟ مطلب کیا ہے تمہارا اس فضول سی بات کا؟؟" وہ ہکلاتے ہوئے پیچھے ہٹی۔

"مطلب بالکل واضح ہے.. تمہیں جب سے دیکھا تھا تب سے ہی دل میں ٹھان چکا تھا کہ تمہارا پیار تو میں حاصل کر کے رہوں گا۔" شاہ ویز شیطانی انداز میں ہنستا اسے اپنے ارادے بتا رہا تھا، سبین کی سانس اس کے سینے میں اٹک کر رہ گئی۔

"یہ سالگرہ کی پارٹی تو صرف ایک بہانہ تھا، مقصد تو تمہارے قریب آنا، تمہارے پیار کو پانا تھا۔" وہ بہکے بہکے انداز میں کہہ رہا تھا، اس کے ساتھی اس کی باتوں پر قہقہے لگاتے ہوئے ہنسنے لگے، سبین کا جسم، طوفانی ہواؤں سے لرزتے ہوئے پتوں کی طرح کپکپانے لگا، اس نے پلٹ کر دروازے کی جانب بھاگنا چاہا مگر کاشی دروازہ پہلے ہی بند کر چکا تھا۔

"تم ایسا نہیں کر سکتے میرے ساتھ، تم اس

## ناولٹ



حد تک نہیں گر سکتے شاہ ویز..! وہ رو دینے کو تھی، ہر طرف سے خود کو بے بس و لاچار پا کر وہ بے بسی کی انتہاء پر جا پہنچی تھی۔

"ارے..... میں تو ہوں ہی ایسا، تمہیں حذیفہ نے بتایا نہیں تھا کیا، کریکٹر ڈھیلا ہے میرا" شاہ ویز نے شیطانیت سے قہقہہ لگا کر گنگنایا سبین پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

تیری ہر بات محبت میں گوارا کر کے
دل کے بازار میں بیٹھے ہیں خسارہ کر کے
آتے جاتے ہیں کئی رنگ مرے چہرے پر
لوگ لیتے ہیں مزا ذکر تمہارا کر کے
آسمانوں کی طرف پھینک دیا ہے میں نے
چند مٹی کے چراغوں کو ستارہ کر کے



منتظر ہوں کہ ستاروں کی ذرا آنکھ لگے
چاند کو چھت پر بلالوں گا اشارہ کر کے

وہ لوگ Sandspit بیچ پر موجود تھے۔

شفاف نیلگوں سمندر جس پر آفتاب نے سنہری جال بچھا رکھا تھا، آسمان کی وسعتوں تک پھیلا ہوا نظر آرہا تھا اور اسکے کنارے سونے کی مانند دمکتی نرم گرم ریت کسی جادوئی منظر کی عکاسی کر رہی تھی، ریت پر ایک بڑی سی چادر بچھی تھی، وہ بڑی فرصت سے پیر پسارے اس چادر پر بیٹھی گردن گھمائے.. بہت دور سے نظر آتے، حرکت کرتے ایک نقطے کو دیکھ رہی تھی، اس کے چہرے پر اجلی اجلی سی مسکراہٹ پھیلی تھی، اور آنکھوں کے سیاہ ڈھیلے، جو سورج کی چمک سے کتھئی رنگ اوڑھ چکے تھے، اس دور سے نظر آتے نقطے کی ایک ایک حرکت کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے اس کی آنکھوں میں انتظار ہلکورے لے رہا تھا، دور سے نظر آتا وہ مرئی نقطہ ہر گزرتے پل کے ساتھ نزدیک آتا جا رہا تھا اور یہ نزدیکی اس نقطے کی اصل صورت کو بحال کر رہی تھی۔

☆☆☆

سمندر کی لہریں مدہوشی کے عالم میں رقص کرتی، سنہری ریت کو بھگو کر، سفید گھوڑے کی ٹاپ کو بھی گدگدانے میں مشغول تھیں، وہ سفید گھوڑا برق رفتاری سے دوڑتا ہوا اپنی منزل کی جانب بڑھ رہا تھا اور گھڑ سوار جیسے سونے کا مجسمہ ہو، اسکے بھورے بال، تراشی ہوئی داڑھی حتی کہ آنکھوں کا بھورا رنگ بھی سورج کی چمک سے سنہرے رنگ میں ڈھل گیا تھا۔ وہ یوں گھوڑے پر سوار تھا جیسے فاتح عالم ہو۔ اس کی نگاہیں اس کے لبوں کا ساتھ دیتے ہوئے مسکرا رہی تھیں۔ دھیمی مگر مسحور کن مسکراہٹ.... اس کی آنکھیں سامنے موجود اس گلابی وجود پر ٹکی تھیں، جو سمندر کنارے، بڑی فرصت سے پاؤں پسارے بیٹھی تھی۔ اس کے پیر چادر کی حدود سے باہر نکل رہے تھے۔ اور شرارتی لہریں نرم ریت سے تال میل جوڑ کر اس کے پیروں کو گدگدا رہی تھیں۔ گھڑ سوار تیزی سے اس لمحہ بہ لمحہ کم ہوتے فاصلے کو پاٹتا ہوا اس پری مہ وش تک پہنچنے کی جستجو میں مبتلا تھا۔

سنہری ریت پر مچلتے فاصلے ہر گزرتے لمحے کے ساتھ سمٹتے جا رہے تھے۔

''تمہاری آمد کی دھمک مجھے اپنی سماعتو[ں] میں نہیں، دل پر سنائی دیتی ہے۔'' اس نے مسکر[ا] کر گھڑ سوار کو دیکھا۔

''تم ایک نور کا ہالہ ہو۔ اور میں اس ہا[لے] میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قید ہونا چاہتی ہوں۔'' گھڑ سوار مزید قریب آتا جا رہا تھا۔

''عالی! میں اپنی زندگی میں تمہاری آمد [کی] شدت سے منتظر ہوں۔'' نوریا زیر لب خود سے ہمکلام ہوئی اور اپنا اسکرٹ جھاڑتے ہوئے ا[ٹھ] کھڑی ہوئی۔ گھڑ سوار کے چہرے پر مسحور کن مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ اپنے سر سے سنہرے رن[گ] کا ہیٹ اتار کر ہلانے لگی۔ گھڑ سوار نے گھوڑ[ے] کی رفتار مزید تیز کر ڈالی۔

''تم اشارہ کرو، اور میں اسے سمجھ پاؤں... یہ کب ممکن ہے نوری!'' عالیان [کی] آنکھیں نوریا کے دھوپ میں چمکتے عکس سے د[مک] اٹھیں۔

''محبت نے مجھے تم سے ایک ان دیکھی بیحد مضبوط ڈور سے باندھ ڈالا ہے۔ ایسی ڈو[ر] مجھے تمہاری دھڑکنوں کے نزدیک لے آئی [ہے] اور اب تم سے نگاہیں پھیروں، الٹے قدم لو[ٹ] جاؤں۔ یہ ممکن نہیں۔'' گھوڑا نوریا کے قریب [آ چکا] تھا۔ عالیان گھوڑے سے اتر کر مسکراتے ہو[ئے] نوریا کی جانب بڑھا۔

"تم گھڑ سواری سے اتنا گھبراتی کیوں ہو؟" وہ اسے شریر نظروں سے دیکھتے ہوئے استفسار کرنے لگا۔
"تمہیں کس نے کہا کہ میں گھڑ سواری سے گھبراتی ہوں؟" نوریا نے گردن موڑ کر اسے دیکھا، اور پھر سوال کیا۔
"گھبراتی نہیں ہو تو پھر میرے ساتھ گھڑ سواری کے لئے تیار کیوں نہیں ہوئیں۔" عالیان نے استفسار کیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر سمندر کی جانب بڑھ رہے تھے۔
"تمہارے ساتھ گھڑ سواری کرتی تو تمہیں اتنے شاندار انداز میں گھڑ سواری کرتے ہوئے دیکھ نہیں پاتی۔" نوریا نے مسکراتے ہوئے کہا، ساتھ ہی وہ اپنے اسکرٹ کو ٹخنوں سے ذرا اٹھا کر پیروں سے پانی کے چھینٹے اڑانے لگی۔ اس کے جواب پر عالیان لاجواب سا ہو کر اسے دیکھنے لگا۔
"تم بچپن میں بھی ایسے ہی پانی کے چھینٹے اڑانے کی عادی تھیں۔ آج بھی تمہاری یہ عادت بدلی نہیں نوری!" عالیان اس کی اس معصومانہ و بچکانہ حرکت پر محظوظ ہونے لگا۔
"بچپن کسی کا بھی ہو، اس سے ہمیشہ بہت سی خوبصورت یادیں جڑی ہوتی ہیں عالی، انسان کی میموری کارڈ سے اس کی بچپن کی یادیں کبھی بھی ڈیلیٹ نہیں ہوتیں۔ بچپن کا سنہرا وقت ہماری زندگیوں کا سب سے حسین وقت ہوتا ہے۔ میں بس اپنے حسین وقت کو اپنے اندر جواں رکھتی ہوں۔" وہ اپنی سابقہ حرکت کو جاری رکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں گویا ہوئی۔ اس کا نرم لہجہ، گہرے الفاظ، چہرے کی مسکراہٹ عالیان کے دل میں اترتی چلی گئی۔
"کتنے اچھے لگ رہے ہیں ناں دونوں ایک

دوسرے کے ساتھ۔''

سیما اور شہنیلہ کچھ فاصلے پر بیٹھیں، چائے اور چکن سینڈوچ کے مزیدار ذائقے سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔ وہ لوگ آج صبح سویرے ہی پکنک کی غرض سے سینڈ سپٹ (sand spit) پہنچے تھے۔ شہنیلہ اور سیما نے صبح کے ناشتے اور دن کے لنچ کے لئے خوب اہتمام کر رکھا تھا۔ رحمان صاحب موبائل پر کسی اہم کال پر بات کرنے میں مصروف تھے۔ جبکہ وہ دونوں ایک انتہائی دلکش اور جدید طرز پر بنے ہٹ کے ٹیرس میں بیٹھیں ساحل کنارے، شرارت سے ایک دوسرے پر پانی کے چھینٹے اڑاتے عالیان اور نوری کو دیکھ رہی تھیں۔

''ہاں! ایسا لگ رہا ہے جیسے ان دونوں کو ایک دوسرے کے لئے بنایا ہے رب نے۔'' سیما کی بات پر شہنیلہ نے بھی مسکراتے ہوئے ان دونوں کو دیکھ کر کہا۔

''اللہ ان کی خوشیوں کو ہر طرح کی بری نظر سے محفوظ رکھے۔'' سیما نے عالیان اور نوری کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے دعا دی۔

''آمین۔'' شہنیلہ نے بھی صدق دل سے جواب دیا۔ پھر رخ موڑ کر سیما کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''سیما اس دن تم نے مجھے سلطان کے حوالے سے جو کچھ بھی بتایا، ان سب باتوں نے مجھے بےحد پریشان کر ڈالا ہے۔''

''میں جانتی ہوں بھابھی کہ آپ میری باتوں سے بہت پریشان ہو گئی ہیں۔ میری اس دن سلطان سے بات ہوئی تھی۔ اور ان سے بات کر کے میں کافی پریشان ہوئی تھی۔ تب آپ نے مجھ سے میری پریشانی کی وجہ دریافت کی تو میں چاہ کر بھی جھوٹ نہ کہہ سکی۔'' سیما شرمندگی سے بولیں۔

''میں نے یہ نہیں کہا سیما کہ تمہیں مجھ سے اپنی پریشانی کی وجہ نہیں بتانی چاہئے تھی۔ لیکن تمہاری بات سن کر مجھے ایک اور پریشانی نے آن گھیرا ہے۔'' شہنیلہ نے سیما کو شرمندہ ہوتا دیکھ کر جلدی سے اپنی بات کی وضاحت کی۔

''آپ کو کیسی پریشانی نے آن گھیرا بھابھی؟'' سیما، شہنیلہ کی بات پر حیران ہوئے استفسار کرنے لگیں۔

''میں نے تم سے کہا تھا کہ میں رحمان سے اس معاملے کا ذکر کروں گی۔ اور میں ان سے یہ مسئلہ کہنے بھی والی تھی کہ اچانک انہوں نے خود ہی نوری اور عالیان کے رشتے کے حوالے سے بات چھیڑ ڈالی۔'' شہنیلہ نے اتنا کہہ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

''رحمان بھائی نے دونوں بچوں کے حوالے سے کیا کہا بھابھی؟'' سیما کو شہنیلہ کی ادھوری بات نے فکر میں مبتلا کر ڈالا تھا۔

''رحمان کہہ رہے تھے کہ آج عالیان حویلی سے دور ہونے کے باعث اتنی مختلف اور خوبصورت شخصیت کا مالک ہے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ یہ سب تمہاری تربیت کا نتیجہ ہے سیما۔'' شہنیلہ مسکراتے ہوئے ہوئے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہنے لگیں۔

''بھابھی یہ تو بھائی میری تربیت کی تعریف کر رہے تھے ناں! اس میں اتنا پریشان ہونے والی بات کیا ہے؟'' سیما خوشی سے مسکراتے ہوئے شہنیلہ کو ٹوک گئیں۔

''پریشان ہونے والی بات یہ ہے سیما کہ رحمان نے ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ شکر ہے سیما حویلی میں نہیں رہتی، اگر ایسا ہوتا تو وہ کسی بھی صورت نوریا کا رشتہ عالیان سے جوڑنے کے لئے راضی نہیں ہوتے۔'' شہنیلہ نے اصل مدعا جب سیما

کے سامنے رکھا تو وہ ہکا بکا سی شہیلہ کا چہرہ دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

''اچھی لگی تھی یہ مجھے، اس لئے اٹھا لایا۔''
اس کے لہجے کی سفا کی اور ڈھٹائی نے وہاں کھڑے تمام نفوس کو چونکا ڈالا۔ شمع کو یوں محسوس ہوا کہ اس کے پیروں سے جان نکلنے کو ہے...!
ایک زور دار تھپڑ کی آواز سے کمرے کی درو دیواریں لرز اٹھیں۔
''تم اتنی گری ہوئی بات میرے سامنے کر بھی کیسے سکتے ہو شاہ ویز؟ فیض پور کے گھروں کی بہن، بیٹیاں کوئی مٹی کی گڑیا نہیں جو تمہیں اچھی لگیں تو تم انہیں اٹھا کر لے آؤ۔ یہ جیتی جاگتی انسان ہیں۔ فیض پور کی عزت ہیں۔ اور تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تم کسی کے گھر کی عزت عزت یوں اچھالتے پھرو۔'' ملک جمیل نے شاہ ویز کو ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کرتے ہوئے شدید غصے کی حالت میں بری طرح لتاڑتے ہوئے کہا۔ شاہ ویز ملک اپنے رخسار پر ہاتھ دھرے حق دق سا اپنے باپ کو دیکھتا چلا گیا۔ وہ یہ بخوبی جانتا تھا کہ اس کا جواب اس کے باپ کو غصے سے آگ بگولہ کر ڈالے گا۔ مگر ملک جمیل اس پر یوں سب کے سامنے ہاتھ اٹھائیں گے، ایسا گمان اسے چھو کر بھی نہیں گزرا تھا۔ احساس توہین کے باعث اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔
''تمہیں اس حال میں دیکھ کر، تمہاری نیچ سوچ کے بارے میں جان کر آج مجھے سخت افسوس ہو رہا ہے۔ آج تم میری نظروں سے گر چکے ہو شاہ ویز۔ اب کھڑے ہو کر میری شکل کیا دیکھ رہے ہو۔ دور ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے۔'' ملک جمیل انتہائی مشتعل ہو کر چلائے۔ ملک شاہ ویز نے ایک چلچلاتی نظر سامنے کھڑی، درزیدہ نگاہوں سے اسے دیکھتی ہوئی شمع پر ڈالی اور تن فن کرتا کمرے سے باہر نکل گیا۔
شمع کو اسکی نگاہوں کی تپش نے اندر تک لرزا ڈالا تھا۔
''اوئے جمیل پتر! مزاج تھوڑ ٹھنڈا رکھ۔ جوان جہاں پتر پر یوں ہاتھ نہیں اٹھاتے۔ تیرا پتر تو ویسے ہی بڑا دماغ والا ہے۔ جنونی ہے، جذباتی ہے۔ تو نے اس کے منہ پر جما کر تھپڑ رسید کر ڈالا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ غصے میں آ کر وہ کوئی غلط حرکت کر بیٹھے۔'' ملک فیاض نے بیٹے کو شدید غصے کی حالت میں دیکھ کر اسے سمجھانے کی اور غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی مگر وہ مزید بھڑک کر بولے۔
''آپ اس معاملے میں کچھ نہیں بولیں گے۔ آپ ہی کے بے جا لاڈ پیار نے اسے بگاڑ کر مٹی کر ڈالا ہے۔ شاہ ویز کے ہر معاملے میں اب سے میں خود نگاہ رکھوں گا۔'' ملک جمیل نے ناراضگی سے باپ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر وہ شمع سے مخاطب ہوئے۔
''گھبراؤ نہیں بیٹی! میں تمہیں اپنی حفاظت میں حویلی چھوڑ کر آؤں گا۔ چلو میرے ساتھ۔'' وہ اتنا کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئے۔ شمع نے ڈرتے ڈرتے ملک فیاض کے چہرے کو دیکھا، وہ اس کی جانب متوجہ نہ تھے۔ وہ کرسی پر بیٹھے تھے، ان کے چہرے پر فکر و اندیشوں کا ایک جال بنا ہوا تھا۔ شمع ان کو دیکھتے ہوئے، ملک جمیل کے تعاقب میں کمرے سے باہر نکل گئی۔
''تم سمجھ نہیں رہے جمیل پتر۔ شاہ ویز ایک بدکے ہوئے سانڈ جیسی فطرت رکھتا ہے۔ اگر تم اس کے ساتھ سختی سے پیش آؤ گے تو وہ خود بھی ٹوٹ جائے گا اور تمہیں بھی توڑ ڈالے گا۔ تم سفینہ کی زندگی اس طوفان سے محفوظ رکھنا چاہتے ہو۔ مگر تم نہیں جانتے کہ شاہ ویز کو اگر تم نے صحیح

طریقے سے سنبھالا نہیں تو وہ صرف ہمیں ہی نہیں حویلی والوں کی زندگیوں میں بھی مشکلات کھڑا کر ڈالے گا۔'' ملک فیاض پریشانی کے عالم بڑ بڑا رہے تھے۔ وہ ان سب سے زیادہ شاہ ویز کو جانتے تھے۔ ملک جمیل کافی عرصہ پہلے ہی اپنی بیوی اور بیٹی کے ہمراہ شہر منتقل ہو چکے تھے۔ البتہ باپ کی تنہائی اور خواہش کے پیش نظر انہوں نے شاہ ویز کو یہیں فیض پور میں چھوڑ ڈالا تھا۔ کہاوت مشہور ہے اولاد سے زیادہ پوت سے پیار ہوتا ہے۔ شاید اسی لئے ملک فیاض کو بھی ملک شاہ ویز میں، ملک جمیل کی جھلک دکھلائی دینے لگی۔ بیٹے کے ساتھ تو ان کی بیگم روک ٹوک اور تربیت کرتی آئی تھیں مگر پوتے کے وقت دادی نہ تھی، جب ہی دادا کا بے جا لاڈ پیار اس کے اندر بگاڑ پیدا کرتا چلا گیا۔ نتیجتاً ملک شاہ ویز ایک بگڑا ہوا، اکھڑ مزاج نوجوان بن کر ابھرا۔ منتوں کا اکلوتا چشم و چراغ ہونے کے ناطے اس نے فیض پور کو اپنی راجدھانی سمجھ لیا تھا۔ اس کی نظر میں اس کی عزت کے آگے کسی کی کوئی عزت نہیں تھی۔ اپنے دوستوں کے ہمراہ وہ فیض پور میں غنڈا گردی کرتا پھرتا۔ کتنے ہی معاملے ملک فیاض نے اچھی بھلی رقم دے دلا کر ٹھنڈے کئے۔ وہ اس کی کرتوتوں کا ذکر اب تک ملک جمیل سے چھپاتے آئے تھے۔ مگر یہ حذیفہ والا معاملہ انہیں مجبوراً ملک جمیل کے علم میں لانا پڑا۔ اور ملک جمیل کے برتاؤ نے انہیں شدید پریشانی میں مبتلا کر ڈالا تھا۔ باپ سے زیادہ وہ پوتے کے مزاج سے واقف تھے اور ان کی چھٹی حس مسلسل گواہی دے رہی تھی کہ شاہ ویز یہ بے عزتی بالکل برداشت نہیں کر پائے گا۔ یہ خدشہ انہیں مسلسل ستا رہا تھا کہ اس بدلے کی آگ میں خود کو جھلساتے ہوئے، وہ نہ جانے کس کس کو جلا ڈالے گا۔

☆☆☆

''کیا تم میری بات سمجھ رہی ہو سیما؟'' شہنیلہ نے اسے پریشانی سے اپنی جانب دیکھتا پا کر نرمی سے پوچھا۔ سیما ناسمجھی کے عالم میں انہیں دیکھتی رہیں۔ شہنیلہ ایک گہری سانس بھر کر پھر سے گویا ہوئیں۔

''دیکھو سیما اب تک رحمان کو علم نہیں کہ سلطان نے حویلی واپس لوٹنے کا فیصلہ کر ڈالا ہے۔ اور ستم بالا کہ نجم النساء نے بیٹے کی واپسی ایک شرط سے مشروط کر ڈالی ہے۔ اگر یہ باتیں رحمان کے علم میں آئیں تو ان کے لئے تمہاری حویلی میں واپسی ہی ناقابل قبول ہوگی۔ اور ایسی صورت میں وہ کبھی بھی نویرا کے لئے عالیان کو قبول نہیں کر پائیں گے۔ کیونکہ سلطان اگر اپنی فیملی کے ساتھ حویلی منتقل ہو گئے تو رحمان کسی بھی صورت میں نویرا کو حویلی بھیجنے کے لئے راضی نہیں ہوں گے۔'' شہنیلہ، سیما کو اپنے خدشات سمجھاتے ہوئے بولیں۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ اس طرز سے تو میں نے سوچا بھی نہیں بھابھی۔ رحمان بھائی میری شادی سلطان سے کرنے کے لئے بامشکل راضی ہوئے تھے۔ اور یہ جانتے ہوئے کہ سلطان ہم سب کو حویلی لے جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس کے بعد تو وہ کبھی بھی نویرا کی شادی عالیان سے کرنے کے لئے راضی نہیں ہوں گے۔'' سیما ساری بات سمجھ کر فکرمندی سے کہنے لگیں۔

''اسی لئے سیما، اسی لئے....! میں نے رحمان کو اب تک کچھ نہیں بتایا۔ کیونکہ میں اور تم اس بات سے بہت اچھی طرح واقف ہیں کہ عالیان اور نویرا ایک دوسرے کو بے حد پسند کرتے ہیں۔ اور وہ کبھی بھی ایک دوسرے سے جدا ہونے پر نہ راضی ہوں گے نہ ہی خوش ہوں گے۔''

شہیلہ نے سمندر کی موجوں سے شرارت کرتے ہوئے عالیان اور نوریا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں جانتی ہوں بھابھی۔ مجھے یہ بات کہنے میں کوئی عار نہیں ہے کہ عالیان نوریا سے بے حد محبت کرتا ہے۔ وہ کبھی بھی نوریا کا ساتھ چھوڑنے پر رضامند نہیں ہوگا۔'' سیما پر یقین لہجے میں کہنے لگیں۔

''مجھے بھی یہ کہنے میں کوئی عار نہیں سیما کہ میری بیٹی نوریا بھی عالیان سے بے حد محبت کرتی ہے... مگر مسئلہ ان کی محبت کا نہیں، سلطان کی ضد کا ہے۔ تمہیں کسی نہ کسی طرح سلطان کو راضی کرنا ہوگا کہ وہ حویلی منتقل ہونے کا ارادہ بدل دیں۔ قبل از کہ ہمارے بچوں کی خوشیاں، ان کی زندگی خراب ہو، تمہیں انہیں راضی کرنا ہوگا۔'' شہیلہ کی بات میں وزن تھا۔ سیما اثبات میں سر ہلاتے ہوئے عالیان اور نوریا کو دیکھنے لگیں۔

سورج کی سنہری کرنوں نے ان دونوں کا احاطہ کر رکھا تھا۔ سبز، شیشے کے مانند شفاف سمندر میں وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بے حد جچ رہے تھے۔ ان کی مسکراہٹیں، کھلکھلاہٹیں جیسے ایک دوسرے کی سماعتوں میں رس گھولنے کے لئے ہی تھیں۔ وہ سمندر کی ہی نہیں، محبت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبے ہوئے معلوم ہو رہے تھے۔ وہ محبت جس کا رنگ سنہرا تھا۔

''سنہری محبت... سنہرے لوگ...!'' سیما دل ہی دل میں ان کی محبت کی، ان کی خوشیوں کی نظر اتارنے لگیں۔

☆☆☆

''سن نجمی! ایک راز کی بات بتاتی ہوں تجھے۔ اماں نے فیض پور میں بڑا اچھا لڑکا ڈھونڈا ہے میرے لئے۔ چودھریوں کا اکلوتا بیٹا ہے۔ ہائے نجمی...!! میں نے تو جب سے دیکھا ہے تب سے میری آنکھوں کی نیندیں اڑ گئی ہیں۔ ہائے میں مر جاؤں.. وہ بانکا سجیلا تو میرے خوابوں میں بھی آنے لگا ہے۔ سن نجمی وہ تو بڑا ہی شاندار ہے، میرے خوابوں کے شہزادے جیسا۔ یہ اونچا قد، چوڑے شانے، مغرور آنکھیں، اونچی کھڑی ناک، اور اس کے گورے چٹے چہرے پر بجتی سیاہ گھنی موچھیں.. ہائے نجمی میرا تو دل ڈول گیا اسے دیکھ کر۔ پتا ہے نجمی! اس کی اماں یعنی فیض پور کی چودھرائن کل ہمارے گھر آ رہی ہے ہمارے گھر رشتہ ڈالنے۔ نجمی تیری سہیلی بڑی خوش ہے اسے اس کے خوابوں کا شہزادہ جو ملنے جا رہا ہے۔ اچھا سن! خالہ سے ابھی کچھ نہ کہنا۔ اماں وقت آنے پر خود ہی بتائیں گی۔ اچھا اب میں چلتی ہوں، بڑے کام ہیں کرنے کے لئے، اماں آوازیں لگا رہی ہے۔ کل کے لئے تیاریاں بھی کرنی ہیں۔ اور یہ چٹھی جو تجھے لکھی ہے۔ وہ بھی تو بھجوانی ہے۔ چل پھر اپنا خیال رکھنا۔ اللہ حافظ۔'' آمنہ، سکینہ سے چھپ کر چٹھی لکھنے میں مشغول تھی۔ سکینہ نے اسے منع کیا تھا کہ جب تک بات پکی نہ ہو جائے کسی کے آگے منہ سے بھاپ بھی نہیں نکالنا۔ مگر آمنہ سے صبر نہ ہو رہا تھا وہ دل ہی دل میں تہیہ کر چکی تھی کہ جلد ہی اپنی خالہ زاد جو بہن کے ساتھ ساتھ اس کی سب سے اچھی سہیلی بھی تھی۔ اسے ضرور چٹھی لکھ بھیجے گی۔ اور اب چٹھی لکھ کر وہ چپکے سے گھر سے باہر نکل آئی۔

''سن میرے بھائی! ایک کام کر دے ذرا۔'' سامنے سے اسے پڑوسیوں کا لڑکا آتا دکھائی دیا۔ وہ فوراً اسے بلا کر کہنے لگی۔

''کیا کام ہے باجی...؟'' اس لڑکے نے سوال کیا۔

''یہ چٹھی ہے۔ ڈاک خانے تک پہنچانی ہے پتا اس پر لکھ دیا ہے میں نے۔'' آمنہ جلدی سے

چٹھی اس کے حوالے کرتے ہوئے بولی۔
''باجی ڈاک خانہ بڑا دور پڑتا ہے یہاں سے۔ کسی اور کے ہاتھ بھیج دو۔ میری ٹانگوں میں بڑا درد ہے۔'' اس لڑکے نے ڈاک خانے کا نام سن کر جھٹ بہانہ بنا ڈالا۔ ویسے یہ حقیقت بھی تھی ڈاک خانہ، فیض پور سے ذرا فاصلے پر موجود تھا۔ چلتے چلتے ٹانگیں دکھ جاتی تھیں۔
''ارے میرے بھائی۔ یہ پیسے پکڑ۔ ڈاک خانے سے جو پیسے بچیں وہ اپنے پاس رکھ لینا۔ چل اب جلدی سے یہ چٹھی لے کر جانا پیارے بھائی۔'' آمنہ نے اس کی مٹھی میں پیسے پکڑا کر پچکارتے ہوئے کہا۔
''ٹھیک ہے باجی اتنے پیار سے کہتی ہو تو پہنچا دیتا ہوں چٹھی ڈاک خانے تک۔'' حسب توقع اس بار وہ لڑکا پیسے کا نام سن کر فوراً راضی ہوگیا۔ اور خراماں خراماں وہاں سے چلتا بنا۔
''بدمعاش کہیں کا۔ پیسے کا نام سن کر تو ٹانگوں کا سارا درد نکل گیا۔ لالچی نہ ہو تو۔'' آمنہ اسے جاتا دیکھ کر بڑبڑاتے ہوئے واپس گھر کے اندر آ گئی۔
''اے آمنہ! تو کہاں لور لور بھٹکتی پھر رہی ہے۔ یہ ڈھیر سارے کام کیا تیرے باپ کے رشتے دار کرنے کو آئیں گے۔ چل جلدی آ۔ کھیر بنانی ہے۔ چاول نکال کر بھگو۔ پھر پیسنا بھی ہے۔'' اس کے اندر داخل ہوتے ہی سکینہ صحن میں برآمد ہوئی۔ غالباً اسی کی تلاش میں تھی۔ اسے دیکھتے ہی شور مچاتے ہوئے بولی۔
''آ رہی ہوں اماں۔'' آمنہ فرمانبرداری سے ماں کی بات سن کر صحن سے اندر داخل ہوگئی۔
''یاد رکھ! چودھرائن کل کے کھانے پر خوش ہوگئی تو تیرے وارے نیارے ہو جائیں گے۔ چودھرائن راضی تو سمجھ تیری قسمت کی چابی کھل گئی۔ راج کرے گی تو پورے فیض پور میں۔''
سکینہ مسلسل اسے سمجھائے جا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر پھیلی خوشی بھی دیدنی تھی۔ اور خوش بھی کیوں نہ ہوتی، چودھرائن نے اس کے گھر خود سے آنے کا عندیہ دے کر اسے خوشخبری کا اشارہ بھی تو دے ڈالا تھا۔ ایسے میں سکینہ کا یوں خوش اور پرجوش ہونا فطری عمل تھا۔
''اچھا بات سن! تو نے کسی کو بتایا تو نہیں ناں کہ چودھرائن ہمارے گھر آ رہی ہیں کل؟'' سکینہ نے بولتے بولتے اچانک کسی اندیشے کے تحت پوچھا۔ آمنہ یکدم گھبرا اٹھی۔
''نن... نہیں نہیں اماں میں یہاں کس کو بتاؤں گی۔ میری یہاں بھلا کون سہیلی ہے۔'' وہ گھبراتے ہوئے بولی۔
''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے! بتانا بھی نہیں کسی کو۔'' سکینہ نے بیٹی کے لہجے کی کڑکھڑاہٹ پر توجہ دیئے بناء ہدایت دیا اور اونچی آواز اپنے چھوٹے بیٹے کو آوازیں لگاتے ہوئے گھر سے باہر چلی گئیں۔
''شکر ہے اماں سے چھپ کر میں نے چٹھی نجمی کو روانہ کر ڈالی۔ پتا نہیں اماں کو بھی اتنے اندیشے کہاں سے آ گھیرتے ہیں۔ ان نجمی کو پتا چل بھی جائے تو وہ بھلا میرا کیا بگاڑ لے گی۔ اتنی دور تو بیٹھی ہے وہ شہر میں۔ ہونہہ... اماں بھی ناں!'' آمنہ بڑبڑ کرتی ہوئی چاول پرات میں ڈال کر پھٹکنے لگی۔

☆☆☆

''ہاں رافعہ! معاملہ بہت سنگین ہو چکا ہے۔ شمع کا تو اب تک کچھ پتا نہیں چلا۔ میں تو بھئی فیصلہ کر چکی ہوں، ایسی لڑکی جو ساری رات کسی غیر شخص کے ساتھ گزارے میں اسے اپنی بہو نہیں بنا سکتی۔'' انیسہ اپنی بہن رافعہ کو کال پر ساری صورتحال بتاتے ہوئے اپنا فیصلہ بھی سنا گئیں۔

"انیسہ آپا! مجھے تو بڑی حیرانگی ہو رہی ہے۔ اب تک آپ کی ساس نے شمع کے اغواء ہونے پر پوچھ کیا کیوں نہیں؟" رافعہ حیرت زدہ تھیں۔

"یہ بات تو مجھے خود سمجھ نہیں آ رہی رافعہ۔ اماں کا جیسا مزاج ہے اس حساب سے تو انہیں اب تک آسمان سر پر اٹھا لینا چاہئے مگر نہ جانے کیوں اس بار ان کا ردعمل بہت مختلف ہے۔" انیسہ نے بھی تعجب سے جواب دیا۔

"آپا مجھے تو دال میں کچھ کالا لگ رہا ہے۔ نہیں نہ نہیں، کچھ نہ کچھ، کوئی نہ کوئی تو گڑبڑ ضرور ہے۔" رافعہ پر تجسس انداز میں گویا ہوئی۔

"مجھے بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے۔ پتا تو میں لگا کر ہی رہوں گی رافعہ تم بس اتنا کرو کہ سبین کو واپس حویلی بھجوا دو۔" انیسہ نے پرعزم انداز میں کہتے ہوئے رافعہ سے فرمائش بھی کر ڈالی۔

"خیریت ہے ناں آپا! آپ سبین کو واپس کیوں بلوا رہی ہیں۔" رافعہ اچنبھے سے پوچھنے لگی۔

"ہاں ہاں خیریت ہے۔ بلکہ سمجھو تمہاری لئے خوشخبری ہے۔" انیسہ زیرلب مسکراتے ہوئے بولیں۔

"خوشخبری...! کیسی خوشخبری آپا" رافعہ نے حیرت سے پوچھا۔

"ارے میری بھولی رافعہ! شمع سے رشتہ ختم کروا کر اپنے بیٹے کی شادی مجھے کسی اور لڑکی سے تو کرنی ہوگی ناں۔ تو وہ لڑکی ہماری سبین کیوں نہیں!!" انیسہ نے خوشگوار لہجے میں مژدہ سنایا تو رافعہ بھی بے اختیار خوش ہوتے ہوئے بولیں۔

"ارے واہ آپا! آپ نے تو میرے دل کی بات کہہ دی۔ کیوں نہیں میں سبین کو آپ کے کہنے پر جلد ہی حویلی بھجواتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے میں انتظار کروں گی سبین کا۔ اچھا رافعہ میں پھر بات کروں گی۔ سر میں شدید درد ہو رہا ہے۔ شوگر کی دوا لے کر کھانا بھی کھانا ہے مجھے۔ حذیفہ کی چکر مین تو آج سارا دن اتنی پریشان رہی کہ کھانے پینے کا بھی ہوش نہیں رہا۔ اب تو چکر سے آ رہے ہیں مجھے۔" انیسہ نے اپنی پیشانی سہلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں آپا! آپ دوا لیں، کھانا کھائیں۔ پھر کچھ دیر آرام بھی کر لیں۔ ورنہ کہیں طبیعت نہ بگڑ جائے آپ کی۔" رافعہ بھی فکرمندی سے بولیں۔

"ہاں صحیح کہہ رہی ہو رافعہ! میں دوا لے کر آرام کرتی ہوں۔" انیسہ نے مزید چند الوداعی کلمات کہے اور پھر کال منقطع کر ڈالی۔ موبائل پرس میں رکھتے ہوئے انیسہ نے ایک نظر دوائیوں کے زیر اثر سوئے ہوئے حذیفہ کو دیکھا۔ اور پھر پرس میں اپنی بلڈ پریشر کی دوائی تلاش کرنے لگیں۔

"اوہو...! یہ میری دوا کدھر چلی گئی۔" انیسہ نے جھنجھلاتے ہوئے سارا پرس تلاش کر لیا۔ مگر دوا نہیں ملی۔

"اوہ! لگتا ہے میں دوا پرس میں رکھنا ہی بھول گئی ہوں۔ اوہو بھئی کیا مصیبت ہے۔ ایک تو اس دوا کا نام اتنا مشکل ہے کہ یاد بھی نہیں رہتا۔ ورنہ تو میں یہاں کی فارمیسی سے منگوا لیتی۔" انیسہ زچ آتے ہوئے بڑبڑانے لگیں۔

"حذیفہ تو گہری نیند سو رہا ہے۔ ایسا کرتی ہوں گھر جا کر دوا لے آتی ہوں۔" کچھ دیر تک کمرے میں بے چینی سے ٹہلنے کے بعد بالآخر انہوں نے فیصلہ کر ہی ڈالا۔

"ہاں یہی مناسب ہے۔ گھر جا کر دوا لے

کر کچھ دیر آرام بھی کرلوں گی۔ یہاں ہسپتال میں بیٹھے بیٹھے تو میری کمر بھی اکڑ کر رہ گئی ہے۔'' انہوں نے فیصلہ کن انداز میں حذیفہ کو دیکھا۔ اور پھر کمرے سے باہر نکل گئیں۔

''سنو نرس!'' باہر ہاسپٹل کے کوریڈور میں موجود نرس کو دیکھ کر انہوں نے اسے مخاطب کیا۔

''جی کہیے!'' نرس ان کی آواز سن کر ان کی جانب متوجہ ہوئی۔

''میں دو گھنٹے کے لئے گھر جا رہی ہوں۔ میرے بیٹے کا خیال رکھنا۔'' وہ نرس کے قریب آنے پر اسے ہدایت دینے لگیں۔

''آپ بے فکر رہیے۔ آپ کے مریض کا مکمل خیال رکھا جائے گا۔'' نرس نے انہیں اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔ انیسہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے وہاں سے چلی گئیں۔

☆☆☆

''ابا جی نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا۔ وہ بھی حویلی والی کی لڑکی کی خاطر۔'' جس طرح زخمی شیر انتہائی غصے کی حالت میں اپنی کچھار میں ٹہلتا ہے بالکل اسی طرح ملک شاہ ویز بھی اپنے کمرے میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا ٹہل رہا تھا۔

''آخر اس لڑکی کی حیثیت ہی کیا ہے۔ ابا جی نے اس کے سامنے میری اس قدر بے عزتی کر ڈالی۔'' وہ سختی سے مٹھی بھینچتے ہوئے بڑبڑایا۔

''ابا جی... یہ اچھا نہیں کیا آپ نے۔ اس لڑکی کے سامنے میری تذلیل کر کے آپ نے اچھا نہیں کیا۔'' وہ طیش کے عالم میں اپنا سر نفی میں ہلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''پہلے حذیفہ... اس نے مجھے بے عزت کیا، نیچا دکھایا۔ اور اب آپ ابا جی...! آپ نے اس لڑکی کے سامنے میری عزت دو کوڑی کی کر ڈالی۔'' وہ دانت پیستے ہوئے بلند آواز میں غرایا۔

عین اسی پل دروازہ دھیرے سے کھلا اور ملک فیاض کمرے کے اندر داخل ہوئے۔

''اوئے پتر...! بس کر۔ عزت تو تُو نے حویلی والوں کی دو کوڑی کی کر ڈالنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اور غصہ تو باپ پر اتار رہا ہے۔'' ملک فیاض نے یقیناً اس کی بلند آواز بڑبڑاہٹ سن لی تھی تب ہی کمرے میں داخل ہوتے ہی اسے لتاڑنے لگے۔

''دادا جی مینوں دس۔۔۔ کیا مجھ سے زیادہ عزت والی تھی وہ لڑکی؟ جو ابا جی نے مجھے یوں تھپڑ دے مارا۔'' وہ ملک فیاض کی بات پر بری طرح بھنا اٹھا۔

''اوئے پتر! تو کیا آسمان سے اترا ہے، یا زمین کھود کر کسی نوادرات کی طرح باہر نکالا گیا ہے۔ جو تیری عزت ہم سب انسانوں میں بڑی اعلیٰ وارفع ہوگی۔ مت بھول کہ وہ لڑکی بھی کوئی عام لڑکی نہیں، چوہدریوں کی بیٹی ہے۔ حویلی والی ہے وہ حویلی والی۔'' ملک فیاض بھی اس کی بات پر بری طرح چڑ کر جتاتے ہوئے بولے۔

''اوہ دادا جی! میں بھی ملکوں کا اکلوتا وارث ہوں۔ ملک فیاض کا پوتا ہوں کوئی عام بات نہیں ہے۔'' شاہ ویز بھی جواباً جتاتے ہوئے بولا۔

''اوئے پتر... وہ جس نے تجھے تھپڑ مارا ہے ناں۔ وہ بھی ملکوں کا وارث ہے۔ ملک فیاض کا بیٹا ہے وہ۔ اور ابھی بھی اس کا غصہ اترا نہیں ہے۔ تو نے اپنی حرکات سے اس کی عزت خاک میں ملا دی۔ اوئے کیا ضرورت تھی تجھے حویلی والوں کی لڑکی اغواء کرنے کی۔ پورے فیض پور کی لڑکیوں کے تو ناک میں دم کر ہی رکھا ہے۔ کس نے کہا تھا کہ جا کر حویلی والوں کی دیوار پر اپنا ماتھا پھوڑ۔ صرف تیری وجہ سے آج [illegible] کو حویلی والوں کے سامنے سر جھکانا پڑے گا۔ صرف تیری

وجہ سے آج انہیں چودھرائن کی کڑوی کسیلی باتیں سننی پڑے گی۔شافع الدین سے معافی مانگنی پڑے گی۔'' ملک فیاض نے بھی اس بار اسے صاف آئینہ دکھا ڈالا۔وہ بخوبی جانتے تھے کہ شاہ ویز اپنی غلط حرکات پر کبھی شرمندہ ہونے والا نہیں۔اور ملک جمیل کا غصہ بھی اتنی آسانی سے ٹھنڈا ہونے والا نہیں۔وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ہمیشہ کی طرح شاہ ویز اس بار بھی اپنی غلطی پر پردہ ڈالنے کے لئے انہیں مجبور کرے گا۔مگر پوتے کے غلط کاموں میں مزید اس کا ساتھ دینے سے انکار کرنا ناگزیر ہو چکا تھا۔اسی لئے وہ ملک جمیل کے واپس لوٹنے سے قبل ہی شاہ ویز کو اس کی غلطیوں کا احساس دلانے کی کوشش کرنے لگے۔

''دادا جی! کیا ضرورت تھی ابا جی کو اس معاملے میں گھسیٹنے کی۔آپ نے کیوں انہیں یہاں فیض پور میں بلا کر اس معاملے سے آگاہ کیا۔'' شاہ ویز کو اپنے باپ کے ردعمل کے بعد اس معاملے کی نزاکت بھی کچھ کچھ سمجھ آنے لگی تھی۔وہ پریشانی سے اپنی پیشانی مسلتے ہوئے پوچھ بیٹھا۔

''کیونکہ پتر جی یہ معاملہ تیرے دادا سے سنبھلنے والا نہ تھا۔او یار میں تھک چکا ہوں تیرے گناہوں کو اپنے پیسوں سے دھوتے دھوتے۔اس بار تیرے دادا کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا۔صرف تیرا باپ تھا جو تجھے اس مصیبت سے نکال سکتا تھا۔اور وہ بیچارا میرا بیٹا! انتہائی شریف النفس انسان تیری خاطر اس گناہ کی معافی مانگنے گیا ہے جو اس نے کبھی کیا ہی نہیں۔تف ہے تجھ پر نالائق! تو نے آج اپنے باپ کو رسوا کر ڈالا۔'' اس بار ملک فیاض بھی غصے میں آ کر اسے اچھا خاصہ سنا گئے۔

''دادا جی بس کریں۔آپ کا یہ طعنہ میرے دل پہ لگا ہے ٹھاہ کر کے۔اگر آج میں برا ہوں تو تو آپ ہی کی وجہ سے ہوں۔آپ ہی نے مجھے بتایا کہ یہ فیض پور ہم ملکوں کی جاگیر ہے۔یہاں کی ہر شے پر ہمارا حق ہے۔یہاں رہنے والے لوگ ہمارے محکوم ہیں۔بقول آپ کے اگر آج ابا جی میری وجہ سے رسوا ہوئے، تو اس کی ایک بڑی وجہ آپ ہیں دادا جی۔'' شاہ ویز ملک فیاض کا غصہ برداشت نہ ہوا تو بدتمیزی سے ملک فیاض کو قصوروار ٹھہرانے لگا۔

''اوہ میرا پتر۔تو سمجھ نہیں پایا میری بات۔اپنے سے کم حیثیت لوگوں کی عزتیں خراب کرنا بے حد آسان ہوتا ہے۔وہ بے چارے لوگ بدنامی کے خوف سے ہی منہ بند کر کے بیٹھ جاتے، اور پھر بھی اگر کوئی اپنی آواز بلند کرتا تو پیسے سے ان کے منہ بند کرائے جا سکتے ہیں۔او پتر پیسہ ان غریبوں کی سب سے بڑی مجبوری اور ضرورت بھی ہے۔مگر یہ جو ہماری طرح قد آور، زور آور لوگ ہوتے ہیں ناں، ان کے ساتھ ٹکراؤ آسان نہیں ہوتا۔آگ کے شعلے بھڑک اٹھتے ہیں جو اونچے اونچے محلوں تک تو کجا، نسلوں تک جا پہنچتے ہیں۔'' آج پہلی بار انہیں پوتے کی سرکشی بری طرح کھل رہی تھی۔انہیں خوفزدہ کیئے دے رہی تھی۔اپنے تئیں وہ اسے معاملے کی نزاکت کا احساس دلاتے ہوئے بولے۔

''بھاڑ میں گئی حویلی اور اس کے طاقت ور لوگ۔ہونہہ! ابھی انہوں نے ملک شاہ ویز کا اصل روپ دیکھا نہیں ہے۔اور اس لڑکی کی اتنی ہمت جو مجھ پر انگلی اٹھائے۔اس دو ٹکے کی لڑکی نے میرے خلاف گواہی دے کر مجھے میرے ہی باپ کی نظروں میں گرا دیا۔یہ اونچا لمبا ملک شاہ ویز آج اپنے باپ کی نظر میں بونا بن گیا۔یہ بات دل چیر گئی دادا جی ٹھاہ کر کے۔اس لڑکی کو تو میں چھوڑوں گا نہیں۔تباہ و برباد کر ڈالوں گا میں اسے۔'' شاہ ویز مردفر کے عالم میں بلتا جھلتا،

تنتناتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔ ملک فیاض سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

ایک بار پھر انہیں حویلی کے سائے کا خوف کھائے جا رہا تھا۔ جب بھی ملکوں کی بلند بالا چھتوں پر سیاہ گھنگھور گھٹاؤں کی صورت منڈلاتا تھا.. تب تب کچھ اچھا نہ ہوا تھا۔ ملک فیاض کا گھرانہ بے انتہاء دکھ اٹھایا کرتا تھا۔

''ہائے کم بخت شاہ ویز! تو انجانے میں ایک بار پھر حویلی والوں کی بدبختی ہمارے گھر اٹھا لایا۔ سب میرا قصور ہے میں نے تجھے بے لگام گھوڑے کی صورت شتر بے مہار چھوڑ رکھا تھا۔ جمیل صحیح کہتا ہے۔ سب میرا قصور ہے۔'' ملک فیاض سر پر ہاتھ دھرے شاہ ویز کو کوسے جا رہے تھے۔

''سب میرا قصور ہے شاہ ویز۔ میں نے تجھے لگام نہ ڈالی۔'' وہ پچھتاتے ہوئے ایک ہی بات دہرائے جا رہے تھے۔

☆☆☆

سانس لینا بھی کیسی عادت ہے
جیئے جانا بھی کیا روایت ہے
کوئی آہٹ نہیں بدن میں کوئی
کوئی سایہ نہیں ہے آنکھوں میں
پاؤں بے حس ہیں، چلتے جاتے ہیں
اک سفر ہے جو بہتا رہتا ہے
کتنے برسوں سے کتنی صدیوں سے
جیئے جاتے ہیں، جیئے جاتے ہیں
عادتیں بھی عجیب ہوتی ہیں!!

''نہ جانے اور کتنی آزمائشیں ہیں میری زندگی میں، اور کتنے امتحان ہیں میری زندگی میں...!'' جب سے آفاق الدین گھر سے نکلے تھے وہ تب سے انتظار کی آگ میں جھلستی ہوئی، منتظر نگاہوں سے دروازے کو تکتی ہوئی، حویلی کے احاطے میں بنے چبوترے کے قریب ٹہلنے جا رہی تھیں۔

''میرا صبر، میری ہمت اب ختم ہونے کو ہے۔ مگر زندگی کی مشکلات میرا دامن چھوڑنے کو تیار نہیں۔'' ان کی روح تھکن سے چور تھی۔ جسم کی تھکن تو نیند کی آغوش میں وقت گزار کر اتار لی جاتی ہے۔ مگر روح کی تھکن کیسے اترے بھلا۔ اور سفینہ تو اب اس زندگی سے ہی بے زار ہو چلی تھیں۔

''میرے حصے میں نارسائی، بے وفائی، جگ ہنسائی کیا نہیں ڈالا تو نے میرے مولا، مگر میری بیٹی ۔۔۔ اسے تو میرے بخت کی سیاہی سے بچالے۔ میری نصیب کی کالی پرچھائیاں اس کے نصیب میں نہ ڈال میرے مولا۔'' ان کی آنکھوں سے اشک رواں ہو گئے۔

''وہ بے قصور ہے میرے مولا... وہ بے قصور ہے!!'' وہ نڈھال سے انداز میں چبوترے پر ڈھے سی گئیں۔

''میری بچی کی محبت اس کے باپ کے دل میں ڈال دے میرے اللہ!'' وہ روتے روتے فریاد کر رہی تھیں۔

''اس کے اپنوں کے دل میں اس کے لئے رحم ڈال دے میرے اللہ!'' ان کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

''یا اللہ! میں حاظر ہوں۔ ایک ماں تیرے حضور پیش ہے۔ تو میری بیٹی کے حصے کی مشکلیں، آزمائشیں۔ صعوبتیں بھی میری جھولی میں ڈال دے۔ مگر میرے مولا تو میری بچی کو لوٹا دے۔ ہر ذلت، ہر رسوائی سے محفوظ کر کے اسے مجھے واپس لوٹا دے میرے اللہ!'' سفینہ بلند آواز میں روتے ہوئے فریاد کر رہی تھیں۔ ان کی آہ و زاری اس حویلی کی در و دیوار کو بھی ہلائے دے رہی تھی۔

حویلی کی خادماؤں نے چھپ چھپ کر انہیں یوں روتے گڑگڑاتے دیکھا تھا۔ مگر کسی کی ہمت نہ تھی کہ انہیں حوصلہ دے سکے، انہیں سنبھال سکے۔

''اب رونے کا کیا فائدہ جب چڑیا چگ گئی کھیت..!'' سفینہ کو اپنے عقب سے ایک کروفر بھری آواز سنائی دی۔ انہوں نے بے ساختہ پلٹ کر دیکھا۔ نجم النساء اپنی فطری اکڑ کے ساتھ ان کے سامنے کھڑی تھیں۔

''اماں میرا قصور کیا ہے؟ میری بیٹی کا قصور کیا ہے۔ خدارا آپ تو ایسے طعنے نہ دیں اماں۔'' سفینہ تڑپ کر بولیں۔

''تم پوچھتی ہو کہ تمہارا قصور کیا ہے؟ اتنے زمانے گزر گئے آج تک تم جان ہی نہیں سکیں کہ تمہارا قصور کیا ہے؟ تمہارا قصور یہ ہے سفینہ بی بی کہ تم نے آج تک کوشش ہی نہیں کی اپنے شوہر کا دل جیتنے کی۔ اسے، اس کی سابقہ محبوبہ کی محبت کی آگ میں جھلسنے کے لئے تم نے اکیلا چھوڑ دیا۔ تمہاری سنگ دلی، بے حسی کی وجہ سے آج میرا معصوم بیٹا اس گھر سے، اپنے خونی رشتوں سے اس قدر دلبرداشتہ ہو چکا ہے کہ اس کا دل برداشتہ ہو چکا ہے کہ اسے، بیٹی کے اغواء ہو جانے سے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا۔'' وہ تنفر زدہ انداز میں سارا الزام سفینہ پر دھرنے لگیں۔

''اماں کم از کم آپ تو ایسا نہ کہیں۔ آپ تو جانتی ہیں کہ میں نے شافع کا دل جیتنے کی کتنی کوشش کی۔ ہر وہ کام کیا جو ان کی پسند ہو، ان کی مرضی کے خلاف آج تک کوئی قدم نہیں اٹھایا۔'' سفینہ بھیگے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔ مگر ان کی بات ادھوری رہ گئی۔ نجم النساء نے ان کی بات کاٹتے ہوئے چٹختے ہوئے لہجے میں کہا۔

''چھوڑو یہ باتیں۔ تم نے کبھی چاہا ہی نہیں کہ میرا بیٹا خوشگوار زندگی گزارے۔ تم نے اپنے دل میں تو خود اپنی بچھڑی ہوئی محبت کے مقبرے بنا رکھے تھے۔ جب سے تمہاری شافع سے شادی ہوئی، تمہارے چہرے کی رونق ہی روٹھ گئی۔'' نجم النساء کا دل نہیں تھا، بلکہ نفرتوں کا ایک جہاں آباد تھا ان کی سینے میں۔ یوں تو وہ اکثر و بیشتر اپنے لبوں سے نکلتے زہر خند لفظوں سے سفینہ کا وجود ڈستی رہتی تھیں، مگر آج جو زہر ان کے منہ سے نکل رہا تھا، وہ سفینہ کا انگ انگ جھلسا رہا تھا۔

''اماں یہ غلط الزام ہے۔ میں نے ہمیشہ شافع سے محبت کی، ان کے ساتھ مخلص رہی۔ میں نے اپنی زندگی کے کسی ایک لمحے میں بھی ان کے ساتھ بے وفائی نہیں کی۔'' سفینہ اس الزام پر بری طرح تڑپ اٹھیں۔

''بے وفائی نہیں کی۔ اس کے ساتھ رہنے تک کی روادار تو نہ تھیں تم۔ آئے دن تو اپنی روتی بسورتی شکل لے کر کمرے سے باہر نکل آتیں۔ ٹھیک ہے کبھی غصے میں وہ تم پر ہاتھ اٹھا لیتا۔ تو یہ کون سی ایسی بڑی بات تھی۔ مرد ہوتے ہی غصے کے تیز ہیں۔ کبھی ایک آدھ تھپڑ مار بھی دیا تو ایسا کیا غضب ہو گیا کہ تم کمرہ ہی چھوڑ آتیں۔ اتنی دعائیں مانگیں میں نے تب اللہ اللہ کر کے تو اولاد پیدا کی تم نے، مگر وہ بھی لڑکی۔ ہونہہ!'' نجم النساء بڑی بے دردی سے ان کی عزت نفس کی دھجیاں اڑاتی چلی گئیں۔ اور آخر میں اولاد کا طعنہ بھی دے مارا۔

''اماں جی! لڑکی پیدا کرنا کوئی جرم ہے کیا؟'' سفینہ ہر بات سہہ گئی مگر لڑکی پیدا کرنے کا طعنہ اس کے دل کو نشتر کی طرح چبھ گیا۔

''اے لو! اب سفینہ بی بی مجھ سے جرح کریں گی۔ اے بی بی آج اگر بیٹی کے ساتھ بیٹا بھی پیدا کیا ہوتا ناں تو کم از کم وہ اپنی بہن کی تلاش میں سرگرداں تو ہوتا۔ میرے ایک بیٹے کو تو

اس قابل نہ چھوڑا کہ اپنے خاندان، گھربار کے لئے سوچ سکے۔ اور دوسرے بیٹے کو بھی اپنے مقصد کے پیچھے لگا دیا۔ تمہارا کیا جارہا ہے بی بی۔ دل تو میرا کٹ رہا ہے ناں۔ میرا آفاق اپنی جان ہاتھ میں لئے ان ملکوں سے بھڑنے ان کے گھر جا پہنچا ہے۔ اگر میرے بچوں کو کچھ ہوا تو میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی۔'' نجم النساء انہیں بری طرح لتاڑتے ہوئے سنا کر چلی گئیں۔

''میری بچی اپنے باپ کے ہوتے ہوئے بھی لاوارثوں کی طرح ان ظالموں کے در پر پڑی ہے۔ مجھ سے پوچھیں کہ کلیجہ کیسے کٹتا ہے۔'' سفینہ نے نجم النساء کی پشت کو بھیگی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے خود کلامی کی۔

''یا اللہ! اتنی بے بسی، اتنی بے کسی میں نہ ڈال مجھے اور میری بیٹی کو کہ یہ لوگ ہمیں قدموں تلے روند ڈالیں۔'' وہ عرش کو بھیگی نگاہوں سے تکتے ہوئے گڑگڑا کر دعا مانگنے لگیں۔

''یا اللہ! رحم کر.. تو میری بیٹی کو مجھ سے ملا دے۔

کوئی راستہ بنا دے۔ اسے باحفاظت گھر پہنچا دے میرے مالک۔ اسے باحفاظت گھر پہنچا دے۔'' وہ گڑگڑاتے ہوئے چبوترے پر ڈھے سی گئیں۔

☆☆☆

''یہ شافع نہ جانے کب تلک اپنی ذمہ داریوں سے دور بھاگتا رہے گا۔ نہ جانے کب اسے احساس ہوگا کہ وہ اب اس دور سے بہت آگے نکل چکا ہے۔ جوانی کی محبت جوانی میں ہی اچھی لگتی ہے۔ ادھیڑ عمری میں روگ بن جاتی ہے۔ صرف اس شخص کے لئے ہی نہیں بلکہ اس کے خاندان کیلئے بھی۔'' آفاق الدین گاڑی چلاتے ہوئے مسلسل شافع الدین کے متعلق سوچے جارہے تھے۔ پریشانی ان کے چہرے سے ہویدا تھی۔

''سفینہ کو دیکھتا ہوں تو دل برا ہوتا ہے۔ اس بیچاری کی زندگی تو شافع نے اجاڑ کر رکھ ڈالی ہے۔ وہ بھی ایک ایسی عورت کے خاطر جو خود کہیں اور شادی کر چکی ہے۔ مگر اس کے نہ ملنے کے پچھتاوے کو اس نے اپنی زندگی کا ناسور بنا ڈالا ہے۔'' آج کا دن ان کے لئے رولر کوسٹر کے مترادف ثابت ہوا تھا۔ حذیفہ اور شمع کی گمشدگی، حذیفہ کا زخمی حالت میں ملنا، ملک شاہ ویز کا شمع کے اغواء میں ملوث ہونا۔ اماں کے خوفناک ارادے، اور تاحال گھر کی بیٹی کا لاپتہ ہونا۔ وہ ان تمام مسائل سے اب تک اکیلے ہی مقابلہ کرتے آرہے تھے۔ اور اب ان کے اعصاب بری طرح تھک چکے تھے۔

''اماں کی من مانیوں کا انتقام وہ سفینہ کو بے عزت کر کے، اس کی عزت دو کوڑی کر کے نکالتا ہے۔ نہ جانے کیسا ہوتا جارہا ہے یہ شافع، اسے تو اس بات کا بھی احساس نہیں رہا کہ وہ خود بھی ایک بیٹی کا باپ ہے۔ اور جو سختیاں اس نے اپنی بیوی کے حصے میں رکھ ڈالی ہیں وہ اگر قدرت نے اس کی بیٹی کی نصیب میں لکھ ڈالیں، تو کیا برداشت کر پائے گا۔'' یہ باتیں سوچ سوچ کر ان کا دماغ شل ہو رہا تھا۔ انہوں نے گاڑی ایک جھٹکے سے روک ڈالی۔ ایک گہری سانس اپنے اندر اتار کر وہ گاڑی سے باہر نکل آئے۔ رات کے تاریک سائے ہر سو چھائے ہوئے تھے۔ سڑک کے دونوں جانب جھاڑیاں تھیں۔ جس میں چھپے جھینگر کے بولنے کی آوازیں سناٹے میں گونجنے لگیں۔ آفاق الدین سست روی سے چلتے ہوئے سیدھی جاتی سڑک پر آگے بڑھنے لگے۔

''نہ جانے تم کب سمجھو گے شافع کہ تمہاری

یہ بے جا ضد، یہ منتقم المزاجی تمہاری اور تمہارے بیوی بچوں کی زندگی میں صرف تباہی لائے گی۔ ایک ایسی خواہش کے پیچھے بھاگنا جو لاحاصل بن چکی ہو، نری بیوقوفی ہے۔ اور تم یہ بے وقوفی کرتے ہوئے تھکتے بھی نہیں ہو۔'' وہ اپنی سوچ میں گم، چلتے چلتے بہت دور نکل آئے تھے۔

''میں تمہیں مزید سراب کے پیچھے بھاگنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ مجھے تمہیں روکنا ہوگا۔ مجھے تمہیں اپنی زندگی مزید برباد کرنے سے روکنا ہوگا۔ تمہیں اب میری بات سننی پڑے گی شاہ ویز۔ ورنہ اماں اپنے تکبر کے آگے تمہارا آشیانہ برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑیں گی۔'' وہ تہیہ کرتے ہوئے پلٹنے ہی والے تھے کہ ایکدم ان کی آنکھیں چندھیا سی گئیں۔ انہوں نے ہاتھ کا چھجا بنا کر روشنی کے اس جھماکے کی جانب دیکھنے کی کوشش کی۔ تیز رفتاری کے عالم میں ایک گاڑی ان کی جانب بڑھ رہی تھی۔

☆☆☆

میرا ضمیر میرا اعتبار بولتا ہے
میری زبان سے پروردگار بولتا ہے
تیری زبان کترنا بہت ضروری ہے
تجھے مرض ہے کہ تو بار بار بولتا ہے
کچھ اور کام اسے آتا ہی نہیں شاید
مگر وہ جھوٹ بہت شاندار بولتا ہے!

''نہیں ملک شاہ ویز اور شمع کے درمیان کوئی رابطہ تو نہیں تھا، کوئی ناجائز تعلق.....!!'' انیسہ کا یہ ایک فقرہ ان کی سماعتوں میں اب تک سیسہ گھول رہا تھا۔ وہ انتہائی مشتعل انداز میں گاڑی چلا رہے تھے۔

''بھابھی نے اتنی بڑی بات منہ سے نکالی بھی کیسے۔ ان کی یہ ہمت بھی کیسے ہوئی کہ وہ میری بیٹی کے کردار پر انگلی اٹھائیں۔'' یہ سوچ سوچ کر ان کا دماغ شل ہوئے جا رہا تھا۔

جن لڑکیوں کے باپ، اپنی ماضی کی محبت کا مندر دل میں تعمیر کر کے ہر دم پوجا پاٹ میں لگے رہتے ہیں۔ ان کی بے فکری سے دنیا اسی طرح کے فائدے اٹھاتی ہے۔'' انیسہ کا ان کے منہ پر مارا ہوا طعنہ' ان کی سوالوں کا جواب بن کر ان کی یادداشت پر ابھرا۔

''بھابھی...!'' وہ دانت پیس کر زیر لب بڑبڑائے۔

''مجھے نہیں پتا تھا بھابھی کہ آپ کے دل میں میری بیٹی کے لئے اتنی نفرت ہے۔ اچھا ہوا کہ آپ کے دل کا حال میرے سامنے عیاں ہوگیا۔ آپ کی باتوں نے مجھے کئی وسوسوں، اندیشوں میں مبتلا کر ڈالا ہے۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ آپ میری بیٹی کی خوشیوں کی راہ میں رکاوٹیں ضرور پیدا کریں گی۔ مگر میں ایسا ہونے نہیں دوں گا۔'' بہت زمانے بعد ان کے اندر سوئے ہوئے باپ نے انگڑائی لی تھی۔ شمع کی گمشدگی کے بعد، انیسہ کے طعنوں اور تلخ باتوں نے انہیں بہت کچھ سوچنے پر آج مجبور کر ڈالا تھا۔

''میں جان گیا ہوں کہ آپ حذیفہ کے دل میں میری بیٹی کے لئے بدگمانیاں پیدا کرنا چاہ رہی ہیں۔ مگر میں ایسا کچھ بھی ہونے نہیں دوں گا۔ میں آپ کے تمام ارادوں کو ناکام بنا ڈالوں گا۔ مگر میں پہلے ذرا ان ملکوں سے تو نمٹ لوں، جنہوں نے میری بیٹی کو اغواء کرنے کی ہمت کی ہے۔ میں ان سے ذرا حساب بے باک کرلوں۔'' وہ طیش کے عالم میں گاڑی چلاتے ہوئے خود کلامی میں مصروف تھے۔ گاڑی ایک موڑ مڑ کر سیدھی سڑک پر گامزن ہوگئی۔

''ملک جمیل تمہاری طرف میرے پرانے حساب بھی نکلتے ہیں۔ مگر جو تمہارے بیٹے نے

اب گل کھلائے ہیں۔ انہیں تو میں کسی صورت بخشنے والا نہیں۔ تم دعا کرو کہ تمہارا بیٹا میرے ہاتھ نہ لگے۔ اگر لگ گیا تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' وہ ہونٹ بھینچے زیر لب غصے سے بڑبڑائے۔ دفعتاً ان کی آنکھیں سامنے سے آتی جیپ کو دیکھ کر ایکدم کھل سی گئیں۔ پیر عجلت میں بریک پر جا ٹھہرے۔ ٹائر زوردار آواز سے چرچرائے۔ اور گاڑی ایک جھٹکے سے جا رکی۔ سامنے سے آتی جیپ بھی اچانک ایک جھٹکے سے رکی۔

''اوہ یہ کون بدبخت ہے جو میرا راستہ روکے کھڑا ہے۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے گاڑی سے اترے اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے اس گاڑی کی جانب بڑھنے لگے۔ دفعتاً جیپ کا دروازہ کھلا، اور ایک نوجوان باہر اتر کر کھڑا ہو گیا۔

☆☆☆

وہ گاڑی ان کے قریب آ کر ایک جھٹکے سے رکی۔ آفاق الدین آنکھیں سکیڑے اس گاڑی کی جانب بڑھنے لگے۔ یکایک ان کی آنکھوں میں شناسائی کی رمق دوڑ گئی۔ وہ تیز قدموں سے گاڑی کی طرف بڑھے۔ عین اسی پل گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھلا اور ملک جمیل اس میں سے برآمد ہوئے۔

''ملک جمیل تم...؟'' آفاق الدین حیرانگی سے بولے۔

''اچھا ہوا آفاق الدین تم مجھے یہاں راستے میں مل گئے۔ میں تمہاری حویلی ہی جا رہا تھا۔'' ملک جمیل نے آفاق الدین کے بغور دیکھتے ہوئے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''کس منہ سے حویلی جا رہے تھے ملک جمیل۔ کیا تمہارے بیٹے نے کوئی بہت قابل فخر کارنامہ انجام دیا ہے۔ جس کی خوشخبری تمہیں سنانی تھیں۔'' آفاق الدین تلخ لہجہ میں گویا ہوئے۔ ان کی بات پر ملک جمیل خاموشی سے سر جھکا گئے۔

''تمہیں احساس بھی ہے کہ تمہارے بیٹے نے آخر کیا کیا ہے؟ اپنے آوارہ دوستوں کے ساتھ مل کر میرے بیٹے کے ساتھ دن دھاڑے مار پیٹ کی، اور اسے ہسپتال تک پہنچا ڈالا۔'' آفاق الدین غصے سے چیخ پڑے۔

''ہمارے حویلی کی عزت، ہماری بیٹی کو اٹھا کر لے گیا تمہارا آوارہ مزاج بدمعاش لڑکا۔ اور تم ڈھیٹ بن کر ہمارے حویلی کی راہ پر چل پڑے۔ کیا سوچ کر ملک جمیل...؟ کیا سوچ کر تم حویلی کی جانب چل پڑے؟'' آفاق الدین تلملاتے ہوئے ان سے سوال پر سوال کئے جا رہے تھے۔ مگر ملک جمیل کے لبوں پر جامد خاموشی ٹھہری ہوئی تھی۔

''کیا تمہیں لگ رہا تھا کہ تمہارے سپوت نے حویلی والوں کی عزت پر ہاتھ ڈال کر ان کی شان میں خاطر خواہ اضافہ کر ڈالا۔ اور تم اس کا اعزاز وصولنے کے لئے چلے آ رہے تھے۔'' آفاق الدین کا چہرہ شدید غصے کے باعث سرخ ہوا جا رہا تھا۔ ملک جمیل نے آہستگی سے سر اٹھا کر ان کی جانب دیکھا۔

''اب چپ کیوں ہو ملک جمیل، جواب دو۔ تمہارے بیٹے کے کارناموں کا کوئی نہ کوئی جواب تو تمہارے پاس ہو گا ناں۔ اور کچھ نہیں تو یہ بتاؤ کہ میری بیٹی کہاں ہے؟ میرے گھر کی عزت کہاں ہے؟ جواب دو ملک جمیل۔ مجھے خاموشی نہیں جواب چاہئے۔'' آفاق الدین، ملک جمیل کے گریبان تک جا پہنچے تھے۔

''تمہارے ہر سوال کا جواب میری گاڑی کی پچھلی نشست پر موجود ہے آفاق الدین۔'' ملک جمیل نے آفاق الدین کی مضبوط گرفت سے

اپنا گریبان آہستگی سے چھڑاتے ہوئے کہا۔
''کیا مطلب ہے تمہارا جمیل؟'' آفاق الدین نے حیرت سے سوال کیا۔
''مطلب بہت واضح ہے۔تم گاڑی کی پچھلی نشست، خود جا کر دیکھ لو۔'' ملک جمیل اپنی قمیض جھاڑتے ہوئے، چند قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بولے۔ان کی بات پر آفاق الدین عجلت کے عالم میں گاڑی کی پچھلی نشست کی جانب بڑھے۔ سرعت سے دروازہ کھولا۔اگلے ہی پل وہ دنگ سے رہ گئے۔
''شمع بیٹی!'' وہ بے یقینی سے اسے دیکھ کر پکار اٹھے۔
''تایا بابا!'' شمع نے بھی انہیں دھڑکتے دل کے ساتھ پکارا۔
''میری بیٹی آجاؤ۔اس گاڑی سے باہر نکلو۔ میرے پاس آؤ۔'' وہ خوشی کے عالم میں اس کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی سے باہر نکالتے ہوئے بولے۔
شمع ان کا ہاتھ تھام کر گاڑی سے باہر نکل آئی۔گی
''تم ٹھیک ہوناں میری بچی۔ ان لوگوں نے تمہیں کوئی نقصان تو نہیں پہنچایا۔؟'' وہ ہزار اندیشوں میں گھرے سوال کرنے لگے۔
''میں ٹھیک ہوں تایا بابا۔کسی نے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔!'' شمع اپنے شفیق تایا کو دیکھ کر بے حد مطمئن ہو چکی تھی۔اس کا دل اب ہر قسم کے خوف اور اندیشے سے آزاد ہو چکا تھا۔اسی لئے ایک نظر خاموش سے کھڑے ملک جمیل کو دیکھتے ہوئے بولی۔
''شکر ہے میرے مولا!'' آفاق الدین بے اختیار شکر بجالائے۔پھر شمع کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے بولے۔
''اب بتاؤ میری بیٹی، کس نے کیا تھا حذیفہ پر حملہ؟ اور تمہیں کس نے اغواء کیا۔؟'' وہ اب اس سے ساری تفصیل جاننا چاہتے تھے۔شمع نے ساتھ خاموشی سے کھڑے ملک جمیل کی طرف دیکھا۔ ملک جمیل اس کی آنکھوں میں چھپے سوال کا مفہوم بخوبی جانتے تھے۔انہوں نے دھیرے سے اپنا سر ہلا دیا۔
''تایا بابا! حذیفہ مجھے گھر لے جانے کیلئے کالج آیا تھا۔راستے بھر ہم دونوں باتیں کرتے رہے۔ باتوں باتوں میں حذیفہ راستہ بھٹک کر ملکوں کے کھیت کی جانب نکل گیا۔ ملک شاہ ویز نے وہاں ہمیں مجبور اور اکیلا پا کر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ،ہم دونوں پر حملہ کر ڈالا۔'' شمع، آفاق الدین کو ساری بات تفصیل سے سنانے لگی۔آفاق الدین وقتاً فوقتاً تند و تیز نگاہوں سے ملک جمیل کو دیکھتے رہے۔ ملک جمیل کے چہرے پر شرمندگی سرخی بن کر دوڑنے لگی۔
''تایا بابا! اگر ملک جمیل وقت پر نہ پہنچتے تو میں اس وقت آپ کے سامنے موجود نہ ہوتی۔'' شمع کا لہجہ یہ کہتے کہتے رندھ سا گیا۔وہ اک اک پل جو قیامت بن کر اس پر گزرا تھا، کسی فلم کی مانند اس کے ذہن کے پردے پر چلنے لگا۔اس نے بھیگی نظروں سے ملک جمیل کو دیکھتے ہوئے کہا۔اس کی بات پر آفاق الدین نے ملک جمیل کو لحظہ بھر کیلئے دیکھا اور پھر شمع کو خود سے لگا کر بولے۔
''بیٹا اب تمہیں کسی بھی بات سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔میں تمہارے ساتھ ہوں۔''
''اور بابا۔۔؟'' ان کی بات پر شمع نے بے قراری سے ان سے الگ ہو کر سوالیہ انداز میں دیکھا۔
''کیا میرے بابا میرے ساتھ نہیں ہیں؟ وہ کہاں ہیں تایا بابا؟'' شمع بے قراری سوال کیے

جا رہی تھی۔ اور آفاق الدین کے پاس اس کے سوالوں کا کوئی جواب نہ تھا۔ انہیں یوں چپ کی مہر لبوں پر سجائے کھڑا دیکھ کر، ملک جمیل نے بھی چونک کر دیکھا۔

''وہ مجھے لینے کے لئے کیوں نہیں آئے تایا بابا؟ کیا انہیں میری کوئی فکر نہیں؟'' شمع کے لہجے میں دکھ ہی دکھ تھا۔ آفاق الدین سے کوئی جواب نہیں بن پڑا۔

''آفاق الدین، بقول تمہارے حویلی پر اتنی بڑی قیامت آن ٹوٹی۔ تو کیا اس قیامت کا شافع الدین پر کوئی اثر نہ پڑا؟'' اس بار ملک جمیل بھی چپ نہ رہ سکے۔ انہوں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال داغا۔

''شافع کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ شمع کی گمشدگی نے اسے غم سے بے حال کر ڈالا ہے۔ وہ حویلی میں انتظار کر رہا ہے اپنی بیٹی کا۔'' ملک جمیل کا چبھتا ہوا سوال انہیں بری طرح کھلا تھا۔ شمع کے سوالوں پر وہ کیا بہانہ بنائیں یہ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ مگر ملک جمیل کے طنز نے ان کے لبوں کو بے اختیار بہانہ بنا دیا۔ وہ بڑے جتاتے ہوئے انداز میں سنا گئے۔

''کیا؟ بابا کی طبیعت ٹھیک نہیں؟ مجھے فوراً بابا کے پاس جانا ہے تایا بابا!!'' شمع کا دل تڑپ اٹھا۔ وہ روتے ہوئے کہنے لگی۔ اس کی تڑپ دیکھ کر ملک جمیل کا دل بھینچ گیا۔

''ہم بس حویلی چل رہے ہیں بیٹا۔ تم جاؤ گاڑی میں بیٹھو۔ میں ملک جمیل سے کچھ اہم باتیں کر کے آ رہا ہوں۔'' آفاق الدین نے شمع کو اپنی گاڑی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے حوصلہ دے کر کہا۔ شمع سر اثبات میں ہلاتے ہوئے گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔

''تو تم نے اس معصوم بچی سے جھوٹ کہا آفاق الدین!'' شمع کے جاتے ہی ملک جمیل تلخی سے بولے۔

''کیسا جھوٹ ملک جمیل؟'' آفاق الدین بہت اچھی طرح جانتے تھے کہ ملک جمیل کس جھوٹ کی بات کر رہے ہیں۔ مگر پھر بھی انجان بنتے ہوئے بولے۔

''شافع الدین! یہ سب سے بڑا جھوٹ ہے کہ شافع، بیٹی کے غم میں صدمے سے نڈھال ہے۔ یہ بات تم اس سے کہو آفاق الدین جو شافع الدین کو جانتا نہ ہو۔ میں اسے بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ ایک کٹھور دل انسان ہے۔ اور اسے اگر بیٹی کی فکر ہوتی تو آج تم یہاں اکیلے نہ ہوتے۔ وہ تمہارے ساتھ ہوتا۔ وہ ساتھ نہیں ہے تو اس کا مطلب صاف ہے کہ اس پتھر دل شخص کو اپنی بیٹی، اپنے خون کی بھی پرواہ نہیں۔'' ملک جمیل بڑی سفاکی سے آفاق الدین کو آئینہ دکھا گئے۔ آفاق الدین لب بھینچے انہیں دیکھتے رہے۔ اور پھر کرخت لہجے میں بولے۔

''وہ یہاں آئے یا نہ آئے! یہ تمہارا مسئلہ نہیں حویلی والوں کا مسئلہ ہے۔ تمہیں فکر کرنی ہے تو اپنے بیٹے کی فکر کرو۔ جس نے آج فیض پور کو آگ میں جھونکنے کا پورا پورا انتظام کر ڈالا تھا۔''

''مجھے اپنے خاندان کے ساتھ ساتھ فیض پور کی بھی فکر ہے۔ تب ہی خبر ملتے ہی یہاں بھاگ بھاگا چلا آیا۔ تمہاری بہو کو باحفاظت تمہارے حوالے بھی کر ڈالا۔ مگر! تمہاری جانب سے کیا ہو آفاق الدین؟ حویلی کی چودھرائن نے تو دونوں گھرانوں کو آگ میں جھونکنے کی دھمکی دے ڈالی۔ کیا میں نہیں سمجھ رہا کہ شمع کے بہانے تمہاری ماں ایک بار پھر اپنی نفرت، اپنے انتقام کو ہوا دینے کے چکر میں ہے۔'' ملک جمیل تلخی سے بولے۔

''میری ماں کا نام نہ لو اس معاملے میں ملک جمیل۔ کرتوت تمہارے بیٹے کے خراب ہیں۔ اس کی فکر کرو۔'' آفاق الدین قلبی طور پر ان کے ایک ایک حرف سے متفق تھے مگر یہ حقیقت ان کی، ان کے خاندان کی رسوائی کا باعث تھی۔ وہ ملک جمیل کو جان چھڑانے والے انداز میں جواب دے کر پلٹنے لگے۔

''میرے بیٹے کی فکر نہ کرو آفاق الدین۔ اسے میں سنبھال لوں گا۔ تم اپنی ماں کو سمجھاؤ کہ یہ آگ کا کھیل کھیلنے کا ارادہ نہ باندھے۔ ورنہ میرا آشیانہ تباہ کرنے کی خواہش میں کہیں حویلی ہی آگ کے لپیٹے میں نہ آجائے۔'' ملک جمیل بھی انہیں تنبیہہ نہ انداز میں جواب دے کر واپس پلٹ گئے۔ آفاق الدین کے قدم ان کی بات سن کر لحظہ بھر کے تھمے۔ وہ بخوبی جانتے تھے کہ ملک جمیل کی کہی گئی بات حرف بہ حرف سچ ہے۔ مگر اس سچ کے آگے حویلی کی نارسائی کھڑی تھی اسلئے وہ منہ موڑ کر اپنی گاڑی کی جانب چل پڑے، جہاں شمع بیٹھی، ان کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔ گاڑی حویلی کی راہ پر ڈال کر انہوں نے درزیدہ نظروں سے شمع کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے مسلسل اشک رواں تھے۔ آفاق الدین بے چین سے ہو بیٹھے۔ جھوٹ تو انہوں نے بول دیا تھا مگر حویلی جا کر جب شمع کو پتا چلے گا کہ اس کے باپ کو اس کی چنداں پرواہ نہیں اور وہ سرے سے حویلی میں موجود ہی نہیں تب کیا بیتے گی اس پر۔ وہ اس سوچ کے آگے اتنے ہلکان ہو چکے تھے کہ ساتھ بیٹھی شمع کو لمحے بھر کیلئے بھی حوصلہ نہ دے سکے۔

☆☆☆

چاند بدلیوں کے پیچھے جا چھپا تھا۔ وہ تیز قدموں سے آگے بڑھ رہے تھے۔ ان کے انداز دیکھ کر وہ نوجوان بھی اپنی جگہ سے ہلا، اور ان کی جانب بڑھنے لگا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ رات کے تاریک سائے میں دو ہیولے ایک دوسرے کی جانب بڑھ رہے ہوں۔

''تمہیں پتا بھی ہے کہ تم نے کس کا راستہ روکا ہے۔'' شافع الدین نے بلند آواز میں اس اجنبی کو للکارا۔

''مجھے تمہیں جاننے میں کوئی دلچسپی نہیں۔ راستے سے ہٹ جاؤ۔ مجھے حویلی جانا ہے۔'' اس نوجوان نے بھی بد لحاظی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ شافع الدین اس کی بات پر چونک سے گئے۔

''کون ہو تم...؟ تم حویلی جانے کیلئے کیوں بے قرار ہو؟'' شافع الدین نے درشتی سے سوال کیا۔ سرمئی آسمان میں بادلوں کی اوٹ میں چھپے چاند ایکدم سے ابھرا تھا۔ رات کی سیاہی معدوم ہو کر چاندنی سے جگمگانے لگی۔ وہ نوجوان اب ان کے روبرو آن کھڑا ہوا۔ اس کا چہرہ شافع الدین کی نظروں کو بری طرح چونکا گیا۔

''ملک شاہ ویز... تم!! وہ نفرت آمیز لہجے میں چلاتے ہوئے اس پر جھپٹ پڑے۔

''غلیظ انسان تم نے میری بیٹی پر اپنی گندی نگاہ ڈالی بھی کیسے؟'' وہ جارحانہ انداز میں اس پر مکے برساتے ہوئے بولے۔

''شیطان کی نسل.... بتا میری بیٹی کہاں ہے؟'' شافع الدین نے ملک شاہ ویز کو ہاتھوں اور پیروں سے زدوکوب کرتے ہوئے چیخ کر پوچھا۔

''میں نہیں جانتا کہ تمہاری بیٹی کہاں ہے۔ باپ تم ہو، تمہیں خبر ہونا چاہئے اپنی بیٹی کی۔ مجھے نہیں!!'' ملک شاہ ویز نے بھی انہیں بپھرے ہوئے انداز میں دھکا دیتے ہوئے کہا۔

''ذلیل، کمینے انسان! تم نے میری بیٹی کو دن دھاڑے اغواء کیا۔ میرے بھتیجے کے ساتھ مار

پیٹ کی۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"
دھکا لگنے کے باعث شافع الدین چند قدم ڈگمگاتے ہوئے پیچھے ہوئے۔مگر پھر مشتعل ہو کر چلائے۔
"شکر کرو تمہارے بھتیجے کو میں نے جان سے نہیں مارا، اور تمہاری بیٹی... ہاں اسے اغواء کرنے کا میرا ارادہ نہیں تھا۔مگر اس کا حسن دیکھ کر مجھ سے رہا نہیں گیا اور..." ملک شاہ ویز، کمینگی سے بھرپور ہنسی ہنستے ہوئے بولا۔ اس کی بات کا ادھورا پن، اس کی معنی خیزی شافع الدین کو بری طرح جلا گئی۔
"ملک شاہ ویز تم جیسا بدمعاش میں نے آج تک نہیں دیکھا۔مزید ایک لفظ بھی میری بیٹی کے بارے میں اپنے منہ سے باہر نکالا تو میں تمہاری سانسیں چھین لوں گا۔" شافع الدین نے اپنی جیب سے ریوالور نکال کر، ملک شاہ ویز پر تانتے ہوئے کہا۔
"تمہیں کیا لگتا ہے شافع الدین۔ مجھ جیسا بدمعاش کیا خالی ہاتھ خالی جیب گھر سے باہر نکلتا ہے؟ تم سے پہلے میں تمہاری سانسیں تم سے چھین لوں گا۔" ملک شاہ ویز نے بھی نفرت سے انہیں دیکھتے ہوئے اپنی جیب سے پستول نکال لی۔ وہ دونوں گہری سانسیں لیتے ہوئے ایک دوسرے کو خونخوار نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

☆☆☆

اپنا خاکہ لگتا ہوں
ایک تماشہ لگتا ہوں
آئینوں کو زنگ لگا
اب میں کیسا لگتا ہوں
اب میں کوئی شخص نہیں
اس کا سایہ لگتا ہوں
سارے رشتے تشنہ ہیں
کیا میں دریا لگتا ہوں
خود کو میں سب آنکھوں میں
دھندلا دھندلا لگتا ہوں
میں ہر لمحہ اس گھر سے
جانے والا لگتا ہوں
کیا ہوئے سب لوگ کہ میں
سونا سونا لگتا ہوں
مصلحت اس میں کیا میری
ٹوٹا پھوٹا لگتا ہوں
کیا تم کو اس حال میں بھی
میں دنیا کا لگتا ہوں
کب کا روگی ہوں ویسے
شہر مسیحا لگتا ہوں
میرا تالو تر کر دو
سچ مچ پیاسا لگتا ہوں
مجھ سے کما لو کچھ پیسے
زندہ مردہ لگتا ہوں
میں نے سہے ہیں مکر اپنے
اب بیچارہ لگتا ہوں!

سفینہ کا جسم ان کی سسکیوں کے باعث ہولے ہولے لرز رہا تھا۔اب تو ان کی آنکھوں سے اشک بھی سوکھ چکے تھے۔ ہاں نگاہیں ابھی بھی دروازے پر ٹکی تھیں۔ان کے جسم کا رواں رواں انتظار کی آگ میں جھلس رہا تھا۔تب ہی گیٹ پر ہارن کی آواز سنائی دی۔ سفینہ بے قراری اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔دروازے پر موجود ملازم عجلت کے عالم میں دروازے کھولنے لگے۔ دروازہ کھلتے ہی گاڑی زن سے اندر داخل ہوئی۔سفینہ عالم بے ساختگی میں گاڑی کی جانب بڑھیں۔مگر پھر ڈرائیور کو نکلتا دیکھ کر ان کے قدم ٹھٹھک کر رک گئے۔ڈرائیور نے پچھلی نشست کا دروازہ کھولا اور انیسہ گاڑی سے باہر نکل آئیں۔

انیسہ کو دیکھ کر سفینہ کی امیدوں پر پانی پڑ گیا۔ وہ مایوسی کے عالم میں واپس پلٹنے لگیں۔ تب ہی انیسہ کی نظریں ان کے نڈھال وجود پر جا ٹھہریں۔

''تم ابھی تک دروازے پر پڑی اپنی بیٹی کی راہ دیکھ رہی ہو سفینہ؟'' وہ آگے بڑھتے ہوئے طنزیہ انداز میں سفینہ سے مخاطب ہوئیں۔ سفینہ نے انہیں پلٹ کر دیکھا۔ خشک آنکھوں میں پھر سے جان بھر گئی تھی۔ لبالب اشک بھر آئے۔

''تمہاری بیٹی اب لوٹنے والی نہیں۔ اس کی راہ کو تکنا چھوڑ دو۔ رات سر پر آ ٹھہری۔ اس نے لوٹنا ہوتا تو اب تلک لوٹ نہ آتی؟'' وہ دل جلانے والی مسکراہٹ لبوں پر سجائے ان کے احساسات سے کھیلتے ہوئے کہنے لگیں۔

''وہ اپنی مرضی سے نہیں گئی بھابھی، جو اپنی مرضی سے آ جائے گی۔ اسے تو اغواء کیا گیا ہے۔ کسی کی دشمنی کا بدلہ میری بچی سے نکالا گیا ہے۔ اور ستم یہ کہ اس ظلم کا کسی کو احساس بھی نہیں۔'' اپنی ذات کی بات ہوتی تو سفینہ یہ طعنہ بھی سہہ جاتی مگر اب معاملہ جان سے پیاری بیٹی کا تھا۔ سو ہمت کر کے انیسہ کو آئینہ دکھا ہی دیا۔

''میرے بیٹے کی اس مردود لڑکے سے کوئی دشمنی نہیں تھی سفینہ۔ ضرور یہ تمہاری بیٹی کا ہی کوئی چکر ہے۔ یقیناً وہ کالج کے بہانے اس لڑکے سے میل جول رکھتی ہوگی۔ نہ جانے کیا معاملہ تھا ان دنوں میں جو وہ یوں اسے اٹھا لے گیا۔ تمہاری بدکردار بیٹی کے چکر میں میرے بیٹے کی جان پر بن آئی۔'' انیسہ سے سفینہ کی یہ جرأت برداشت نہیں ہوئی تو شمع کی کردار کشی پر اتر آئیں۔

''یہ جھوٹ ہے، بہتان ہے میری بیٹی پر۔ میری شمع کا کردار آئینے کی طرح شفاف ہے۔ بال برابر بھی نشان نہیں۔ یہ معاملہ آپ کے بیٹے حذیفہ کا ہے۔ آپ اس سے پوچھیں کہ حقیقت کیا ہے؟'' سفینہ زندگی میں پہلی بار ڈٹ کر کسی کا مقابلہ کر رہی تھیں۔ وہ باحیثیت بیوی تو بہت کمزور تھیں۔ مگر باحیثیت ماں ان میں جرأت ابھی موجود تھی۔

''میں اس سے پوچھ چکی ہوں۔ حذیفہ صاف طور پر کہہ چکا ہے کہ اس کی ملک شاہ ویز سے کوئی دشمنی نہیں۔ یہ بات تو واضح ہو چکی ہے کہ شاہ ویز نے اس پر حملہ شمع سے تعلقات ہونے کی وجہ سے کیا ہے۔ اور تم بھی اب کان کھول کر سن لو کہ میں اپنے بیٹے سے تمہاری بدکردار بیٹی کا رشتہ صبح ہوتے ہی ختم کرنے والی ہوں۔ میں اور میرا بیٹا کسی صورت بھی ایک ایسی لڑکی کے ساتھ رشتہ نہیں بنا سکتے جو رات کسی اور کے ساتھ گزار چکی ہو۔ بس انتظار مجھے آج کی رات گزرنے کا ہے۔ کل کا سورج تمہارے اور تمہاری بیٹی کی قسمت کے لئے کوئلے جیسی سیاہی ساتھ لے کر آئے گا۔'' انیسہ انتہائی سفاکی سے سفینہ کو اپنا فیصلہ سنا کر چلی گئیں۔ ان لفظوں میں ایسا جان لیوا زہر چھپا تھا کہ سفینہ کو لگا کہ ان کا دل دھڑکنا بند ہو جائے گا۔ وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھے زور زور سے سانسیں لینے لگیں۔ عین اسی پل دروازے پر گاڑی کے ہارن کی آواز ایک بار پھر گونجی۔ سفینہ کی پیشانی عرق آلود ہونے لگی۔ دروازہ آناً فاناً کھولا گیا۔ آفاق الدین کی گاڑی اندر داخل ہوئی۔ سفینہ کی آنکھیں دھندلانے لگیں۔ گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی روشنی کے باعث ان کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ سینے کے بائیں جانب درد کی ایک تیز لہر اٹھی۔ وہ سینے پر ایک ہاتھ دھرے دوسرا ہاتھ گاڑی کی جانب بڑھاتے ہوئے زمین بوس ہوئیں۔

''امی...!'' گاڑی میں بیٹھی شمع نے سفینہ کو اپنے سامنے یوں گرتے ہوئے دیکھا تو چیخ مارتے ہوئے باہر نکل آئی۔

''امی... امی اٹھیں۔ دیکھیں میں آگئی آپ کے پاس۔ دیکھیں میں لوٹ آئی۔'' شمع چیختے ہوئے ان کے پاس پہنچ کر انہیں اٹھانے کی کوشش کرنے لگیں۔ آفاق الدین بھی عجلت کے عالم میں گاڑی سے اترے اور ان دونوں ماں بیٹی کے پاس پہنچے۔

''سفینہ اٹھو۔ دیکھو میں نے تم سے کیا وعدہ پورا کر ڈالا ہے۔ میں شمع کو حویلی لے آیا ہوں۔ اٹھو سفینہ آنکھیں کھولو۔ دیکھو تمہاری شمع تمہارے پاس ہے۔'' آفاق الدین بھی شمع کے ساتھ مل کر سفینہ کو جگانے کی کوشش کرنے لگے۔ مگر سفینہ بے سدھ شمع کی آغوش میں پڑی رہیں۔

''شمع بیٹی اپنی ماں کی سانسیں چیک کرو۔'' آفاق الدین نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔ شمع جلدی سے ان کی کلائی تھام کر نبض چیک کرنے لگی۔

''تایا بابا، امی کی سانسوں کی رفتار بہت مدھم ہے۔'' وہ روہانسی ہوتے ہوئے بولی۔

''بیٹا تم انہیں سہارا دے کر اٹھاؤ۔ ہمیں انہیں فوراً ہسپتال لے کر جانا ہوگا۔'' آفاق الدین نے اتنا کہہ کر مرکزی گیٹ پر موجود ملازم کو گیٹ کھولنے کا اشارہ کیا، اور فرنٹ سیٹ سنبھال کر گاڑی اسٹارٹ کرنے لگے۔ اس دوران شمع ملازماؤں کے ساتھ مل کر سفینہ کو سہارا دے کر گاڑی تک لے آئی۔

''دادی کو خبر دو کہ امی کی طبیعت بگڑ گئی ہے۔ ہم لوگ انہیں ہسپتال لے کر جا رہے ہیں۔'' شمع نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے ایک ملازمہ کو ہدایت دیتے ہوئے کہا۔ اس کی بات مکمل ہوتے ہی آفاق الدین نے گاڑی اسٹارٹ کر ڈالی۔

''امی... امی پلیز ہوش میں آئیں۔ میرے لئے پلیز امی!!'' شمع ان کا ہاتھ تھامے روتے ہوئے فریاد کر رہی تھی۔ آفاق الدین نے بیک ویو مرر پر ایک نظر ڈالی۔ سفینہ کا سفید پڑتا چہرہ انہیں مزید پریشان کر گیا۔ انہوں نے گاڑی کی رفتار مزید بڑھا دی۔

☆☆☆

''بڑی بیگم صاحبہ!'' صفیہ نے دروازے پر دھیرے سے دستک دی اور کمرے کے اندر داخل ہو کر ہولے سے پکارا۔

''کیا ہوا صفیہ؟ اتنی رات کو کیوں آئی ہو؟'' نجم النساء نے پریشانی سے دریافت کیا۔ آفاق اور شافع الدین کی فکر کی وجہ سے ان کے سر میں درد ہو گیا تھا۔ وہ کچھ دیر قبل ہی دوائی لے کر بستر پر لیٹی تھیں۔ اور اب صفیہ کی آمد نے انہیں پریشان کر ڈالا تھا۔

''بڑی بیگم صاحبہ، سفینہ بی بی کی حالت بہت خراب ہو گئی تھی۔ انہیں بڑے صاحب اور شمع بی بی ہسپتال لے کر گئے ہیں۔'' صفیہ انہیں شمع کی ہدایت کے مطابق بتانے لگی۔

''ایں... ایں...! یہ کیا کہہ رہی ہو صفیہ؟ آفاق اور شمع!'' نجم النساء سخت تحیر کے عالم میں بستر سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''جی بڑی بیگم صاحبہ! بڑے صاحب، شمع بی بی کو لے کر حویلی پہنچے تھے۔ تب ہی سفینہ بی بی کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی۔'' صفیہ نے انہیں ساری بات بتائی تو وہ پریشانی کے عالم میں کمرے میں ٹہلنے لگیں۔

''اور یہ سفینہ کی طبیعت اچانک کیسے خراب ہو گئی، وہ تو اچھی بھلی تھی؟'' انہیں اچانک خیال آیا تو پوچھنے لگیں۔

''وہ جی انیسہ بی بی نے سفینہ بی بی اور شمع بی بی کے بارے میں بڑی غلط باتیں کی تھیں۔'' صفیہ نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''کیسی غلط باتیں...؟؟'' نجم النساء کا ماتھا ٹھنکا۔

''انیسہ بی بی نے، سفینہ بی بی کے سامنے شمع بی بی کو بدکردار کہا، ان سے کہا کہ شمع بی بی کے ملک شاہ ویز سے ناجائز تعلقات تھے۔ اور یہ بھی کہا کہ وہ کل صبح حذیفہ صاحب اور شمع بی بی کا رشتہ ختم کر ڈالیں گی۔ اور پورے فیض پور میں شمع بی بی کو بدنام کروادیں گی۔ سفینہ بی بی یہ ساری باتیں سہہ نہیں پائیں اور گر کر بے ہوش ہو گئیں۔'' صفیہ نے من وعن سارا قصہ کہہ سنایا۔ اس سے اس گھر کا کوئی معاملہ مخفی نہیں ہوتا تھا۔ وہ اتنی پرانی ملازمہ تھی کہ اس گھر کے وہ راز بھی جانتی تھی جس سے شاید اس گھر کے دوسرے افراد ناواقف تھے۔

''انیسہ بی بی کو میرے کمرے میں بھیجو۔'' انہوں نے کرختگی سے حکم دیا۔ سفینہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔

☆☆☆

شام نے جب پلکوں پہ آتش دان لیا
کچھ یادوں نے چٹکی میں لوبان لیا
دروازوں نے اپنی آنکھیں نم کرلیں
دیواروں نے اپنا سینہ تان لیا
پیاس تو اپنی سات سمندر جیسی تھی
لیکن ہم نے بارش کا احسان لیا
میں نے تلووں سے باندھی تھی چھاؤں مگر
شاید مجھ کو سورج نے پہچان لیا
کتنے سکھ سے دھرتی اوڑھ کر سوئے ہیں
ہم نے اپنی ماں کی کہنا مان لیا!!

''میں نے آج تمہاری امانت تمہیں حفاظت سونپ دی سفینہ۔'' ملک جمیل واپسی کے سفر پر گامزن تھے۔ مگر ان کی سوچوں کی راہیں دزحویلی میں مقیم تھیں۔

''مگر تمہارا حال جان کر میرے دل پر بوجھ آن ٹھہرا ہے سفینہ!'' ان کی آنکھیں یکدم ڈبڈبا گئیں۔

''آج تم میری زندگی کی ہم سفر ہوتیں، اگر میری ماں ان حویلی والوں کے خوف سے تمہیں چھوڑنے کا وعدہ نہ لیتیں مجھ سے۔'' بیتا وقت ان کے ذہن کے پردے پر کسی فلم کی مانند چل رہا تھا کہ ساکت فضاء یکدم گولی چلنے کی آواز سے یکدم گونج اٹھی۔

باقی اگلے ماہ

# قرینہ محبت

حنا بشریٰ



''میں تم سے شادی کے لئے تیار ہوں۔''
سمندر کی دیوانی، بے خود و بپھری لہروں نے اپنا آپ پوری شدتوں کے ساتھ سرمئی بھورے رنگ کی بلند و بالا چٹانوں کے ساتھ ٹکرا دیا، اس شدت میں جنون تھا، دیوانگی تھی اور بے کلی بھی۔
''سچ مچ؟'' موجوں کی دیوانگی کا ساتھ شوریدہ ہواؤں نے دیا تو ایسا شور بلند ہوا کہ لمحہ بھر کے لئے سماعتوں کے بیکار ہونے کا گمان ہونے لگا، اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ جو فیصلہ سنایا جا رہا تھا وہ سچ پر مبنی ہے یا از راہ مذاق، وہ تصدیق چاہتا تھا اس فیصلے کے صادق ہونے کی، وہ آنکھوں میں بے یقینی سموئے اپنے روبرو کھڑا اس وجود کو تحیر سے تک رہا تھا، وہ وجود جو سمندر جیسی لہروں جیسا اجلا دودھیا لباس پہنے ہوئے تھا اور چہرے پر صدیوں کا سکون تھا، ریشمی سفید آنچل شانوں سے اس مضبوطی سے لپٹا تھا کہ جیسے خوف ہو کہ پاگل ہوائیں اسے بھی اپنے ساتھ نہ اڑا لے جائیں، سیاہ کالی زلفیں کیچر کی مضبوط گرفت میں ہونے کے باوجود ہوا کی چھیڑ چھاڑ سے بکھر کر کبھی گالوں پہ تو کبھی شانوں پہ آ گرتی تھیں، کشادہ غزالی و غلافی آنکھیں جن میں کاجل کی گہری لکیریں تھیں، اس کا چہرہ اس سے میک اپ سے عاری مگر پھر بھی بے حد ملیح و خوبصورت دکھائی دے رہا تھا۔
''ہاں۔'' یک لفظی جواب نہایت سنجیدگی سے دیا تھا، اس کی آنکھیں سمندر کی لہروں پہ جمی تھیں، اس دوران اس نے ایک سرسری نگاہ بھی مقابل پر ڈالنے کی زحمت نہ کی تھی، جبکہ مقابل کا یہ حال تھا کہ اک نگاہ اس کے چہرے سے ہٹا کر سمندر کی موجود کو سرمئی چٹانوں کو، ساحل کی گیلی ریت کو دیکھنے کی زحمت نہ کی تھی۔
اس کے لئے نہ تو یہ مناظر توجہ طلب تھے اور

## مکمل ناول



نہ اسے ان میں کوئی دلچسپی محسوس ہو رہی تھی، اس کی توجہ کا مرکز صرف اور صرف وہ وجود تھا جو اس کے روبرو تھا، یا پھر اس کا وہ فیصلہ جو ابھی چند ساعتوں پہلے سنایا گیا تھا۔

''آپ...... آپ مذاق تو نہیں کر رہیں؟''

وہ مزید تصدیق کا طلبگار تھا۔

اس کی حالت اس لمحے اس بچے کی تھی جو اپنے پسندیدہ کھلونے، پسندیدہ سویٹ کے پاس کھڑا ہو، بس اجازت ملنے کی دیر ہو اور وہ اس کو اپنے قبضے میں لے لے، ملکیت کے پورے استحقاق کے ساتھ۔

''میں کیوں کرنے لگی مذاق اور وہ بھی اس معاملے میں۔'' بمشکل نظریں سمندر کی نیلاہٹوں اور سفیدیوں سے ہٹاتے ہوئے اب وہ اس کی طرف دیکھنے لگی تھی، اس کی کشادہ روشن آنکھوں میں ہلکی سی مسکراہٹ تھی، کوئی سمجھے تو اسے پھیکی مسکراہٹ خوشی سے پرے کی لگے، بے جان سی مسکراہٹ۔

''کیا؟'' وہ چلا اٹھا۔

جوش سے

دیوانگی سے

خوشی سے

اسے لگا کہ اس کے جوش کو سمندر کی لہروں نے بھی سنا ہے، اسے لگا کہ اس کی دیوانگی ہواؤں کو بھی محسوس ہوئی ہے، یوں جیسے اس کی خوشی میں نیلا گگن بھی جھوم اٹھا ہو۔

جبھی تو ہوائیں لہروں سے جا ملیں تو ایک عظیم شور برپا کر ڈالا اور آسمان نے اسی خوشی میں اپنی تمام نیلاہٹیں سمندر میں انڈیل دی تو تاحد نگاہ نیلاہٹ ہی نیلاہٹ پھیل گئی، یوں جیسے سمندر پہ کسی شوخ حسینہ کا نیلا آنچل آ گرا ہو۔

دل تو چاہ رہا تھا کہ پوری طاقت کے ساتھ چلائے، خوشی سے نعرے لگائے یا پھر قہقہے لگائے، دیوانوں کی طرح اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیاں اپنے بالوں میں چلائیں تو وہ مزید بکھر گئے، آج تو جی چاہ رہا تھا کہ یہ بکھرے بال کوئی سنوارے، کوئی اس کے ساتھ قہقہے لگائے، اس کی دیوانگی کا کوئی بھرپور ساتھ دے۔

''اور وہ کوئی، کون ہو؟'' ایکدم سے وہ پورا گھوم گیا خوشی کے مارے اور جب رکا تو اس کے بالکل روبرو تھا، اس کی پشت پہ سمندر تھا، جواب کسی حد تک پرسکون تھا، وہ آنکھوں میں جوش بھرے اس کی آنکھوں میں محویت سے دیکھنے لگا تو سامنے کھڑا وجود بلاوجہ بلا مقصد اِدھر اُدھر دیکھنے لگا، اس کی آنکھوں کی مدھم مسکراہٹ بھی اب دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

''آپ خوش نہیں ہیں؟ کیا یہ فیصلہ مجبوراً کر رہی ہیں؟'' اسے بے جان سی آنکھیں واہموں میں مبتلا کرنے لگیں تو وہ ایکدم سنجیدہ سا ہو گیا، عقب میں نیلا سمندر بھی خاموش تھا، لہریں بھی ساکت، نیلا گگن بھی خاموشیوں کی زد میں تھا، اسے یہ خاموشی یہ سناٹا، یہ سکوت عام سا نہیں لگا تھا، دل کی دھڑکنوں نے اپنی لے بدل لی تھی، دھڑک تو اب بھی رہا تھا، مگر خوف و اندیشوں کی زد میں۔

''نہیں عابس، ایسا کچھ نہیں۔'' اس نے دوبارہ سے اپنی بے جان آنکھوں کو مسکرانے کا حکم دیا تھا۔

''پھر یہ اداسی کیوں؟''

''یہ گہری خاموشی کیوں؟''

''یہ چہرہ اتنا سنجیدہ کیوں؟''

عابس کو لگا اگر ان باتوں کا جواب نہ ملا تو اس کا دم نکل جائے گا، اس کی روح قفس عنصری سے الگ ہو جائے گی اور اس کا بے جان وجود

ان لہروں، ان موجود کا رزق بن جائے گا۔
''میری ایک شرط ہے عابس؟'' ان دونوں کے اطراف میں بکھری مجسم خاموشی کو صندلین کے ان الفاظ نے چیر کر رکھ دیا تو پھر سے فضاء میں اضطراب بکھر گیا۔
''کیسی شرط؟'' عجیب صورتحال تھی، خوشی بھی یوں ملی تھی کہ جیسے بستر مرگ پر پڑے شخص کو زندگی کی نوید ملے اور پھر چھین لی جائے، اس کا دل مایوسی کے عالم میں بند ہونے کے قریب ہوا تھا۔
''ہماری شادی ہوگی مگر۔'' اس مگر نے تو جیسے عابس کی روح کھینچ لی تھی، آنکھیں روح کو بدن سے جدا ہوتے دیکھ رہی تھیں، آسمان کی طرف جاتے ہوئے۔
''ایک سال بعد۔'' عجیب (پہیلی) تھی جو صندلین نے اس کے سامنے رکھ دی تھی۔
''لیکن کیوں؟'' وہ اس بار شدت کے ساتھ چلا اٹھا تھا، اس بار چلانے میں غصہ تھا، احتجاج تھا اور کسی حد تک برہمی بھی، اسے خوشی کے ساتھ یہ پہیلی سخت زہر لگی تھی اور دل کو ناگوار بھی، اس کا جوش سے سرخ ہوتا چہرہ ایکدم مرجھا سا گیا تھا، دائیں ہاتھ کی کلائی پہ بندھی سفید اجلی پٹی کے نیچے زخم بھی ابھی تک مندمل نہیں ہوا تھا وہ پھر سے دکھنے لگا تھا، اس میں پھر سے ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں، اس میں درد پھر سے چلانے لگا تھا۔
اس کی آنکھوں کے دیے یکلخت بجھ سے گئے تھے، اس کا تو دل چاہ رہا تھا کہ کل ہی ان کا نکاح ہو جائے اور وہ دونوں ہمیشہ کے لئے ایک ہو جائیں۔
''ایک سال، پورا ایک سال۔'' وہ بری طرح سے جھنجھلایا تو صندلین کے خوبصورت چہرے پر ہلکا سا تبسم رقص کرنے لگا تھا، یوں جیسے وہ عابس کی بیقراریوں کا مزے لے رہی ہو، یوں جیسے اس کی بے چنیاں تسکین دے رہی ہوں۔
''پوچھ سکتا ہوں کہ ایک سال کی سزا کیوں دی جا رہی ہے؟'' عابس کو ایک پل کے لئے لگا جیسے صندلین نے سخت گیر ٹیچر کا روپ دھار لیا ہو، ہوم ورک نے کرنے پر، سبق یاد نہ کرنے پر، یا پھر کسی غلط رویے پہ پورے ایک سال کی سزا سنائی جا رہی ہو۔
''ہاں پوچھ سکتے ہو، تمہاری زندگی ہے اور فیصلہ بھی تمہارے بارے میں ہو رہا ہے۔'' گلابی رخساروں میں پڑتے ڈمپل نہایت حسین لگتے تھے، ہوا نے زلفوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی تو وہ بے خود ہوکر نرمی سے رخساروں کا بوسہ لینے لگیں۔
''کیونکہ میں ایک سال کو بھرپور انجوائے کرنا چاہتی ہوں۔'' صندلین کی اس شرط کے پیچھے یہی سوچ تھی کہ منگنی ہو جائے تو وہ دونوں اس عرصے کو انجوائے کریں ایک دوسرے کے ساتھ وقت گزاریں اور ایک دوسرے کو سمجھ سکیں، ہر موسم کے ہر رنگ کو بہت قریب سے دیکھیں، ایک دوسرے کی عادات سے واقف ہوں، پھر چاہے جب بھی عابس کہے، وہ دھوم دھام سے شادی کرلیں یا پھر چٹ پٹ نکاح۔
''مجھے آپ کی یہ شرط منظور نہیں۔'' اس نے غصے سے منہ پھلاتے ہوئے اب اپنا رخ سمندر کی طرف کرلیا، جہاں بل کھاتی موجیں نیل گگن کی نیلاہٹوں سے لپٹی ہوئی تھیں، ہوا تھمی ہوئی تھی، سرمئی چٹانوں پہ سورج کی کرنوں کے پڑنے سے نہایت جادوئی سا منظر لگنے لگا تھا۔
''تو پھر ٹھیک ہے مجھے تم سے شادی ہی نہیں کرنی۔'' صندلین کی حیثیت اس وقت ایک ساحرہ کی تھی جس نے اپنے طلسم سے عابس کے

دل پر قبضہ کر رکھا تھا، جس کی روح پر اس کا تسلط تھا اور دماغ بھی تسخیر کر رکھا تھا، وہ چاہتی تو اپنی مرضی سے سب الٹ پلٹ کر سکتی تھی، بس طلسم پھونکنے کی دیر ہوتی تھی۔

''یہ کیا بات ہوئی؟'' وہ یوں تڑپا تھا، جیسے کسی نے زور آور طلسم کی مار ماری ہو۔

''یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔'' چہرے پہ فاتحانہ سا تبسم سجائے، لاپروائی اور بے نیازی کی ردا اس نے اوڑھی اور جانے کے لئے قدم اٹھائے ہی تھے کہ عابس بھاگ کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

سمندر کی لہریں پھر سے پاگل ہونے لگیں، ہوا نے بھی ساتھ دیا تو لہروں کا جنون انتہاؤں کو چھونے لگا، کہ ایک بار پھر سے اپنا آپ چٹانوں پہ پٹخ ڈالا، شدت کا طوفان برپا کیا کہ شور کی آواز مشرق و مغرب میں پہنچ گئی۔

''مجھے آپ کا فیصلہ منظور ہے۔'' آنکھوں میں خوف بھرے وہ صندلین کو دیکھنے لگا تھا، اسے سب کچھ گوارا تھا مگر صندلین سے دوری نہیں، اسے اس کی ہر شرط منظور تھی، دل و جان سے قبول تھی، صندلین کا ساتھ ہی اب اس کی زندگی کی ضمانت تھا، اس کے ہاتھ کی دائیں کلائی پہ بندھی پٹی کے نیچے رگوں میں عجیب سی بے چینی بڑھنے لگی تھی، درد میں اضافہ ہونے لگا تھا، رگوں میں خون کی گردش جیسے سست پڑنے لگی تھی۔

''ہاں صندلین ہی تو تھی اس کی زندگی کی ضمانت۔'' سمندر کی بے کل موجیں بھی چلائی تھیں۔

☆☆☆

صندلین کے انتہائی قدم نے ہر طرف اعتراضات کا طوفان کھڑا کر دیا تھا۔

''صندلین کی شادی عابس کے ساتھ؟''

جس بھی سماعت کو یہ خبر پہنچی حیرتوں کی انتہا ہوئی، کسی کے چہرے کے زاویے بگڑے تو کسی نے غلط سلط اندازوں، قصے کہانیوں کا انبار لگا دیا، کوئی ہنسا تو کسی نے تنقید کی حدیں توڑ ڈالیں، پورے خاندان کو، دوست واحباب کو صندلین جیسی سلجھی ہوئی لڑکی سے اس قسم کے احمقانہ فیصلے کی امید ہرگز نہیں تھی، صندلین خود بھی جانتی تھی کہ یہ فیصلہ اس کی ذات پر بہت سے اعتراضات کو جنم دے گا، مگر اسے ان اعتراضات کی کوئی پرواہ نہیں تھی کیونکہ اس فیصلے میں اسے اپنے والدین کی مکمل حمایت حاصل تھی، لوگوں کی باتیں اسے کبھی الجھن کا شکار کرتیں تو یہ دوستوں اس کے دائیں بائیں مضبوطی سے جم کر کھڑے رہتے، اگر وہ لڑکھڑائے تو ان کو تھام لے، بس ان دونوں کی حمایت نے اس کے قدموں کو مضبوطی سے جما رکھا تھا کہ لڑکھڑانے کی نوعیت نہ آئی تھی، مگر ارسل چپ نہ رہ سکا۔

''صندلین تم بہت غلط کرنے جا رہی ہو۔''

''میرا نہیں خیال۔''

''دیکھو اگر یہ صرف ایک ایڈونچر ہے تو تم میرے ساتھ زیادتی کر رہی ہو۔''

''نہیں ارسل ایڈونچر نہیں، تجربہ۔''

''ہمیں کیا مصیبت کہ ہم اس بھونڈے تجربے کے لئے اپنی زندگیاں ڈسٹرب کریں؟''

''اور تم کیوں نہیں مجھ پر بھروسہ کرتے کہ زندگی ڈسٹرب نہیں ہو گی بلکہ سنور جائے گی۔''

صندلین کے دلائل اگرچہ مضبوط تھے مگر پھر بھی وہ ارسل کو قائل نہ کر پائی، وہ اسے نہیں سمجھا پائی کہ وہ نہ ہی بچگانہ فیصلہ کر رہی ہے اور نہ ہی کسی حماقت اور نادانی کا خود پہ دروازہ کھول رہی ہے، وہ ابھی پوری دنیا کو غلط ضرور نظر آ رہی ہے، مگر ایک وقت آئے گا جب اس کے عمل کو سراہا جائے گا اور کہا

جائے گا کہ تم غلط نہیں تھی تمہارا فیصلہ درست تھا جس کا نتیجہ بھی سو فیصد ہوگا، بہت بحث و مباحثے ہوئے، طویل کالز، لاتعداد میسجز کے ساتھ ارسل اور صندلین کے درمیان اس فیصلے کے متلق گفت وشنید ہوئی مگر وہ دونوں ہی ایک دوسرے کو قائل کرنے میں ناکام رہے۔

☆☆☆

برقی قمقموں سے سجا ہال روشنیوں کا حسین شہر بنا ہوا تھا، پھولوں کی سجاوٹ نے اس شہر کے حسن کو چار چاند لگا دیئے تھے، عابس کی ضد پہ منگنی کا فنکشن بہت دھوم دھام سے کیا گیا تھا، شاید وہ اپنے سارے دلی ارمان پورے کرنا چاہتا تھا۔

کیونکہ اس کے بعد اسے پورے سال تک انتظار کرنا تھا، وہ بھی صبر کے ساتھ، یہی شرط دونوں کے درمیان طے پائی تھی۔

عابس کے سب فرینڈز اس میں شریک ہوئے تھے، کچھ تو خوش تھے اور کچھ حیران تھے۔

''یار سچ کہہ رہا ہے نا تیری منگنی ٹیچر صندلین کے ساتھ ہونے جا رہی ہے؟'' ابھی بھی کئی سماعتیں بے یقینی کا شکار تھیں، شاید یہ بات کسی کو بھی آسانی سے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

''ہاں نا۔'' سیاہ پینٹ کوٹ میں ملبوس عابس کی خوشی دیدنی تھی۔۔

ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا وہ بالوں میں نا جانے کتنی بار برش پھیر چکا تھا اور متعدد بار خود کو کلون میں بھگویا تھا، چہرے کی تمازت اور فاتحانہ مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ وہ منزل پا لینے والے خوش نصیبوں میں تھا، وہ ایسا خوش نصیب تھا جس کے پاس منزل خود چل کر آئی تھی، اس کی دھن، لگن اور جنوں اس قدر طاقت ور تھے کہ اس نے انہیں صندلین جیسی مضبوط چٹان کے ساتھ ٹکرایا تو وہ بھی پاش پاش ہوگئی، وہ اپنی کامیابی پہ اتنا خوش تھا کہ جیسے اس نے کسی بلند و بالا چوٹی یا پھر قلعے کو فتح کر لیا ہو۔

''آپ خوش ہیں؟'' رات کے بارہ بجے تھکی نڈھال سی صندلین نے خود کو بستر کے سپرد کیا ہی تھا کہ عابس کی کال آ گئی، وہ رات کو بہت جلد سونے کی عادی تھی، مگر اسے اندازہ تھا کہ یہ تجربہ اس کی ذات کے لئے بہت سی تبدیلیاں لے کر آئے گا۔

''تم خوش ہو نا؟'' صندلین کی عادت تھی کہ وہ عابس کے سوال کا جواب دینے کی بجائے الٹا سوال کر دیا کرتی تھی، جس پر عابس ہمیشہ چڑ سا جاتا تھا، اسے لگتا تھا کہ جیسے صندلین کے سامنے اس کے سوال کی کوئی اہمیت نہیں، یا پھر اس کا سوال صندلین جیسی باوقار اور سلجھی ہوئی لڑکی کے سامنے انتہائی طفلانہ تھا۔

''خوش...... بہت خوش۔'' خوشی میں عابس نے محسوس ہی نہیں کیا تھا کہ صندلین نے اب کی بار بھی کوئی واضح جواب نہیں دیا، بلکہ الٹا سوال ہی کیا تھا۔

''آپ بہت پیاری لگ رہی تھیں؟'' صندلین نے فون کو کان کے ساتھ لگائے دو تین بار وال کلاک کو دیکھا، عابس کی بات سن کر یوں مسکرائی تھی جیسے کسی چھوٹے بچے نے اس کی خوبصورتی کی تعریف کی ہو۔

''ٹیچر آپ بہت خوبصورت ہیں۔'' وہ کالج میں دن بھر کئی بار یہ الفاظ سنا کرتی تھی، وہ تھی بھی بہت پیاری اور ویل ڈریس، اسٹوڈنٹس تو کیا پورا اسٹاف ہی اس کے حسن صورت اور حسن سیرت کا معترف تھا، وہ جو پہنتی اس پہ جچتا تھا ہر رنگ جیسے اس کے لئے بنا تھا، نرم مزاجی اور خوش اخلاقی نے اسے مزید پرکشش بنا دیا تھا، کوئی خوبصورتی سے متاثر ہوتا تو کوئی حسن اخلاق سے، وہ چمن کا ایسا

خوشبو دار گل تھی کہ ہر تتلی پر بھنورا اسی کے گرد منڈلاتے تھے۔

''اچھا!'' جمائی کو الٹے ہاتھ کی پشت سے روکتے ہوئے صندلین نے کارنر ٹیبل پر پڑا ٹیبل کلاک اٹھا لیا، صبح کے لئے الارم سیٹ کرنا تھا، ویسے تو وہ ہمیشہ سے صبح خیزی کی پابند تھی کہ الارم کے بغیر بھی اٹھ جایا کرتی تھی، مگر اب اندازہ ہونے لگا تھا کہ اس تجربے میں اسے الارم سے بھی مدد لینی پڑے گی، ورنہ رات کو دیر ہو جانے کی صورت میں صبح دیر سے اٹھے گی، وہ صبح کالج سے چھٹی بالکل نہیں کرنا چاہتی تھی، کیونکہ بہت اہم میٹنگ تھی، نفسیات کی ٹیچر صندلین کالج کی سب سے فیورٹ ٹیچر تھی، بہت سی اہم ذمہ داریاں اسے پرنسپل اور وائس پرنسپل نے سونپ رکھی تھیں، اس لئے لفظ چھٹی اس کی ڈکشنری میں نہیں تھا، اس نے منگنی کی وجہ سے مجبوراً ایک دن کی چھٹی لی تھی، کالج میں کسی کو اس اچانک منگنی کی اطلاع نہیں دی تھی، ویسے بھی خاندان بھر میں جتنے اعتراضات اس رشتے کو لے کر اس پر ہو چکے تھے اب کالج میں خبر پھیلا کر خود کو تماشا نہیں بنوانا چاہتی تھی۔

''بھلا یہ کیا جواب ہوا، اچھا'' وہ جو الارم لگانے میں مگن تھا، عابس کے جھنجھلائے پر متوجہ ہوئی، تو اس کی بات سن کر مسکرائی تھی، وہ بہت کم گو تھی، ضرورت کے وقت بھی انتہائی مناسب بات کرنا، مگر اب اس کا واسطہ ایسے شخص سے پڑ گیا تھا جو باتوں کا بے حد شوقین تھا، وضاحتوں کا عادی، دل کی ہر بات کھل کر بیان کرنے والا، ہر جذبے کا اظہار ببانگ دہل کرنے والا، صندلین سے بھی اسی بات کی توقع کرنے والا۔

''تو اور کیا کہوں؟'' صندلین کا لہجہ بھی مسکرایا تھا۔

''اف کیا مصیبت ہے؟'' وہ چاہ رہا تھا کہ صندلین اپنی فیلنگ اس سے شیئر کرے، جذبات کا اظہار کرے، ایسی باتیں کرے جو لڑکیاں اپنے منگیتر سے کرتی ہیں، محبت بھری باتیں، مگر یہاں تو وہی نپا تلا انداز، یعنی صندلین ایسی لڑکی تھی جسے محبت کا قاعدہ شروع سے پڑھانا تھا، اس پر عابس کو کچھ الجھن سی ہوئی تھی۔

''جناب، ایک سال کا وقت مانگا ہی اس لئے ہے کہ کچھ سیکھوں اور سکھاؤں۔'' وہ ذرا شوخ ہوئی تو عابس کا رواں رواں خوشی میں نہا گیا، اس کا ایک ایک لفظ دل کو گدگدانے لگا۔

''ایک بات کہوں؟'' عابس کا دماغ رات کے ایک بجے بھی بالکل ایکٹیو تھا اور نیند نے اس پر یلغار نہ کی تھی وہ نا جانے اور کتنی دیر باتوں کے موڈ میں تھا، جبکہ صندلین کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگیں، تو دماغ بھی تھکنے لگا تھا، آنکھیں بند کر کے بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگا لی تھی۔

''ہاں کہو۔''

''میں...... میرا...... مطلب ہے کہ میں آپ کو صندلین کہہ سکتا ہوں۔'' وہ جھجکا تھا۔

سوال ایسا تھا کہ صندلین کی بوجھل آنکھیں پھر سے کھل گئیں، لبوں پہ بے اختیار مسکراہٹ رینگنے لگی، چند لمحوں کے لئے دونوں طرف خاموشی چھا گئی۔

اتنی خاموشی پر عابس کا تو جیسے دم ہی گھٹنے کے قریب ہونے لگا تھا، دل تو چاہ رہا تھا کہ کہہ دے کہ میرا پورا حق ہے کہ میں، آپ کو...... آپ کہوں، تم کہوں یا پھر فقط صندلین، مگر خود کو بمشکل روکے رکھا۔

''ہاں کہہ لیا کرو۔'' اجازت ملنے کی دیر تھی کہ عابس کا دل یاہو کا نعرہ لگا بیٹھا تھا اور لگے

ہاتھوں ایک دو فرمائشیں بھی صندلین سے کر ڈالیں، جن میں یہ تھیں کہ رات کو دو گھنٹے لازمی بات ہوگی اور ویک اینڈ یا کسی بھی چھٹی والے دن کسی اچھی جگہ پر ایک ساتھ وقت گزاریں، ان فرمائشوں کے ساتھ اس نے فون تو بند کر دیا مگر بہت سی باتیں عابس کے دل میں رہ گئی تھیں جو اس نے اگلی شب کے لئے چھوڑ دی تھیں۔

بدر کھلے سیاہ آسمان پر جاہ وجلال سے چمک رہا تھا، اس کے ہمراہ چاندنی بھی تھی یا صندلین سوچوں کے جنگل میں تنہا بھٹک رہی تھی، رات گہری ہونے لگی تھی ایک تجربے کی خاطر کسی کو سنوارنے کی خاطر خود کو جوکھن میں ڈال لیا تھا، اس کے پاس دو راستے تھے آسان کہ ارسل کے ساتھ سکون سے اپنی زندگی گزارتی، مگر اس نے دوسرے راستے کا انتخاب کیا تھا، جس پر پورے زمانے نے تنقید کی تھی اور ارسل اس مخالفت میں پیش پیش تھا، اس نے ہمیشہ صندلین کو چاہا تھا اور صندلین کی آنکھوں میں اپنا واضح عکس دیکھا تھا پھر یہ عابس کہاں سے آگیا تھا اور اگر صندلین اپنی ضد پر قائم رہی تھی تو اس بے جوڑ رشتے پر ایک دن ضرور پچھتائے گی۔

''اس بیوقوف اور ناسمجھ لڑکے نے اپنی نبض کاٹ کر تمہیں اتنا متاثر کر لیا کہ تم نے اتنا بڑا فیصلہ کر لیا، یہ سوچے بناء کہ زمانہ کس نظر سے دیکھے گا۔'' ارسل اس سے بے حد ناراض تھا۔

بے شک وہ غلط تھی، اس کا طریقہ غلط تھا، پورے زمانے کی نظر میں، پوری دنیا کے سامنے، اس کا فیصلہ سراسر حماقت تھا، اس کی سوچ طفلانہ تھی، خواہ مخواہ خلوص کی معراج کو پانے کی خواہش کر بیٹھی تھی، ایسی کوششیں جس کے بارے میں وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ اس کا انجام منفی ہوگا یا مثبت، مگر پھر بھی اسے اطمینان تھا اس کی نیت صاف تھی، اس کا دل پرخلوص تھا وہ کسی کو سدھارنا چاہتی تھی زندگی کی اونچ نیچ سمجھانا چاہتی تھی، محبت مرنے اور مارنے کے لئے نہیں ہوتی، محبت تو جینا سکھاتی ہے، خوشی سے اور اطمینان سے، دل کے نہاں خانوں میں چھپا اطمینان ہی تو اسے حوصلہ دیتا تھا۔

شاید کسی کی زندگی سنور جائے۔

شاید کوئی مثبت راہوں کا انتخاب کرے۔

شاید اس تجربے کا نتیجہ اسے زمانے کی نظر میں سرخرو کر دے۔

صندلین کے اندر امید، یقین مضبوط ہونے لگا تو دل کے گوشوں میں اندیشے، وہم اور خوف کمزور اور بے جان محسوس ہونے لگے، اندر سکون ہی سکون پھیلنے لگا، گہر سکون، شفاف عمیق سمندر کی گہرائیوں سے بھی زیادہ۔

☆☆☆

موسموں کو ایک دوسرے کے آگے پیچھے بھاگتے دو مہینے گزر گئے، موسم سرما کی سرد شام جب عابس نے رو دھو کر ضد سے صندلین کو اپنا بنایا تھا، کب وہ صندلین کی محبت میں گرفتار ہوا اسے خبر ہی نہ ہوئی، کب اس کی ذات کا اسیر ہوا کے علم ہی نہ ہوا، کب دل کے کینوس پر صندلین کی تصویر بن گئی اسے پتہ ہی نہ چلا، پتہ تو جب چلا جس روز اس نے ارسل اور صندلین کو بہت خوشگوار موڈ میں محو گفتگو پایا، صندلین کے حسین چہرے پر محبت کی قوس قزح چھائی تھی، ان دونوں کو ایک ساتھ دیکھ عابس کا دل دھواں دھواں ہونے لگا۔

وہ جل رہا تھا۔

سلگ رہا تھا۔

سسک رہا تھا۔

مگر کیوں؟ کس لئے؟ پہلی بار وہ خود سے

تنہائی میں سوال پوچھ رہا تھا، چند لمحوں کے لئے اندر سکوت چھایا رہا تھا، کسی کا بھی کوئی سوال نہ ملا، اپنے جذبوں کو وہ کوئی نام نہ دے سکا تھا، کچھ روز کچھ دن یونہی خود سے لڑتے جھگڑتے گزر گئے، خود سے لڑتے لڑتے تھکنے لگا تو اندر اضطراب سا پھیلنے لگا، اضطراب نے انتشار کی صورت اختیار کی، جب انتشار نے لاوے کی شکل اختیار کی تو باہر نکلنے کے در پہ ہوگیا۔

''یار عابس میم صندلین کمال چیز ہیں۔''

اس کا دوست بھی اس کے ساتھ ہی پڑھا کرتا تھا، ایک بار ان الفاظ میں صندلین کی خوبصورتی کی تعریف کی، صندلین کو انسان کی بجائے، چیز کہا تو عابس بے قابو ہوگیا، لاوا پھٹ پڑا اور پہلی بار انکشاف ہوا کہ صندلین کے لئے اس کے جذبات بہت خاص قسم کے ہیں اور ان خاص جذبات کو محبت کہا جاتا ہے۔

وہ کم عمر ضرور تھا مگر محبت کے مفہوم سے آشنا تھا، مگر محبت کے مفہوم سے آشنائی اسے صندلین کی وجہ سے ہوئی تھی۔

وہ فطرتاً بہت جذباتی قسم کا لڑکا تھا، ہر جذبے کا کھل کر اظہار کرنے والا، چاہے غصے یا پھر خوشی کے جذبات ہوں، ان دو مہینوں میں صندلین کو اس کی فطرت سے خوب آگہی حاصل ہوئی تھی، اندازہ تو اسے اسی وقت ہو گیا تھا جب صندلین کو اپنی محبت کا یقین دلانے کے لئے اپنی نبض کاٹ لی تھی، وہ پورا ایک ہفتہ ہاسپٹل میں موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا رہا تھا، آخر سب کی دعائیں رنگ لائیں اور خدا نے اسے نئی زندگی بخشی، تو صندلین کو اس کی محبت کے آگے ہتھیار ڈالنے پڑے۔

''صندلین، آپ نے میرے لاسٹ میسج کا جواب کیوں نہیں دیا۔'' وہ دن رات میں صندلین کو لاتعداد میسجز کرتا اور صندلین ریپلائی بھی کیا کرتی مگر کوئی میسجز اگنور کر دیتی تو عابس کا موڈ آف ہو جاتا۔

☆☆☆

صبح بے حد اجلی اور روشن تھی، چھٹی کا دن تھا، حسب وعدہ صندلین چھٹی کا دن اس کے ساتھ گزارنے کے لئے باہر نکلی، پورے دو مہینے سے دونوں کی یہی روٹین تھی وہ چھٹی کا دن ایک ساتھ گزارتے تھے، وہ باتیں جو فون اور میسجز پر نہ ہو پاتیں تو وہ آمنے سامنے کرلیا کرتے تھے، ان کی ملاقات ہوئی تو عابس نے آخری میسج کا جواب نہ دینے کا شکوہ کر دیا۔

''اوہ سوری عابس، مجھے نیند آگئی تھی۔'' وہ دونوں اس وقت شہر کے مشہور و معروف ریستوران میں موجود تھے، ماحول بے حد پرسکون تھا گو کہ چھٹی کا دن تھا اور ریستوران میں لوگوں کی خاصی تعداد تھی، مگر پھر بھی ماحول پرسکون تھا، گزشتہ ویک اینڈ یہ دونوں کسی پارک میں ملے تھے، سارا دن صندلین نے عابس کے چہرے پر اضطراب اور آنکھوں میں واضح الجھن محسوس کی تھی اور آخر میں اس اضطراب و الجھن کا نتیجہ یہ نکلا کہ عابس نے ایک نیا فیصلہ سنایا۔

''صندلین، آئندہ سے ہم پارک میں نہیں ملا کریں گے۔''

''مگر کیوں؟'' صندلین نے اس کی وضاحت چاہی تھی۔

نا جانے عابس وضاحت نہیں دے پایا تھا اس کا موڈ آف دیکھ کر صندلین نے بھی مزید نہیں کریدا تھا، مگر ضرور وجہ کوئی عام نہ تھی کہ عابس نے یہ فیصلہ کیا تھا۔

''اچھا تو پھر کہاں ملیں گے؟''

''کسی بھی جگہ کہیں بھی، مگر پارک میں

بالکل بھی نہیں۔"
پھر اس کے بعد وہ دونوں پارک میں نہیں ملے تھے، صندلین نے بارہا وجہ پوچھی مگر عابس نے تو جیسے قسم کھا رکھی تھی کہ وجہ کسی صورت نہیں بتانی۔
"یہ کیا بات ہوئی، نیند آ گئی، کیا میرا میسج اتنا غیر اہم تھا آپ کے نزدیک۔" ایک تو ریپلائی نہ ملنے پہ وہ سخت خفا تھا، اب صندلین کا جواب مزید تپا گیا تھا۔
"بھئی سارا دن بات ہوتی تو رہتی ہے، اگر ایک میسج کا جواب نہیں دیا تو ایسا کیا طوفان آ گیا عابس۔" صندلین نرمی سے کہتی عادتاً مسکرائی اور کرسی کے ساتھ ٹیک لگا لی۔
عابس اسے دن بھر یونہی میسجز کرتا رہتا تھا، وہ کالج کی مصروفیت کے باوجود اس کے ہر میسج کا جواب دیتی، اکثر وہ ضروری میٹنگ میں مصروف ہوتی تھی، اکثر لیب میں اسٹوڈنٹس کے ساتھ پریکٹیکلز میں بزی ہوتی، پھر بھی عابس کے میسجز کا ریپلائی لازمی کرتی، وہ جانتی تھی عابس بے حد جذباتی تھا، صندلین کے نظر انداز کر جانے کو اتنی سنجیدگی سے لیتا تھا کہ جان سے گزر جانے کے در پہ ہو جاتا تھا، یہی صندلین نہیں چاہتی تھی۔
"اچھا بتاؤ، اسٹڈیز کیسی جا رہی ہیں۔" صندلین نے اسے کول ڈاؤن کرنے کی غرض سے دانستہ موضوع بدلا تھا، ویسے بھی اتنی معمولی سی بات پہ روٹھنا بے حد بچگانہ رویہ تھا۔
"بھاڑ میں گئی اسٹڈیز۔" وہ نہ صرف چلایا تھا بلکہ سپون بھی پلیٹ میں زور سے پٹخا کہ ارد گرد کے لوگ دونوں کی طرف متوجہ ہو گئے، جیسے بیچ بازار میں مداری اور بندر کا تماشہ دیکھ رہے ہوں، کسی آنکھ میں تمسخر تھا، کسی چہرے پر حیرت کا عکس تھا اور کہیں ناگواری کے بادل چھائے تھے۔
"عابس! یہ کیا رویہ ہے؟" کن اکھیوں سے دیکھتے ہوئے صندلین نے گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہوئے اس نے عابس کو بھی کڑے تیوروں سے گھورا۔
ہر نظر جیسے ان دونوں کا مذاق اڑا رہی تھی، صندلین کا چہرہ شرمندگی سے سرخ ہو گیا۔
"میں یہاں اسٹڈیز کی تفصیل بتانے آیا ہوں؟" عابس ہنوز غصے سے بولا تھا، اسے نہ کسی کی نظر کی پرواہ تھی اور نہ ہی کسی تمسخر کی فکر، وہ تو بس غصے سے آگ بگولہ ہوا جا رہا تھا، اسے نہ تو اپنی آواز پہ کنٹرول رہا تھا کہ اسے پست کرے، وہ تو یوں درشت ہوا جا رہا تھا جیسے اس کے ساتھ کوئی بڑی زیادتی ہو گئی ہو۔
"محترمہ صندلین صاحبہ، میں آپ کا اسٹوڈنٹ نہیں ہوں، آپ کا منگیتر ہوں، جو یوں آپ مجھ سے اسٹڈیز کے بارے میں پوچھ رہی ہیں۔" اب کی بار وہ تھوڑا اور درشت ہوا تو اب نظروں کے ساتھ ساتھ لوگوں کا رخ بھی انہی کی جانب ہو گیا، تو صندلین کی حالت غیر ہونے لگی، اسے عابس سے اس قدر مس بی ہیو کی توقع نہیں تھی، وہ چاہتی تو اس سے زیادہ چلا سکتی تھی، مگر اسے خود پر قابو رکھنا تھا، کیونکہ اگر وہ بھی یوں جذباتی انداز میں بھڑک اٹھتی تو دونوں میں کیا فرق رہ جاتا۔
"منگیتر ہوں آپ کا میں؟" وہ یوں بار بار الفاظ دہرا رہا تھا کہ جیسے صندلین بھول چکی ہو کہ وہ اس کا منگیتر ہے، وہ اس پر رعب ڈالنے کی سعی کر رہا تھا یا میسج کا ریپلائی نہ کرنے پر غصہ نکال رہا تھا، بہر حال جو کچھ بھی تھا یوں پبلک پیلس پر قابل برداشت عمل تھا اور جاہلانہ فعل بھی۔
"عابس، آواز کو دھیما رکھو۔" صندلین ضبط کرتے ہوئے بولی تھی، لوگوں کی نظروں میں

پھیلے سوال اس کے وجود میں برچھیوں کی طرح چبھ رہے تھے، مگر اس چبھن کو سہنا اس کی مجبوری تھی کیونکہ اس راستے کا انتخاب بھی تو خود ہی کیا تھا، اپنی زندگی کو اس انوکھے تجربے کی نذر کیا تھا، کسی کو سنوارنے اور سدھارنے کے لئے، اپنا فیصلہ تھا، نہ وہ کسی کو الزام دے سکتی تھی نہ ہی تقدیر سے شکوہ کرسکتی تھی، نہ ہی اپنے والدین کو قصوروار ٹھہرا سکتی تھی۔ وہ خود ہی تھی اس سب کی ذمے دار، کسی پر انگلی اٹھاتی تو کیونکر؟ آنسو بہاتی تو کس لئے۔

''عابس اگر تم نے مزید کچھ کہا تو میں اٹھ کر۔'' وہ اپنی بات بھی مکمل نہ کرپائی تھی کہ ساحرہ کا اپنا منتر الٹ گیا۔

''آپ یہاں سے کیا جائیں گی، میں خود ہی یہاں سے جارہا ہوں، آج کے بعد مجھ سے رابطہ کرنے کی ضرورت نہیں، مائینڈ اٹ۔'' الفاظ چنگاریاں بنے صندلین کے وجود کو جھلسا گئے۔

وہ غصے سے اسے گھورتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور آگ بگولہ ہوتے ہوئے ریسٹوران سے باہر نکل گیا، اپنے پیچھے بصارتوں کے لئے چٹ پٹا سا موضوع چھوڑ گیا، صندلین ساکت اپنی جگہ بت بنی بیٹھی رہ گئی تھی، لوگوں کی نظروں کا سامنا کرنے کا حوصلہ نہیں تھا، ذلت کا عذاب اسے بہت صبر وضبط کے ساتھ برداشت کرنا تھا۔

صرف ایک تجربے کی خاطر۔

کسی کی اصلاح کی خاطر۔

کسی کی زندگی بچانے کی غرض سے۔

ارسل نے اسے کتنا سمجھایا تھا مگر وہ نامانی تھی، اس راستے کی مشکلات بتائی تھیں، مگر اسے خود پر یقین تھا، اسے امید تھی کہ ابتداء کٹھن ہی سہی مگر اختتام ضرور کامیابیوں بھرا ہوگا، بس یہی حوصلہ اسے قدم جمائے رکھنے کا کہتا تھا۔

☆☆☆

اگلے چند دن یونہی گزر گئے تھے دونوں کے درمیان گہری خاموشی چھائی تھی، صندلین چاہتی تو پہل کرسکتی تھی، مگر یہاں کوئی انا کا کھیل تھوڑی تھا، یہاں ایک دوسرے کو جھکانے کی بات تو نہ تھی، یہاں درمیان میں ضد تھوڑی تھی، مگر پھر بھی اس نے پہل نہیں کی، وہ چاہتی تھی کہ عابس اس سارے معاملے پر غور کرے، سوچے کہ سارے زمانے کے سامنے تماشا بنا کر کیا ملا؟ یوں جاہلانہ انداز میں چلانے کا کیا فائدہ ہوا؟ لوگوں کو کیوں خود پر ہنسنے کا موقع دیا؟ وہ چاہتی تھی کہ عابس خود سے غور کرے، ہر بات کو سمجھے اور پھر عمل کرے، یہی تجربے کے اہم لوازمات تھے، اسی کے لئے تو اس نے ایک سال کا وقت طے کیا تھا، اسے امید تھی کہ سال پورا ہونے سے پہلے ہی تجربے کے نتائج اچھے سامنے آنے لگیں گے، اگر یہی سب ارسل اس کے ساتھ پبلک پیلس پر کرتا تو وہ کبھی برداشت نہ کرتی، ایک کی بجائے دو سناتی اور ہمیشہ کے لئے بات چیت ختم کردیتی، مگر عابس کے لئے اس کے اندر تھوڑی گنجائش تھی اور یہ گنجائش بھی اللہ نے اس کے اندر رکھی تھی۔ شاید قدرت بھی اس کا ساتھ دے رہی تھی، وہ کسی کو غلط اور صحیح راستوں کے بارے میں بتانا چاہتی تھی، بالکل جیسے اللہ انسان کے سامنے دو راستے رکھ دیتا ہے اور اسے غور وفکر، عقل وشعور عطا کرتا ہے کہ دیکھو کون سا راستہ تمہارے لئے بہتر ہے اور کون سا عمل تمہارے لئے غلط۔

''میم آپ سے کوئی ملنے آیا ہے؟'' وہ لیب میں اسٹوڈنٹس کے ساتھ پریکٹیکل میں مصروف تھی کہ کالج کے پیون نے پیغام دیا۔

''اوکے تم انہیں میرے روم میں بٹھاؤ میں آتی ہوں۔'' پریکٹیکل سے متعلق ہدایات دیتے،

فلیم سلو رکھنے کی تلقین کرتے ہوئے وہ لیب اسسٹنٹ کو اپنی جگہ مامور کر کے باہر نکل گئی۔
ڈور ناب گھما کر وہ اندر داخل ہوئی تو نظروں کے سامنے عابس کا بجھا بجھا سا چہرہ نظر آیا، وہ سرخ گلابوں کا بکے لے کر اس کے کالج ملنے آیا تھا، اداس چہرہ اور آنکھوں کے نیچے حلقے بتا رہے تھے کہ وہ کافی دنوں سے سویا نہیں یا پھر روتا رہا ہے، چہرے پر پھیلا اضطراب اندرونی انتشار کا غماز تھا، صندلین کو اس کی حالت دیکھ کر دلی صدمہ ہوا تھا، اس کا نرم سا دل عابس کی ابتر حالت پر دکھا تھا، مگر اپنی اندرونی حالت اس نے چہرے سے عیاں نہیں ہونے دی تھی، اس نے چہرے پر سخت تاثرات ہی سجائے رکھے، عابس کو اس کی غلطی کا احساس دلانا ضروری تھا، وہ خاموشی سے چلتی ہوئیں اس کے روبرو بیٹھ گئی، چند پل خاموشی سے ہی گزر گئے، وہ بلاوجہ اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتی رہی اور وہ خاموش سا نظریں جھکائے بات کا آغاز کرنے کے لئے الفاظ ترتیب دیتا رہا، روم ہیٹر چل رہا تھا، کمرے میں گرمائش تھی، مگر ایسی ہی حدت عابس کے اندر بھی، اس کے وجود سے تپش بڑھتی جا رہی تھی۔
شاید۔
شرمندگی کی وجہ سے۔
ندامت کے سبب۔
پچھتاوے سے۔
''کیسی ہیں صندلین؟'' پشیمانی میں ڈوبا لہجہ کسی کمزور بچے جیسا تھا۔
''ٹھیک ہوں۔''
صندلین کا لہجہ بے حد مستحکم اور ٹھہراؤ لئے ہوئے، کسی بلند ہمت اور باشعور دانا جیسا کرسی سے ٹیک لگاتے ہوئے صندلین اب بغور اس کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھی۔

عابس کے ہاتھ کی گرفت سرخ گلابوں کے بکے پہ مضبوط ہوئی، وہ صندلین کے لئے یہ پھول لایا تھا، آج اس کی برتھ ڈے تھی، سو اس کو منانے کا اس سے بہتر موقعہ نہیں تھا، صندلین کے روم میں کچھ اور بھی گلدستے اور سرخ کلیاں ٹیبل پر پڑی تھیں، سلور، سرخ گولڈن ریپرز میں پیک چھوٹے بڑے سائز کے گفٹ بھی موجود تھے، یہ سب کچھ ایسے ٹیچرز اسٹاف کی طرف سے ملا تھا اور اسٹوڈنٹ کی طرف سے بھی، وہ کالج کی بہت پسندیدہ ٹیچر تھی۔
''ہیپی برتھ ڈے۔'' چہرے پر جبراً مسکراہٹ سجائے عابس نے کہا تھا۔
''تھینک یو۔'' وہ بھی جواب میں مدھم سا مسکرائی تھی۔
چند لمحوں کے لئے پھر خاموشی دونوں کے درمیان تن کر آ کھڑی ہوئی تھی، کسی دیوار کی مانند کسی چٹان کی طرح، عابس پھر سے مضطرب دکھائی دینے لگا تو اس کا اضطراب صندلین سے مخفی نہ رہ سکا، وہ چاہتی تو بات نارمل انداز میں کر کے ماحول کو نارمل کر سکتی تھی اور وہ یہ فن خوب جانتی تھی مگر چپ تھی، صرف اور صرف اس وجہ سے کہ عابس اپنے دل کی بات کہے، اپنے احساسات بیان کرے، اپنی سوچ اس کے سامنے رکھے، اپنے اضطراب و اضمحلال کی اصل کتھا سنائے۔
''آپ ناراض ہیں نا مجھ سے۔'' بمشکل لفظوں کو بنا گیا۔
''کس بات پہ؟'' وہی عادت جس سے صندلین مجبور تھی، یعنی سوال کا جواب دینے کی بجائے الٹا سوال ہی کر دینا اور عابس کو یہ عادت سخت بری لگتی تھی، وہ اکثر اس سے الجھتا بھی تھا۔
''اپنی یہ عادت بدل لیں صندلین......

ورنہ؟"
"ورنہ۔"
"ایک سال کے اندر اس عادت کو بدل لیں ورنہ کسی دن جھگڑا بہت بڑھ جائے گا۔" وہ اس انداز میں کہتا کہ صندلین ہنس پڑتی تھی کہ گالوں کے ڈمپل بھی مسکرانے لگتے تھے، اسے عابس کی ایسی بچگانہ باتوں پہ بے حد ہنسی آتی تھی۔

کئی بار کوشش کے باوجود وہ اس عادت کو نہ بدل سکی تھی، بہت پرانی عادت تھی، ایک ٹیچر کو اپنے اسٹوڈنٹس سے اسی انداز میں بات کرنا پڑتی ہے تو اس وجہ سے یہ عادت اور پختہ ہو گئی تھی، عابس کو اس سے یہ شکایت تھی کہ اسے اپنا اور صندلین کا تعلق ٹیچرز اور اسٹوڈنٹ والا لگنے لگتا تھا۔

تازہ گلابوں کی بھینی بھینی خوشبو اپنے اندر اتارتے ہوئے صندلین نے اپنی استفہامی نگاہیں عابس کے چہرے پر جمادیں۔
"وہ اس روز کے مس بی ہیو پر۔" وہ بے حد کنفیوژ نظر آ رہا تھا۔
شاید وہ گھبرا رہا تھا کہ صندلین اس کی معذرت قبول نہیں کرے گی اور صلح پہ آمادہ نہیں ہو گی اور ناراضگی ابھی کچھ اور طوالت پکڑے گی۔
"ویسے میں اس دن کے رویے کی وجہ جان سکتی ہوں عابس۔" پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو تنفس میں اتارنے سے دل و دماغ پرسکون ہونے لگے تو وہ بے حد نرمی سے بولی تھی اسے پھول ہمیشہ سے بہت پسند تھے، ان کی خوشبو اس کی کمزوری تھی۔
"صندلین آپ جانتی تو ہیں کہ میں نہیں برداشت کرسکتا کہ آپ مجھے اگنور کریں۔" عابس کے الفاظ سے کسی حد تک خفگی سی جھلکنے لگی تھی، دل کا دکھ لہجے اور آواز میں ارتعاش پیدا کرنے لگا، جو صندلین کو بخوبی محسوس ہو رہا تھا۔
عابس کو شکوہ تھا کہ صندلین نے اس کے میسج کا جواب نہ دے کر اسے اگنور کیا تھا، اس کی ذات کو نظر انداز کیا تھا، اپنی مصروفیات کو اولین ترجیح دی تھی اور عابس کو ثانوی حیثیت، وہ سب کچھ برداشت کرسکتا تھا مگر نظر انداز کیا جانا نہیں اور وہ بھی صندلین نظر انداز کرے، ہر گز نہیں، بالکل بھی نہیں، یہ اس کے لئے جان لیوا رویہ تھا، حالانکہ صندلین اس کی عادت سے بخوبی واقف تھی مگر پھر بھی نظر انداز کر بیٹھی تھی، وہ اچھی طرح سے جانتی تھی کہ جب اس نے عابس کے جذبات کی پرواہ نہ کی تھی تو غم و غصے میں عابس نے اپنی نبض کاٹ ڈالی تھی۔
اس بات پر تو پولیس کیس بننے لگا تھا مگر عابس کے والدین نے یہ کہہ کر معاملے کو رفع دفع کروایا تھا کہ ہمارا بیٹا ہی جذباتی قسم کا لڑکا ہے، ورنہ پولیس تو اس معاملے کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئی تھی۔
"عابس، تم میری ٹف روٹین کو اچھی طرح سے جانتے ہو، سارا دن کالج، اس کے بعد میری ایم فل کی کلاسز، رات میں ٹیوشن، پھر بھی یہ گلہ، یہ شکوہ؟"
صندلین کی لائف بہت بزی تھی، وہ پڑھاتی بھی تھی اور پڑھتی بھی تھی، رات کے وقت کچھ اسٹوڈنٹس گھر بھی پڑھنے آتے تھے، ایسا نہیں تھا کہ سب پیسہ کمانے کے لئے کر رہی تھی، بس علم دوست مزاج رکھتی تھی، کتابوں سے بے حد شغف رکھتی تھی، اپنے اسٹوڈنٹس کو بھی تعلیم کی اہمیت کا احساس دلاتی رہتی تھی، اس ساری مصروفیت کے باوجود وہ رات کو دو گھنٹے عابس سے بھی بات کرتی تھی، اس کی ہر بات مکمل توجہ سے سنتی تھی، اس کی

بچگانہ گفتگو پر بھی ذرا خفا نہ ہوتی تھی بلکہ بے حد خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتی تھی، پھر صبح کو بھی اس کے مارننگ میسجز سے آغاز ہوتا اور یہ میسجز کا سلسلہ سارا دن جاری رہتا، اتنی مصروفیت کے باوجود، وہ لازمی ریپلائی کرتی۔

''مجھے احساس ہے میں غلط ہوں۔'' الفاظ پھر ممنوعیت کا شکار ہونے لگے تھے، لب و لہجے میں رنج گھلنے لگا تھا، وہ اکثر خود کو جذباتی ہونے سے روک دیتا تھا، مگر اس عمر میں وہ خود کو کس حد تک روک سکتا تھا، کس حد تک سمجھا سکتا تھا، یہ عمر تو ہوتی ہی جذباتی ہے، خود کو روکتے روکتے بھی وہ سب کچھ کر گزرتا تھا جس پر بعد میں پشیمانی ہوتی تھی۔

''آئی ایم سوری صندلین۔'' الفاظ ندامت کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھے، ایسا بوجھ جو اس کے اعصاب کو بھی بوجھل کر رہا تھا، وہ بے حد شکستہ سا نظر آ رہا تھا، بے اختیار سا بے بس انسان جس کے اختیار میں کچھ نہ ہو۔

''اِٹس او کے عابس۔'' اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا تھا، جذبات اور شرمندگی کا اظہار الفاظ کے ذریعے بھی کیا جاتا ہے، وہ نادم بھی تھا، صندلین کو بس یہی تو درکار تھا اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

''میرے لئے برتھ ڈے کا گفٹ کیوں نہیں لائے؟ یہ صرف بکے۔'' ماحول کو اعتدال پہ لانے کی وہ مصنوعی خفگی سے بولی اور محبت سے پھولوں کا گلدستہ ہاتھوں میں لیتے اس کی خوشبو کو سانسوں کے اندر اتارا، اس کا گلابی مسکراتا ہوا چہرہ کسی گل کی مانند لگ رہا تھا، ستارہ آنکھیں چمک رہی تھیں، گلابی لب نرم و نازک پنکھڑیوں کی مانند تھے، یہی مسکراہٹ تو تھی جس نے عابس کو اپنا اسیر کر لیا تھا، وہ ملکوتی مسکراہٹ تھی کسی ساحرہ کی مسکراہٹ کی طرح، جو دلوں پہ قابض ہو جایا کرتی تھی، کسی کو بھی اپنا بے دام غلام بنا لیا کرتی تھی، ستارہ آنکھوں نے عابس کی زندگی میں نور ہی نور پھیلا دیا تھا، وہ سوتے جاگتے بس انہی آنکھوں کے خواب دیکھنے لگا تھا، اس کا دل ایسے کینوس کی مانند ہو گیا تھا جس پہ سوائے صندلین کے تصویر اور کوئی تصویر نہیں سجتی تھی، اختیار و بے اختیاری، شعور اور لاشعور، ہر حالت ہر کیفیت میں وہ ہاتھ میں برش تھامے بس یہی تصویر بناتا چلا جاتا تھا، ہر رنگ کے ساتھ، ہر نئے خیال میں ڈھال کر بس یہی تصور یہی خیال ہی تو دل کو عزیز ہو گیا تھا۔

''وہ...... میں...... دراصل۔'' عابس جو ٹیبل پہ پڑے انگارنگ ریپرز میں ملفوف تحائف کو دیکھ رہا تھا، صندلین کی بات پہ بوکھلاہٹ کا شکار ہوا تو چہرے پر شرمندگی سی چھانے لگی، صندلین سے وہ اپنی کوئی کیفیت چھپا نہیں پاتا تھا، ویسے بھی چھپاتا بھی کیسے؟ وہ ایک ماہر فیس ریڈر (چہرہ شناس) ماہر نفسیات، جو چہرے کے اتار چڑھاؤ لہجے کے مختلف رنگوں کو بخوبی جان لیا کرتی تھی، اسے بہت کچھ بتانا نہیں پڑتا تھا، بہت کچھ سمجھانا نہیں پڑتا تھا، وہ ہمیشہ لفظوں کی محتاج رہنے والی نہیں تھی کہ الفاظ اصل بات کی وضاحت کریں تو وہ معاملے کی نوعیت تک پہنچے۔

اس نے تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنا ذاتی کلینک بھی کھولا تھا، جس میں ایسے افراد کا معائنہ کیا جاتا تھا جو کسی نہ کسی نفسیاتی الجھن و پریشانی میں گرفتار ہوتے تھے، جو اپنی تکلیف صحیح طور پر بیان کرنے سے قاصر ہوتے تھے، اس کے مریضوں میں زیادہ تعداد بچوں کی تھی، ہر عمر کے بچے جو کسی نہ کسی ذہنی مسئلے سے دوچار ہوتے تھے وہ ان کا نفسیاتی اصولوں کے ذریعے علاج کرتی

تھی، دو سال کلینک میں کام کرنے کے بعد وہ شعبہ تدریس سے وابستہ ہوگئی اور ساتھ ہی ساتھ نفسیات میں ایم فل بھی کرنے لگی، آگے اس کا پی ایچ ڈی کرنے کا ارادہ تھا۔

''پاکٹ منی نہیں تھی نا؟'' صندلین کے کہنے پر عابس نے حیرت سے سر اٹھایا تھا وہ اسے متحیر نگاہوں سے دیکھتا رہا گیا، کبھی کبھی تو عابس کو لگتا کہ صندلین بہت گہری ہے، یا پھر اللہ والی، اس کی باتوں کو یہ اس کے جذبات و کیفیات کو کہے بغیر ہی جان لیا کرتی تھی، جہاں وہ اس کی اس عادت سے متاثر ہوتا تھا، اکثر گھبرا بھی جاتا تھا، کیونکہ کچھ باتیں انسان کسی سے نہیں کہنا چاہتا، وہ صیغہ راز میں رکھنے والی ہوتی ہیں، کچھ باتیں انسان صرف خود سے شیئر کرتا ہے، عزت بے عزتی کا معاملہ ہوتا ہے، مگر صندلین کمال مہارت سے اس کے اندر کی باتوں کو جان کر اسے حیران کر دیتی تھی، یہ ایسی خوبی تھی جو اسے دیگر لوگوں سے ممتاز کرتی تھی۔

عابس کے پاس سچ مچ پیسے نہیں تھے، اس کی پاکٹ منی ختم ہوگئی تھی، جو بچی کچی تھی اس سے وہ صندلین کی برتھ ڈے کے لئے کیکے لے آیا تھا، اور کیکے بھی کوئی معمولی نہ تھا، اچھی خاصی قیمت کی کیکے باسکٹ، تھی صندلین کی ٹیبل پر پڑے لاتعداد گفٹس دیکھ کر اس کا دل بے حد برا ہوا تھا، اس نے سوچا تھا کہ صندلین کے لئے ڈھیروں گفٹ لائے گا، مگر اس کے پاس پیسے نہ تھے اور ہر چیز پیسوں سے آتی ہے، نہ ہی ابھی وہ جاب کرتا تھا اور نہ کماتا تھا، ابھی اس کا گزارہ پاکٹ منی پر ہوتا تھا۔

''ارے کوئی مسئلہ نہیں عابس، پریشان کیوں ہونے لگے۔'' ہمیشہ کی طرح وہ اس کی پریشانی بھانپ گئی تھی۔

''ارے بابا تمہاری منگیتر کوئی زیادہ ڈیمانڈنگ نہیں ہے۔'' وہ ہمیشہ کی طرح زندہ دلی سے مسکرائی، اس کی مسکراہٹ نے عابس کے دل کا بوجھ اتار دیا تھا، صندلین نے چند گفٹس کھولے تو اندر کچھ کارڈز اور چاکلیٹ نظر آئیں، اس نے چاکلیٹ کا ریپر کھولا اور آدھی خود لی اور آدھی عابس کی طرف بڑھا دی۔

''تھینک یو۔'' وہ مدہم سا مسکرایا۔

''برتھ ڈے کی خوشی میں آج کہیں باہر ڈنر کرتے ہیں، کسی اچھے سے ریستوران میں۔'' صندلین نے نہایت پرجوش انداز میں اپنا پلان بتایا مگر عابس کا ردعمل اسے حیران کر گیا۔

''نہیں بالکل نہیں۔'' وہ ایسے بڑبڑایا تھا کہ جیسے غلط بات سن لی ہو، یا پھر صندلین نے کسی بھوت بنگلے یا پھر کسی خطرناک جگہ پر ڈنر کا پلان بنا لیا ہو، صندلین نے حیرت سے دیکھا تھا، اس کے چہرے سے مسکراہٹ غائب اب وہاں سنجیدگی رقم تھی۔

''نہیں صندلین، ریستوران، اور کہیں بھی آؤٹنگ کے لئے نہیں، کہیں نہیں جانا۔'' وہ فیصلہ کن انداز میں بولا تھا کہ اس کا رویہ صندلین کو گہری معنویت لئے ہوئے لگا۔

''مگر کیوں عابس؟''

اور اس اگر مگر کا جواب اکثر ہی عابس کے پاس نہیں ہوتا تھا، پہلے بھی پارک اور پھر ریستوران میں اس کے مبہم رویوں نے صندلین کو خاصا اپ سیٹ کیے رکھا تھا، وہ اچھا بھلا خود ہی آؤٹنگ کا پروگرام بناتا تھا، مگر پھر نا جانے کیا وجہ ہوتی کہ پروگرام کینسل کر دیتا، دوبارہ ان جگہوں پر جانے کا نام نہیں لیتا تھا، صندلین وجہ پوچھتی مگر ہر بار گول مول جواب دے کر ٹال دیتا، وہ اصرار کرتی تو الجھ پڑتا۔

''بس کہہ دیا نا نہیں جانا تو نہیں جانا، ہر بات کے پیچھے کیوں پڑ جاتی ہیں۔'' وہ اس قدر چڑ چڑاہٹ کا مظاہرہ کرتا کہ صندلین حیرتوں میں مبتلا ہو جاتی، وہ اچھی طرح سے واقف تھی کہ عابس بے حد زندہ دل نوجوان تھا، گیدرنگ اسے بہت اچھی لگتی تھی، سیر و تفریح کا بہت دلدادہ تھا، مگر اچانک سے ایسا کیا ہوا کہ وہ اس بات پر ہتھے سے اکھڑ جاتا تھا۔

اس روز بھی پارک سے صندلین کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے نکلا تھا، وہ پوچھتی رہ گئی مگر اس نے نہیں بتانا تھا سو نہیں بتایا، ایک دو بار صندلین نے اس رویے کو نظر انداز کر دیا مگر اب اسے یہ رویہ عام نہیں لگ رہا تھا، اس کے پیچھے ضرور کوئی خاص بات ہے، جو عابس کبھی کھل کر نہیں بتائے گا، سوائے خود ہی کھوج لگانا تھی، ویسے بھی صندلین ایسے معاملات میں دھن کی پکی تھی، جس معاملے کی حقیقت جاننے کے درپے ہو جاتی اسے جان کر ہی دم لیتی تھی۔

☆☆☆

وقت تھوڑا اور آگے سرکا تھا، موسم نے رنگ بھی بدلا تھا اور ڈھنگ بھی، ایک دوسرے کو سمجھتے ہوئے ایک دوسرے کی عادتوں سے آگہی اور ایک دوسرے کی سنگت میں دو مہینے مزید گزر گئے تھے، اس عرصے میں بہت بار عابس کی بے قراریوں نے صندلین سے شکوہ کیا تھا، وہ اس بات پر خفا ہوتا تھا کہ آخر ایک سال کے بعد شادی کی کیا منطق تھی، بہت بار اس شرط کے حوالے سے الجھا بھی تھا اور ایڑی چوٹی کا زور لگاتا کہ صندلین یہ شرط ختم کر ڈالے، مگر تمام کوششوں کے باوجود ناکام رہا تھا۔

ہر بار اسے ہی ہتھیار ڈالنے پڑ جاتے تھے، صندلین اس معاملے میں انتہائی مضبوط تھی، ایسی سخت اور مضبوط چٹان، جس کو توڑنا، ناممکن جس کو جگہ سے ہٹانے کی کوشش فضول، جس کے ساتھ ٹکرانا خود کو سوائے زخمی کرنے کے اور کچھ نہیں۔

کبھی کبھار تو عابس کو صندلین کی یہ شرط سخت اذیت دیتی تھی، اکتاہٹ کا شکار کرنے لگتی تھی، وہ بوجھل ہونے لگتا، یہ کیا سمندر کے کنارے بھی بیٹھا ہو اور پھر بھی پیاسا رہا، اپنی خواہش کو حاصل کر کے بھی لاحاصلی کی سزا کاٹے۔

''ویسے صندلین مجھے آپ کی شرط کا مقصد نہیں سمجھ آیا۔'' اس کی سوچ کے مطابق ایک دوسرے کو جاننا اور سمجھنا تو شادی کے بعد بھی تو جانا جا سکتا ہے، ایک دوسرے کی عادات، مزاج سے واقفیت شادی کے بعد بھی تو ہو سکتی ہے اور جہاں تک تعلق کو انجوائے کرنے کی بات ہے تو شادی کے بعد انجوائے کیا جا سکتا ہے کہ ضروری ہے کہ منگنی کے عرصے میں ہی یہ سب کچھ ہو۔

بہت سے کپل ایسے ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کو نہ تو جانتے ہیں اور نہ ہی کبھی ملے ہوتے ہیں مگر ان کی شادی چٹ پٹ ہو جاتی ہے اور وہ خوش و خرم زندگی بھی گزارتے ہیں، زندگی کو انجوائے بھی کرتے ہیں، ان باتوں نے عابس کو الجھا سا دیا تھا، یہ سوال اسے بے چین رکھنے لگا تھا جو اکثر زبان پہ آ جاتا تھا۔

''ہماری شادی اوروں سے ذرا ہٹ کے ہے نا عابس۔'' صندلین گول مول سا جواب دیتی جو عابس کی الجھن دفع کرنے کی بجائے بڑھا دیتا۔

''کیا مطلب ہٹ کے۔'' عابس حیران ہوتا۔

''صندلین اس موضوع پر فی الحال اسے کوئی وضاحت نہیں دینا چاہتی تھی، وہ چاہتی تھی

کہ عابس کو وہ ہر بات خود نہ سمجھائے بلکہ حالات، واقعات، اور تجربے کی بھٹی سے گزر کر وہ خود سیکھے، سمجھے، سوچے اور شعور حاصل کرے اور پھر اس کا دل خود اس بات کا جواب دے کہ واقعی صندلین اور اس کی شادی اوروں سے ذرا نہیں بہت مختلف ہے اور اس سوال کا جواب اسے صندلین سے مانگنے کی ضرورت ہی نہ پڑے، بلکہ وہ جواب خود ہی جان چکا ہو۔"

☆☆☆

وقت دھیرے دھیرے آگے اور سرک رہا تھا، اپنی مخصوص رفتار سے، حکم الٰہی کے اشاروں کے مطابق، نہ عابس کی بے قراریاں اسے تیزی سے آگے بڑھا سکتی تھیں اور نہ ہی عابس دوڑ لگا کر وقت سے آگے نکل سکتا تھا، سوفی الحال صبر کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، انتظار کے علاوہ دوسری کوئی صورت نہیں تھی اور اگر کوئی دوسری صورت تھی تو وہ جاں گسل تھی، بہت سخت تھی اور اذیتوں بھری۔ صندلین سے دست برداری، جو اس کے لئے سوہان روح تھی اور جان لیوا بھی، وہ پہلے بھی ایک بار موت کو بہت قریب سے چھو کر آیا تھا، جب اس نے صندلین کے انکار پر اپنی نبض کاٹ لی تھی اور زندگی اور موت کی کشمکش میں کئی روز گزارے تھے، اسے صندلین کے بغیر زندگی نہیں چاہیے تھی، وہ زندگی نہیں جس میں صندلین نہ ہو، سوائے فی الوقت اس شرط کے ساتھ ہی دل لگانا تھا۔

ستمبر کی انتہائی سہانی شام تھی، ہواؤں میں یکا یک روانی نے موسم میں بدلاؤ پیدا کر دیا تھا، عابس کے کچھ نئے کالج فرینڈز نے ان دونوں کے اعزاز میں پارٹی ارینج کی تھی، سفید گھیرے دار فراک میں جس پہ سلور ستون کا کام ہوا تھا، زیب تن کئے صندلین سفید کنول کا پھول لگ رہی تھی، عابس نے چشم تصور میں اس کے معصوم حسن کے تقدس کو نہ جانے کتنی بار بوسہ دیا تھا، سفید آنچل ہوا کی شوخی و شرارت کی زد میں تھا۔

گورے موی پیروں میں پڑی پازیب اس حسن بے مثال کی تعریف و توصیف کے گیت گنگنا رہی تھی۔

ہر نظر صندلین کے حسن پر جمی تھی عابس کو اپنے انتخاب پر فخر ہو رہا تھا۔

عابس کو اپنی پسند پر ناز۔

اپنے انتخاب پہ فخر۔

اور اپنی قسمت پہ رشک آ رہا تھا کہ اس نے صندلین جیسی حسین و جمیل لڑکی کا انتخاب کیا اس کو حاصل کرنے کے لئے اپنے خاندان بلکہ پورے زمانے سے ٹکرا گیا اور آخر کار اسے حاصل کر کے ہی دم لیا، وہ سب کچھ برداشت کر سکتا تھا مگر یہ برداشت کرنا اس کے بس سے باہر تھا کہ صندلین اس کی نظروں کے سامنے کسی اور کی ہو جاتی، وہ تو ارسل صندلین کا چچا زاد کے ساتھ دیکھ کر اذیت کا شکار ہونے لگتا تھا، اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ ارسل کی جان لے لے یا پھر خود کو ختم کر لے۔

''صندلین، آپ ارسل کو پسند کرتی ہیں؟''

عابس نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کرنے سے پہلے ارسل کے بارے میں جاننا چاہا تھا۔

اس کے سوال پر پہلے تو صندلین کی حسین آنکھوں میں حیرت ابھری اور پھر کتنی دیر تک وہ ہنستی رہی تھی کہ آخر اس سوال کا مقصد ہی کیا ہے؟

ابھی وہ عابس کی خاموش محبت سے بالکل ناواقفیت تھی، ابھی اس نے عابس کی آنکھوں میں بدلتے رنگوں کی قوس قزح کو نہیں دیکھا تھا، ابھی اس کے اضطراب و اذیت سے لاعلم تھی، مگر کبھی کبھی عابس کے ایسے سوالات اسے چونکنے پر مجبور کر دیتے تھے۔

''ارے نہیں، وہ میرے کزن ہیں اور بہت اچھے دوست بھی۔'' اور پھر اس اطمینان کے بعد کہ صندلین کی زندگی میں کوئی دوسرا نہیں ہے عابس نے در دل پہ دستک دینے کا حوصلہ کر لیا تھا۔

لڑکیوں اور خواتین کے جھرمٹ میں گھری صندلین اپنے حسن بے مثال کی وجہ سے سب سے روشن ستارہ دکھائی دے رہی تھی، عابس بظاہر تو اپنے دوستوں میں مگن تھا مگر پر شوق نگاہیں بار بار اس کے صبیح چہرے کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔

''یار ویسے بڑا لکی ہے تو جسے میم صندلین نے لفٹ کروا دی۔'' لفظ ''لفٹ'' کچھ معیوب سا لگا تھا، عابس کا مسکراتا چہرہ ایکدم سے سنجیدہ ہو گیا، یہ اس کے کسی شوخ دوست کا بے باک سا تبصرہ تھا، ناگواری کے تاثرات سنبھالتے ہوئے عابس نے ایک اچٹتی سی نگاہ صندلین پہ ڈالی جو خواتین سے محو گفتگو تھی۔

''یار عابس ویسے بڑا بے جوڑ سا رشتہ ہے تم دونوں کا۔'' ایک اور جملہ کسا گیا تھا، ساتھ ہی قہقہے بلند ہوئے تو عابس کا دل و دماغ میں غصے کا الاؤ دہکنے لگا۔

''بی ہیو یور سیلف۔'' وہ ضبط سے بولا تھا۔

''ارے دوستوں میں مذاق تو چلتا رہتا ہے تو تو برا ہی مان گیا ہے۔'' ایک اور دوست نے گوہر افشانی کی تھی۔

''ابے یار چھوڑ نا، تو کیوں اس کی باتوں کی سیریس لے رہا ہے۔'' کسی نے عابس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر اسے کول ڈاؤن کرنا چاہا۔

''ویسے منگیتر کی کمائی پہ تو عیش تو خوب کرتا ہوگا، شادی کے بعد بھی وہ کمائے گی اور تو آرام سے بیٹھ کر کھائے گا۔'' اس بات پہ نہ صرف قہقہے بلند ہوئے تھے بلکہ تالیاں بھی بج اٹھیں، تو صندلین سمیت باقی لوگ بھی متوجہ ہوئے تھے۔

صندلین نے عابس کے چہرے پر نظر ڈالی تو مطلع ابر آلود سا نظر آیا تو اسے تشویش ہونے لگی، دوست قہقہے لگا رہے تھے اور وہ سخت غصے میں تھا۔

''میں کہتا ہوں بند کرو اپنی بکواس۔'' ابھی صندلین غور و فکر کی ابتدائی سیڑھی پر کھڑی تھی کہ عابس کی چلانے کی آواز پر دل دھک سے رہ گیا۔

مزید صورتحال جاننے کے لئے صندلین نے دوسری سیڑھی پر قدم رکھا ہی تھا کہ ایکدم چیخ و پکار کر طوفان برپا ہو گیا، عابس آؤٹ آف کنٹرول ہوا تو اسے اپنے اردگرد کا بالکل ہوش نہیں رہا تھا، اس کے دوستوں کے لئے اس کا ردعمل غیر متوقع تھا، وہ اس کے ہاتھوں سے اپنا گریبان چھڑاتے ہوئے خجالت کا شکار ہو رہا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے، تو غلط سمجھ رہا ہے میں تو مذاق کر رہا تھا۔'' وہ اپنی شرمندگی کے ساتھ ساتھ اپنی صفائی بھی پیش کر رہا تھا، اس کے دوست بیچ بچاؤ کرانے لگے مگر عابس کسی کے قابو میں نہیں آ رہا تھا، وہ جملے کسنے والے لڑکوں کو بری طرح سے پیٹ رہا تھا، اس پر جیسے جنون سوار ہو گیا تھا۔

''عابس چھوڑ دے یار۔'' مگر عابس کسی کی نہیں سن رہا تھا۔

''عابس کیا کر رہے ہو، چھوڑو اسے۔'' صندلین ضبط نہ کر سکی تو اسے روکنے کے لئے آگے بڑھی مگر عابس نے اسے بھی اس زور سے دھکیلا کہ اگر وہ خود کو نہ سنبھالتی تو گر پڑتی، پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ عابس کے اس روپ کو دیکھ رہی تھی، یہ جنون اس کے لئے بالکل نیا تھا۔

''میں تیری جان لے لوں گا۔'' طیش میں آ کر عابس کے لبوں سے بس یہی جملہ ادا ہو رہا

تھا، اس کا دوست۔

عابس کو قابو کرتا مگر وہ پھر سے اس کے قابو سے نکل جاتا، صندلین آنکھوں میں نمی لئے لبوں پہ تحیر سے ہاتھ دھرے اسے بت بنی دیکھ رہی تھی، ایسا کیا ہوا تھا کہ خوشگوار سی یہ محفل غم و غصے کے طوفان میں بدل گئی تھی، یکا یک ایک نوجوان نے بپھرے ہوئے عابس کے سر پر کوئی چیز ماری تو خون کا فوارہ پھوٹ پڑا، پورا ماحول جیسے خون آلود ہو گیا تھا، عابس کراہتے ہوئے نیچے گرا تو صندلین اپنی چیخ پر قابو نہ پا سکی۔

☆☆☆

دن خاموشیوں کی زد میں آ گئے تھے اور شامیں اداسیوں کی، عابس کو چوٹ شدید آئی تھی مگر گہری نہیں، چند دن ہسپتال میں گزارنے کے بعد وہ گھر آیا تھا، اس دوران صندلین کی عابس سے نہ تو کوئی بات ہوئی تھی اور نہ ہی ملاقات، وہ ہسپتال بھی اسے دیکھنے جاتی تو وہ سو رہا ہوتا تھا، گھر آ کر بھی عابس نے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا، وہ جب بھی فون کرتی خالدہ آنٹی (عابس کی امی) سے بات ہوتی، عابس یا تو دوا کھا کر سو رہا ہوتا یا پھر اکثر بات کرنے سے منع کر دیا کرتا، صندلین کے لئے یہ صورتحال عجیب و غریب تھی، عابس بے حد گم صم سا رہنے لگا تھا، اس بارے میں اس کی امی نے بھی ذکر کیا تھا، ورنہ عابس کا تو حال تھا کہ صندلین کو فون نہ کر لیتا تو اسے چین نہ آتا، مگر اب اتنا بدلاؤ آ گیا تھا کہ دو ہفتے گزر گئے تھے، اس نے نہ تو کال کی نہ ہی کوئی میسج کیا تھا، یہ رویہ عام تو نہ تھا، جسے صندلین نظر انداز کر دیتی، یہ خاموشی بہت سے معنی رکھتی تھی، صندلین جتنا سوچتی اتنا ہی الجھتی جاتی، اس سارے معاملے کو لے کر خاصی پریشان تھی، پہلے وہ سارا جھگڑا ہی اس قدر معنی خیز تھا، جس کی وجہ بھی صندلین کو معلوم نہ تھی اور اب عابس کی یہ گہری خاموشی اور لاتعلقی۔

وہ کافی حد تک رو بہ صحت ہو چکا تھا مگر صندلین سے لاتعلقی قائم تھی، صندلین حیرت زدہ تھی، کئی بار تو اسے محسوس ہوتا کہ اس شام عابس کا اپنے دوستوں کے ساتھ نہیں بلکہ صندلین کے ساتھ جھگڑا ہوا تھا جس کے نتیجے میں دونوں کے درمیان ناراضگی کی دیوار کھڑی ہو گئی تھی۔

خود سے سوچ سوچ کر وہ تھکنے لگی تو ایک روز اس سے ملنے اور تمام حقیقت جاننے کے لئے وہ اس کے گھر جا پہنچی، پہلی بار اسے لگا کہ اس کی معاملے کی تہہ تک پہنچنے کی صلاحیت کمزور پڑ گئی ہے، اصل بات کو جاننے میں مشکل پیش آ رہی ہے، شام کا وقت تھا، اس نے فلاور شاپ سے عابس کے لئے سرخ گلابوں کا بکے لیا، وہ جانتی تھی کہ سرخ گلاب عابس کی کمزوری تھے۔

''عابس شاید سو رہا ہے۔'' خالدہ آنٹی نے بتایا مگر ان کا کمزور لہجہ صندلین کو شک میں ڈال گیا، فون وہ اٹینڈ نہیں کرتا، وہ جب بھی کال کرتی تو اس کی امی یہی کہتی کہ عابس دوا کھا کر سو رہا ہے، دن رات یا پھر کوئی بھی وقت ہوتا صندلین کو ہر بار ایک ہی جواب سننے کو ملتا۔

''آنٹی کیا وہ سچ مچ سو رہا ہے؟'' صندلین کو محسوس ہو رہا تھا کہ خالدہ آنٹی اسے ٹال رہی ہیں، اصل میں وہ جاگ رہا تھا مگر صندلین سے ملنے کو منع کیا تھا، اس نے مزید کریدا تو خالدہ آنٹی نے بالآخر بتا ہی دیا کہ عابس اس سے ملنا نہیں چاہتا۔

''مگر کیوں؟''

اس کیوں کا جواب تو شاید ان کے پاس بھی نہیں تھا، سو وہ خاموشی سے آنسو بہانے لگیں، صندلین کو سارا معاملہ تشویش کا شکار کر گیا، یعنی

بات صرف دوستوں سے جھگڑے کی نہیں تھی، ضرور کوئی خاص بات تھی جس کا کہیں نہ کہیں سے تعلق صندلین سے ضرور تھا، اب وہ مزید اپنے تجسس کو دبا نہ سکی تو بے دھڑک انداز میں عابس کے کمرے میں جا پہنچی، وہ سچ مچ جاگ رہا تھا، چت لیٹا وہ بہت گم صم اور اداس سا غیر مرئی نقطے کو دیکھ رہا تھا، نجانے کون سی ایسی بات تھی جس نے اس کے لبوں سے ہنسی چھین لی تھی۔

''کیسے ہو؟'' کارنر ٹیبل پر پھول رکھتے ہوئے صندلین اس کے قریب پڑی کرسی پر آ بیٹھی تھی اس نے بغور محسوس کیا تھا کہ اس کی آمد پر عابس کے چہرے پر ناگواری کے بادل چھا گئے تھے۔

تاثرات صاف بتا رہے تھے کہ اسے صندلین کا آنا بالکل اچھا نہیں لگا تھا، نہ وہ اس سے ملنا چاہتا تھا اور نہ ہی بات کرنا۔

''ٹھیک ہوں۔'' اس کے ماتھے پہ چوٹ کی وجہ سے ابھی بھی پٹی بندھی تھی مگر دیکھنے سے کافی بہتر لگ رہا تھا۔

''جاگ رہے ہو تو پھر یہ کیوں کہلوایا آنٹی سے کہ سو رہے ہو؟'' ماحول کی سنجیدگی اور اداسی کو رفع کرنے کی غرض سے صندلین نے شرارت سے کہا تھا، اس کے لبوں پہ مسکراہٹ تھی مگر آج عابس کو اس مسکراہٹ نے بھی جھنجھوڑا نہیں تھا اور نہ اس کی اداسیوں کو پچھاڑا تھا۔

''میرا اس وقت کسی بات کا موڈ نہیں، پلیز آپ چلی جائیں۔'' روکھا اور سرد لب و لہجہ سب سے اہم بات کہ اس نے صندلین کو نام لئے بغیر مخاطب کیا اور ناگواری سے اپنا دایاں بازو آنکھوں پہ رکھ لیا، اجنبیت بھرا رویہ صندلین کو کافی تضحیک آمیز سا محسوس ہوا تھا، مگر وہ سہہ بھی گئی اور درگزر بھی کر گئی۔

''اگر تم میری کالز اٹینڈ کر لیتے، تو میں تمہیں تنگ کرنے گھر نہ آتی عابس۔'' اس کی بیزاریت نے صندلین کو سنجیدہ سا کر دیا تو چند لمحوں پہلے جو اس کا چہرہ مسکرا رہا تھا اب وہ بجھا بجھا سا ہو گیا، وہ پہلی بار عابس کو اس قدر سنجیدہ اور اداس دیکھ رہی تھی، ورنہ عابس اور اداسی کا دور دور تک کوئی تعلق نہیں تھا، صندلین نے اپنے لئے حد درجہ بیزاریت دیکھی تھی، وہ صندلین کو دیکھ کر ہمیشہ کھل جایا کرتا تھا، مگر آج نہ تو وہ صندلین کو دیکھ کر خوش ہوا تھا اور نہ ہی اس کی آمد اچھی لگی تھی۔

کچھ ساعتیں یونہی خاموشی کی نذر ہو گئیں، وہ آنکھوں پہ بازو رکھے لیٹا رہا تو صندلین الجھ سی گئی، اسے لگا کہ یہاں آ کر غلطی کی ہے۔

''عابس، کیا ہوا تھا اس دن، تمہارا دوستوں سے جھگڑا کس بات پہ ہوا تھا؟'' صندلین کو اس بات کو جاننے کی بے حد بے قراری تھی، آخر اس روز وہ بھی اس کے ساتھ محفل میں شریک تھی اور ابھی تک وہ لاعلم تھی اس جھگڑے کی اصل وجہ سے، اس نے خالدہ آنٹی سے بھی متعدد بار پوچھنے کی کوشش کی تھی مگر انہوں نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا تھا، مطلب کہ عابس نے جھگڑے کی وجہ کسی کو بھی نہیں بتائی تھی۔

''آپ کو پرابلم کیا تھا، کہا ہے نا کہ یہاں سے چلی جائیں، مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔'' عابس اس قدر بدلحاظی سے بولا تھا کہ کچھ پل کے لئے تو صندلین کو یقین ہی نہیں آیا تھا کہ یہ عابس ہی ہے جو اس کے ساتھ اس قدر بدتمیزی سے بات کر رہا ہے، وہ جو اس کی خیریت جاننے کے لئے آئی تھی، وہ مسلسل اس کے ساتھ مس بی ہیو کر رہا تھا، آخر کیا ایسی بات تھی جس کو لے کر وہ اتنا ڈسٹرب تھا۔

"پلیز میرے حال، پر رحم کھائیں اور یہاں سے چلی جائیں۔" اس بار وہ اتنی اجنبیت ترش روئی سے بولا تھا کہ صندلین کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی، تاسف بھری نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے وہ وہاں سے چلی آئی، اس بات سے بے خبر کہ عابس کی نظروں نے تا حد نگاہ اس کا تعاقب کیا تھا، اس کے جانے کے بعد عابس پہ اداسیوں نے یلغار کر دی تھی، بے قراریاں بچھو کی طرح ڈنک مار کر اسے اذیت دینے لگی تھیں، دل و دماغ انتشار کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے، سوچیں بکھرنے لگیں تو اس کی ذات بھی بکھرنے لگی تھی۔

وہ کیا بتاتا اسے جھگڑے کی وجہ؟ کیسے وہ گھٹیا الفاظ صندلین کو بتاتا جو اس کے دوستوں نے کہے تھے، اذیتیں اس کے پورے وجود کو جکڑنے لگیں تو اسے لگا کہ جیسے وہ ایک مضبوط جال میں قید ہو گیا ہے، اذیت و تکلیف نے اس کے زخموں کو ناسور بنا دیا تھا، جواب اس کی جان لینے کے درپے تھا۔

☆☆☆

وقت ہولے ہولے دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہا تھا، صبح ہوتی تھی، سورج بھی نکلتا تھا، رات ہوتی تھی تو چاند بھی چمکتا تھا، پورے آب و تاب کے ساتھ، چڑیاں شور مچاتی، کوئل بھی کوکتی، بلبلیں گیت گاتی تھیں مگر پھر بھی اداسی تھی۔

خاموشی تھی۔

سناٹا تھا۔

ویرانی تھی۔

چہار سو، ہر طرف، ہر نگر، سوچ کا مسافر صبح دن چڑھے نکلتا، قریہ قریہ کوچہ کوچہ بھٹکتا، تھک جاتا تو کسی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ جاتا، ہانپنے لگتا تو کسی گھنے درخت کی چھاؤں تلے چند گھڑیوں کے لئے بیٹھ جاتا، پھر تھوڑا تازہ دم ہو کر پھر سے محو سفر ہو جاتا، شام پڑنے لگتی تو وہ تھکنے لگتا، بے تحاشا اور بری طرح، اس کا پور پور دکھنے لگتا، وہ حقیقتوں تک جانے میں ناکام رہ جاتا تو چپ چاپ ہو کر بیٹھ جاتا، کڑیاں آپس میں ملانے لگتا، گتھیاں سلجھانے لگتا مگر ناکامی اسے آگے جانے سے روک دیتی۔

عابس بہت بدل گیا تھا، وہ شوخی و شرارت تو جیسے مفقود ہو چکی تھی، صندلین سب محسوس کر رہی تھی اور سب جانچ رہی تھی، وہ بات کرتا تو مختصر، رات کو دو گھنٹے کال کا سلسلہ خود بخود ختم ہو چکا تھا، اگر کبھی صندلین فون ملاتی تو اس کا نمبر آف ملتا، حیرانی تو اس بات کی تھی کہ تو ہمہ وقت صندلین سے بات کرنے کے لئے تیار رہتا تھا، تعجب تو اس بات پر تھا کہ صندلین کے بغیر اس کے دن رات نہیں گزرتے تھے، وہ یوں بات کرتا جیسے مروتاً بات کر رہا ہو، زبردستی، خود ہی حال احوال پوچھ لیا کرتی تھی، اب تو اس نے ایک سال کی شرط کے بارے میں بے قراری دکھانی بھی ترک کر دی تھی۔

"کیسے ہو؟"

"ٹھیک ہوں۔"

"کیا ہو رہا ہے؟"

"کچھ نہیں۔"

"کیا مطلب کچھ نہیں؟"

"اسٹڈیز کا بتاؤ؟"

"کر رہا ہوں۔"

عابس جیسا باتونی لڑکا اچانک سے اتنا کم سخن، کم آمیز ہو گیا تھا، نپی تلی بات لگے بندھے جملے اس کی گفتگو میں شامل ہو گئے تھے اور نہ جانے کیا کیا اس کی زندگی میں ایسا شامل ہو گیا تھا کہ اس کا لہجہ، رویہ سب اجنبی ہو گئے تھے۔

صندلین سے تو مجبوراً بات کرتا تھا، بالکل

جبراً اس پر بے دلی غالب ہوتی تھی۔

"اچھا یہ بتاؤ اس ویک اینڈ پر کہاں آؤٹنگ کا پروگرام بنائیں؟" وہ اسے نارمل زندگی کی طرف لانے کی سعی کرتی۔

"کہیں بھی نہیں، میرا موڈ نہیں۔" وہ اس قدر تلخی سے جواب دیتا اور فون آف کر دیتا، بلکہ دو دو ہفتے تک فون آف رکھتا، صندلین نے اس دوران خالدہ آنٹی سے وجہ جاننے کی کوشش کی مگر وہ تو خود پریشان تھیں۔

"صندلین تم ہی کچھ معلوم کرو، ہم لوگ تو تھک چکے ہیں وجہ پوچھ پوچھ کر۔" وہ رونے لگتیں، انہیں نہ تو جھگڑے کی وجہ معلوم تھی اور نہ ہی اس گہری خاموشی کی، جو دن بہ دن طویل ہوتی جا رہی تھی۔

"عابس آخر تم کچھ بتاتے کیوں نہیں ہو کہ اس روز تمہارا جھگڑا کس بات پر ہوا تھا؟" صندلین کو اب غصہ آنے لگا تھا، اسے پورا حق تھا کہ وہ وجہ جانتی آخر وہ منگیتر تھی مگر عابس تو یوں لاتعلق تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

"بس ویسے ہی۔" عابس ہمیشہ ٹال دیتا تھا، وہ یہی چاہتا تھا کہ صندلین کو کبھی اصل بات نہ پتہ چلے مگر قدرت کو منظور تھا کہ صندلین کو ساری حقیقت معلوم ہو جائے، سوچ کا مسافر کسی نتیجے پر پہنچے کوئی فیصلہ کرے، سو ایک دن ایسا آ ہی گیا۔

کالج سے واپسی پر صندلین کی گاڑی خراب ہوگئی، قریب ہی ورکشاپ تھی، سو گاڑی کے ٹھیک ہونے تک اسے کچھ دیر وہیں انتظار کرنا تھا، ورکشاپ کے راستے والی سڑک پہ پر رونق سی مارکیٹ تھی، جہاں پہ ایک خوبصورت سا چائنیز ریستوران بھی تھا، دائیں بائیں جنک فوڈ، جوس اور فروٹس کی شاپ بھی تھیں، اپنے ہی دھیان میں مگن وہ اس مارکیٹ کی رونق دیکھ رہی تھی کہ جوس والی شاپ کے سامنے ایک بائیک رکی جس پر ایک لڑکا اور لڑکی سوار تھے، صندلین کو لڑکا جانا پہچانا سا لگا تھا، پی کیپ اور گلاسز کی وجہ سے اس کی شناخت صحیح طرح نہیں ہو پا رہی تھی، صندلین اپنی جگہ سے ذرا اٹھ کر کھڑی ہوئی تو شناخت ممکن ہوئی، وہ عابس ہی تھا، کسی خوبصورت لڑکی کے ساتھ، جو اس کی ہم عمر تھی، ان دونوں نے پہلے وہیں جوس پیا، وہ دونوں بہت خوشگوار موڈ میں دکھائی دے رہے تھے، عابس بہت خوش دکھائی دے رہا تھا، کہیں سے بھی پچھلے دنوں والا اداس، ویران سا عابس نہیں لگ رہا تھا۔

"یہ لڑکی کون ہے؟" صندلین نے اس لڑکی کو پہلی بار عابس کے ساتھ دیکھا تھا، جوس پینے کے بعد وہ دونوں اسی خوبصورت سے چائنیز ریستوران کی طرف بڑھ گئے، درمیان میں شیشے کا شفاف و چمکدار سا دروازہ حائل ہو گیا تو مزید صندلین کچھ نہ دیکھ پائی، مگر وہ حقیقت تک پہنچ چکی تھی، ان بے سبب اداسیوں کی وجہ جان گئی تھی، وہ اس اجنبیت کی دیوار کے پیچھے چھپے منظر کو دیکھ چکی تھی، شک تو پہلے ہی دل میں تھا، بس تصدیق باقی تھی، وہ بھی آنکھوں دیکھی، سو آج آنکھوں نے سب دیکھ لیا تھا، سوچ کے مسافر کو آج بہت سے سوالوں کے اکٹھے جواب مل گئے تھے، اب اسے مزید سفر نہیں کرنا تھا، اب اور تھکاوٹیں مول نہیں لینی تھیں۔

☆☆☆

خنک ہواؤں کی زد میں نومبر آن پہنچا تھا، اس بار نومبر پچھلے سالوں کی نسبت ذرا زیادہ ہی بھیگا بھیگا تھا، کبھی صبح نہائی ہوئی نظر آتی اور کبھی اس کی شام، پہاڑوں پہ برف جمنے لگتی، سورج اگر نظر آتا بھی تو ٹھٹھرا ہوا، آگ کا گولہ برف کا گولہ دکھائی دیتا تھا، کبھی گہرے بادل اسے چھپنے پر

مجبور کردیتے تو کبھی بارش۔

''میم...... عابس صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں؟'' اس کا لیکچر ختم ہونے کے قریب تھا کہ پیون نے آکر اطلاع دی۔

''انہیں میرے روم میں بٹھاؤ۔''

صندلین کو عابس کی اچانک آمد پر حیرت ہوئی تو لیکچر پر مزید فوکس نہ کرسکی اور کلاس کو فری کردیا، اسٹوڈنٹس کی تو موجیں ہی ہوگئیں، عابس کا آنا کوئی عام بات نہ تھی، وہ تو اب فون بھی نہیں کرتا تھا، اگر صندلین کرتی تو نہایت مختصر گفتگو کرتا۔

بلیک جینز کی پینٹ کے ساتھ بلیو شرٹ کے اوپر بلیک جیکٹ پہنے وہ صندلین کو پہلے سے قدرے مختلف نظر آیا تھا، مطلب اپنی عمر سے کسی حد تک بڑا بھی اور میچور بھی۔

''کیسے ہو؟'' صندلین اس کے روبرو بیٹھ گئی۔

دل کہہ رہا تھ کہ
''یہ آمد عام نہیں۔
یہ آمد فیصلہ کن بھی ہے
اور نتیجہ کن بھی

''ٹھیک ہوں۔'' ٹھنڈ کے باعث اس نے دونوں ہاتھ جیکٹ کی جیبوں میں ڈالے ہوئے تھے، چہرے پر گہری سنجیدگی رقم تھی۔

''کیسے آنا ہوا؟'' صندلین بے حد نارمل سے لہجے میں بولی تھی، عابس کے سابقہ رویے کو لے کر اس کے چہرے پر نہ تو غصہ تھا اور نہ ہی ناراضگی، اس نے عابس کو کسی لڑکی کے ساتھ دیکھا تھا، اس سے نہ تو باز پرس کی تھی اور نہ ہی کسی قسم کا جھگڑا کیا تھا حالانکہ وہ فی الحال اس کی منگیتر تھی چاہتی تو لڑ سکتی تھی، ہنگامہ مچا سکتی تھی، عابس کے والدین کو شکایت لگا سکتی تھی، مگر اس نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا، نہ ہی ایسا کچھ کرنا چاہتی تھی، کیونکہ اس کے نزدیک خاموشی بہتر تھی، ان ہنگاموں کی نہ تو ضرورت تھی اور نہ ہی کوئی مجبوری۔

''میں آپ سے ایک ضروری بات کرنے آیا ہوں۔'' چہرے کا الجھاؤ بتا رہا تھا وہ کہ کوئی بہت دھماکہ خیز سی بات کرنے آیا ہے۔

یہ زبان جو آج قفل سے آزاد ہوئی ہے ضرور کوئی اہم بات تھی، یہ جو چپ کا روزہ عابس نے توڑا تھا اس کے پیچھے عذر بھی بہت مضبوط تھا، نا جانے کیوں صندلین کو اس کی یہ مضبوطی اچھی لگی تو ہونٹوں پہ خفیف سا تبسم بکھر گیا۔

''ہاں کرو۔''

ابھی آغاز کلام کرنا چاہا ہی تھا کہ ملازمہ ان دونوں کے لئے کافی لے آئی صندلین جانتی تھی عابس کو کافی بے حد پسند تھی۔

''میم جی، یہ آپ کا چھوٹا بھائی ہے؟''

ملازمہ کے سوال پر دونوں کی نظریں بے اختیار ملی تھیں، عابس کی پیشانی پہ بل پڑ گئے اور لب بھینچ گئے، ہاتھ جیبوں سے نکال کر انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کرلیں، یہ اس کے شدید ذہنی انتشار کی علامت تھی جس سے صندلین واقف تھی۔

ملازمہ جواب کی منتظر تھی، مگر دونوں طرف خاموشی کا راج تھا، شاید دونوں ہی اس سوال کے لئے تیار نہ تھے، یا پھر جواب نہیں دینا چاہتے تھے، ملازمہ نے چند لمحوں کے لئے دونوں کا چہرہ دیکھا اور پھر کھسیانی سی ہو کر باہر نکل گئی۔

''کیا بات کرنے آئے ہو عابس؟'' کافی کے گرم کپوں سے دھواں نکل کر دائرہ در دائرہ فضا میں منڈلانے لگا تھا، کچھ دیر تک منڈلاتے پھر بے جان اور کمزور ہو کر غائب ہو جاتے۔

''میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔'' اس کا لہجہ بہت مضبوط سا تھا۔

''یہی نا کہ تم مجھ سے شادی نہیں کرو گے۔'' کپ کے کناروں پہ انگلی پھیرتے ہوئے صندلین نے اس کے دل کی بات کہہ ڈالی تھی، وہ بھی نہایت تحمل سے، وہ مسکرا رہی تھی، اس کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی، اس کے اتنے ٹھنڈے ردعمل پر عابس کو کسی حد تک حیرت ہوئی تھی۔

اسے علم تھا کہ صندلین گیانی ہے، دل و دماغ کی باتیں پڑھ لیتی ہے مگر آج تو گیان کے اعلیٰ درجے پر نظر آ رہی تھی، بہر حال صندلین کے نارمل ردعمل نے عابس کی ہمت بڑھا دی تھی، وہ آج اپنے دل کی بات کھل کر کرنا چاہتا تھا، ان اذیتوں کا قصہ پوری وضاحت کے ساتھ سنا سکتا تھا جس نے اسے بے سکون کر دیا تھا، ایک بار پہلے بھی وہ بے سکون ہوا تھا جب اس صندلین سے محبت ہوئی تھی، مگر آج کی بے سکونی بالکل الگ نوعیت کی تھی، اس نے اثبات میں سر کو جنبش دی اور بنا بولے آنکھیں جھکا لی تھیں۔

☆☆☆

جینے کے واسطے
تیری باتیں خرید لوں
میرا بس چلے تو
تیری یادیں خرید لوں
ہر وقت جو صرف
تیرا دیدار کر سکوں
سب کچھ لٹا کر
وہ آنکھیں خرید لوں

یہ کوئی پانچواں یا چھٹا رقعہ تھا یا محبت نامہ جو عابس کی طرف سے صندلین کو موصول ہوا تھا، ہر بار جذبات کا اظہار پہلے سے زیادہ شدت سے کیا جاتا، ایک دو بار تو صندلین نے نظر انداز کیا، مگر جب سلسلہ طول پکڑنے لگا تو اس کی ہمت جواب دے گئی۔

''عابس! یہ کیا حرکت ہے؟'' صندلین نے جواب طلبی کے لئے اسے اپنے روم میں بلایا تھا۔

28 سالہ صندلین کو ایجوکیشن کالج میں لیکچرار تھی، سترہ سالہ عابس رضا اس کا اسٹوڈنٹ تھا، دبلا پتلا دراز قد، گوری رنگت، سیاہ چمکدار بال اور روشن مسکراتی آنکھیں اسے باقی لڑکوں میں نمایاں رکھتی تھیں، وہ پڑھائی میں بھی بہت اچھا تھا، غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا، وہ کلاس ہی میں نہیں بلکہ کالج کا بہت ہونہار طلب علم تھا۔

''کیا حرکت؟'' وہ دانستہ انجان بنتا نظر آیا۔

وہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ صندلین کیا پوچھ رہی ہے اور کس بات پر اتنی آگ بگولہ ہو رہی ہے، پہلے بھی کافی دفعہ عابس سے پوچھا مگر وہ بات گول مول کر دیتا کہ اسے شعر و شاعری سے شغف ہے اور اچھا کلام تو ڈائری میں نوٹ بھی کرتا ہے، شاید بھولے سے کوئی صفحہ میم صندلین کے پاس آ گیا ہے، وہ یوں انجان بنتا کہ صندلین نہ تو چور کو پکڑ سکی اور نہ ہی اس کی چوری کو، مگر اب رفتہ رفتہ بات یہاں تک آن پہنچی تھی کہ اب دیدہ دلیری سے میم صندلین کے نام رقعے لکھے جانے لگے تھے، کبھی کسی ساتھی کے ہاتھ بھجواتا تو کبھی اس کی ٹیبل پر رکھ آتا، صندلین اس کی ہینڈ رائٹنگ پہچانتی تھی۔

''یہ حرکت۔'' صندلین نے اس کا لکھا تازہ ترین لیٹر آنکھوں کے سامنے کر دیا وہ اسے کڑے تیوروں سے گھور رہی تھی۔

''محبت نامہ اور کیا؟'' وہ حد درجہ بے خوفی

سے بولا تھا کہ صندلین کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

اس کے چہرے پر کھیلتی مسکراہٹ پر دل چاہ رہا تھا کہ زوردار تھپڑ مار کر منہ توڑ ڈالے مگر جوان اسٹوڈنٹ پر ہاتھ اٹھانا بھی کچھ مناسب نہ تھا۔

''عابس اگر یہ مذاق ہے تو ایک ٹیچر کے ساتھ یہ انتہائی بے ہودہ مذاق ہے۔'' صندلین کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے، اس نے وہ رقعہ عابس کے سامنے پھاڑا اور پرزے پرزے کر ڈالا، یہی حال وہ عابس کا کرنا چاہ رہی تھی۔

''میم، یہ آپ کی غلط فہمی ہے کہ میں آپ سے مذاق کر رہا ہوں، آئی ایم سیریس میں آپ سے محبت کرنے لگا ہوں۔'' اور پھر اس کے بعد تو عابس مزید بے خوف ہو گیا، وہ مختلف طریقوں سے اپنے جذبات کی ترسیل کرنے لگا، کبھی پھولوں کے ذریعے، کبھی لفظوں کے ذریعے، کبھی مسکراتی نظروں کے ذریعے، تو کبھی میسج کے ذریعے، صندلین روز اس کی کلاس لیتی، اس کی دھلائی کرتی، اسے سخت سست سناتی، مگر وہ ڈھیٹ ابن ڈھیٹ تھا ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتا، وہ اس کے غصے پر مسکراتا رہتا اور پھر اگلی کوئی نئی کارروائی کر دیتا، آہستہ آہستہ یہ خبر کالج میں پھیلنے لگی، جو صندلین کی پریشانی کا باعث بننے لگی، اس نے اپنے تئیں اس مشکل کو دور کرنے کے لئے کوششیں کیں وہ عابس کو نظر انداز کرنے لگی، پہلا علاج۔

اس سے بات کرنا، اسے مخاطب کرنا بالکل چھوڑ دیا، دوسرا علاج۔

اس کی کسی بھی اچھی پرفارمنس جو تعلیم سے متعلق ہوتی یا کسی بھی غیر نصابی سرگرمی ہوتی، تعریف کرنا چھوڑ دی، تیسرا علاج۔

اپنے طور پر ایک طالب علم کا دماغ درست کرنے کے لئے نفسیاتی اصولوں کا استعمال کیا، مگر عابس پر کوئی اثر نہ ہوا، رفتہ رفتہ اس کے جنون میں اضافہ ہونے لگا، جس سے صندلین کو خوف آنے لگا تھا، آخر بات اتنی پھیلی کہ اسٹاف کے ساتھ ساتھ پرنسپل تک بھی جا پہنچی، کچھ تو مزہ لیا، اس چٹ پٹی خبر کا، اور کچھ نے حیرت و غم و غصے کا اظہار کیا، البتہ پرنسپل نے سنجیدگی سے عابس کی حرکتوں کا نوٹس لیا اور وارننگ دی کہ اپنی حرکتیں درست کرے ورنہ کالج سے نام خارج کر دیا جائے گا، اتنی شدید وارننگ پر بھی عابس نے اپنے طور طریقے نہ بدلے، مگر نرم دل صندلین نے اس ڈر سے کہ ایک بچے کا مستقبل تباہ نہ ہو جائے، اس کا تعلیمی سلسلہ نہ رک جائے، اس نے کالج سے ریزائن کر دیا، وہ مزید بدنامی مول نہیں لینا چاہتی تھی اور نہ ہی عابس کا کیریئر تباہ کرنا چاہتی تھی، بطور ٹیچر وہ بے حد ہمدرد دل رکھتی تھی۔

صندلین نے دوسرے کالج کو جوائن کیا جو صرف گرلز کالج تھا، اس فیصلے کے بعد وہ کسی حد تک سکون میں آ گئی تھی۔

ارسل جو اس کا چچا زاد بھی تھا اور دوست بھی، وہ جاب کے ساتھ ساتھ شام کے اوقات میں ایک اکیڈمی بھی چلاتا تھا، اسے سائنس سبجیکٹ کے لئے ٹیچر کی ضرورت تھی، اس نے صندلین کو آفر کی جو اس نے مان لی، مگر یہ انکشاف بڑا بھیانک ثابت ہوا کہ عابس بھی اسی اکیڈمی میں پڑھتا تھا، صندلین کو دیکھ کر تو وہ کھل اٹھا، عابس پھر سے انہی حرکتوں پہ آ گیا، جن کی وجہ سے صندلین نے سابقہ کالج چھوڑا تھا۔

''عابس آخر تم ان فضول حرکتوں سے باز کیوں نہیں آتے؟'' وہ تنہائی میں اس پر برس پڑی۔

''کیوں تمہیں احساس نہیں ہو رہا کہ

تمہارے اس عمل سے مجھے کتنی ذلت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔'' ابھی تک صندلین کی فیملی کو اس بات کا علم نہ تھا اور نہ ہی ارسل جانتا تھا، مگر اب اندیشہ تھا کہ ارسل کو خبر ہو جائے گی اور پھر صندلین کے لئے مزید مشکلات پیدا ہوں گی، عابس کو کیا نقصان ہوگا وہ ابھی ناسمجھی کی وجہ سے ان باتوں کا ادراک نہیں رکھتا تھا۔

''میم کیا کسی سے محبت کرنا غلط بات ہے کیا؟'' اس کا لہجہ زخمی سا لگا تو صندلین کو یہ معاملہ عام نوعیت کا نہ لگا۔

''عابس محبت کرنا غلط نہیں ہے مگر ایک اسٹوڈنٹ کا اپنی ٹیچر سے اس نوعیت کی محبت کرنا غلط ہے۔'' صندلین چیخ کر بولی تھی۔

صندلین کا بس نہیں چل رہا تھا کہ عابس کا سر پھاڑ دے، اسے خود پر بھی غصہ تھا کہ وہ ایک بچے کو سمجھا نہیں پا رہی تھی۔

''کیوں کیا غلط ہے؟'' وہ جیسے ازل کا ڈھیٹ تھا۔

''تمہیں میری اور اپنی عمر کا فرق معلوم ہے، میرے اور اپنے رشتے کا احساس ہے، پورے دس سال کا فرق ہے۔'' صندلین نے حقائق سامنے رکھتے ہوئے اسے ہوش میں لانے کی سعی کی، وہ جانتی تھی کہ بہرحال وہ ایک بچہ ہے جسے نرمی سے سمجھانے کی ضرورت ہے۔

''عابس، محبت ہم عمروں کی اچھی لگتی ہے، استاد شاگرد کا رشتہ تو عزت و احترام یا پھر عقیدت کا تعلق ہوتا ہے، یوں فلمی ہیرو بن کر اپنی ٹیچرز کو لو لیٹر لکھنا کہاں کی عقلمندی ہے۔'' وہ اسے یوں سمجھا رہی تھی جیسے نادان سا بچہ راستہ بھول کر آ گیا ہے، اب صندلین کا فرض ہے کہ بطور رہبر و رہنما وہ اس بھٹکے ہوئے بچے کی اندھیری راہوں میں روشنی پھیلائے، اسے بتائے کہ ان راہوں پر چلنے کا انجام کتنا برا ہے، جن پر چل کر سوائے افسوس، پچھتاوے، ذلت و رسوائی کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

''اپنی تعلیم کا سوچو، اپنے والدین کا سوچو، یہ سوچو کہ ابھی تم اپنے پیروں پر بھی کھڑے نہیں ہوئے، یہ سوچ یہ جذبہ محض حماقت کے سوا کچھ نہیں ہے۔''

''یہ محبت نہیں بس وقتی وابستگی ہے، دیوانگی ہے، پاگل پن ہے اور کچھ نہیں۔'' ایک مخلص اور دردمند استاد ہونے کے ناطے وہ جو کر سکتی تھی اس نے کیا، نصیحتوں کے دیپ جلائے، غلط و صحیح کا فرق بتانے والی شمعیں روشن کیں، درست سمت جانے والے راستوں کی نشاندہی کی۔

مگر نہیں، جوں جوں وقت گزرتا رہا، صندلین کو احساس ہونے لگا کہ عابس ان پرخطر راہوں پر نکل چکا ہے جس کی کوئی منزل نہیں۔

''میں نے خود کو سمجھانے کی بہت کوشش کی ہے مگر یہ سب میرے بس میں نہیں ہے، آپ کو بھولنا میرے اختیار میں نہیں ہے۔'' وہ سرتاپا اس کی محبت میں غرق ہو چکا تھا، اس کو ڈوبتے سے بچانے کے لئے صندلین نے آخری کوشش کرتے ہوئے عابس کے والدین سے رابطہ کیا، اسے لگا کہ وہ تنہا اس الجھن کو نہیں سلجھا سکتی، اسے کسی کا ساتھ چاہیے اور عابس کے والدین اس کا بہترین ساتھ دے سکتے ہیں، اس نے شروع سے لے کر اب تک کی ساری کہانی انہیں بتائی تو وہ انگشت بدنداں رہ گئے۔

''اس قسم کی حرکات وہ بھی اپنی ٹیچرز کے ساتھ۔'' خالدہ بھی اپنے بیٹے کی حماقتوں پر دنگ رہ گئیں۔

عابس جس جذبے کو محبت کا نام دے رہا تھا، زمانہ اسے حماقتوں کا نام دے رہا تھا، کوئی اس پر ہنس رہا تھا تو کوئی حیران پریشان ہو رہا تھا، مگر

کوئی بھی اس کے جذبے کو سراہ نہیں رہا تھا۔

”بیٹا کیوں اس قسم کی حرکات کرکے اپنے لئے اور ہمارے لئے جگ ہنسائی مول لے رہے ہو؟“ نعیم صاحب سخت برہم تھے۔

جس کو زمانہ جگ ہنسائی کہہ رہا تھا عابس اسے محبت و عشق کا نام دے رہا تھا، وہ اپنی محبت کا دفاع تنہا کر رہا تھا، بالکل تنہا، یہاں تک کہ وہ بھی اس کے ساتھ نہیں تھی جس کے لئے وہ زمانے بھر سے ٹکرا رہا تھا، بلکہ سب سے بڑی مخالفت تھی عابس کی، اس کے نزدیک عابس کی محبت محض احمقانہ حرکات تھی جو اس عمر میں ہر جذباتی نوجوان کرتا ہے اور بعد میں پچھتاتا ہے، مگر عابس کو کسی کی پرواہ نہیں تھی، وہ اس جذبے سے دست بردار ہونے کے لئے بالکل تیار نہ تھا، اس نے صندلین پر واضح کر دیا تھا کہ وہ اس معاملے میں بے اختیار ہے، مکمل بے بس۔

اس سے ٹکرانے والا تھک جائے گا، مگر وہ باز نہیں آئے گا، کوئی اسے روکنے کی کوشش میں خود کو خواہ مخواہ ہلکان کرے گا، جو اسے سمجھائے گا وہ بس اپنے الفاظ اور وقت ضائع کرے گا، وہ کسی صورت بھی قدم واپس موڑنے والا نہیں تھا، صندلین کو ان شدتوں کا علم ہوا تو کسی حد تک اسے یہ مسئلہ نفسیاتی سا لگا، اس نے عابس کے ماں باپ کو مشورہ دیا کہ وہ کسی ماہر نفسیات سے رابطہ کریں، سو کچھ عرصہ عابس ماہر نفسیات کے زیر علاج رہا مگر فائدہ نہ ہوا، وہ تو کسی لاعلاج مریض کی طرح ہو گیا تھا جس پر ہر دوا بیکار اور بے اثر رہتی ہے۔

جب صورتحال کی سنگینی اور واضح ہونے لگی تو عابس کے والد نعیم صاحب میدان عمل میں کود پڑے، وہ مزاج کے قدرے سخت تھے، ایک حد تو انہوں نے عابس کی یہ تمام حرکات برداشت کیں اور پھر وہ سختی پر اتر آئے۔

”تعلیم کا ہوش نہیں اور پڑ گئے ہیں جناب محبت و عاشقی کے چکروں میں اور عشق بھی اپنے سے بڑی لڑکی سے فرمایا جا رہا ہے۔“

دن رات اٹھتے بیٹھتے لعن طعن کا سلسلہ شروع ہوا تو ماحول اور کشیدہ ہو گیا، یہ مسئلہ دردسر بن گیا تھا، نعیم صاحب کو کسی صورت گوارا نہ تھا کہ ان کے بیٹے کا مستقبل تباہ ہو، اکلوتے بیٹے کی تعلیم ادھوری رہ جائے، انہوں نے بیٹے کے لئے بہت اونچے خواب دیکھ رکھے تھے اور وہ نالائق ان فضول بے کار کاموں میں پڑ کر ان کے خوابوں کو چکنا چور کرنے پر تلا تھا۔

”یہ اب پیار اور نرمی کے قابل نہیں رہا، اس کو اب بات ڈنڈے کے زور سے سمجھانی پڑے گی۔“ نعیم صاحب نے ڈنڈے کا استعمال اس شکل میں کیا کہ انہوں نے عابس کو ایبٹ آباد کے بورڈنگ ہاؤس میں زبردستی داخل کروا دیا۔

نہ آئے روز صندلین سے آمنا سامنا ہو گا اور نہ ہی وہ ان فضولیات میں پڑے گا، بورڈنگ میں دو ماہ تو سکون سے گزر گئے، تو صندلین سمیت عابس کے گھر والے سمجھے کہ شاید محبت کا بھوت اتر چکا ہے، اسے عقل آ گئی ہے مگر یہ ان کی خام خیالی تھی، دوری نے اسے اور بھی دیوانہ بنا دیا تھا، تعلیم سے اس کا دل اچاٹ ہو گیا، ذہنی طور پر وہ اتنا منتشر ہوا کہ وہاں کے اسٹوڈنٹ کے ساتھ لڑائی جھگڑے بڑھنے لگے تو مجبوراً بورڈنگ انتظامیہ نے اسے مزید اپنے پاس رکھنے سے انکار کر دیا۔

”سر! آپ کا بیٹا نفسیاتی مریض بن چکا ہے، یہ بورڈنگ کا ماحول خراب کر رہا ہے ایسے لڑکوں کی ہمارے پاس گنجائش نہیں۔“ عابس کے لئے تو پروانہ آزادی خوشی کا باعث تھا مگر صندلین

اور اس کے والدین کی جان پہ بن گئی۔

''صندلین میں آپ سے محبت کرتا ہوں اور اس محبت سے دست بردار ہونا میرے بس سے باہر ہے، میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' سب جو عابس کا فلسفہ محبت ہی دلی و ذہنی طور پر تسلیم کرنا پائے تھے کہ عابس نے شادی پہ تان توڑ کر سب کو حیران و پریشان کر دیا۔

''نہ تعلیم مکمل ہوئی، نہ اپنے پیروں پہ کھڑے ہوئے، برخوردار، کمانے کے قابل نہیں ہوئے اور چلے ہیں بیاہ رچانے۔'' نعیم صاحب تو عابس کا اعلان شادی سن کر جیسے آپے سے باہر ہو گئے، مگر عابس تو کسی بات کو سمجھنے پر آمادہ نہ تھا، صرف ایک ہی ضد تھی کہ صندلین سے شادی کرنی ہے اور بس، اس بس کے بعد تو وہ جیسے آنکھیں کان سب بند کر لیا کرتا تھا، کہ کسی کو دیکھے، نہ کسی کی سنے، اور نہ ہی کسی کی بات سمجھے، ہر طرح کی سختی کے علاوہ تمام سہولیات جن میں بائیک، موبائل فون، جیب خرچ، تعلیم کے لئے خرچہ تک بند کرنے کے حربے بھی نعیم صاحب استعمال کر چکے تھے مگر نتیجہ صفر رہا تھا، عابس کچھ بھی سمجھنے کی طرف نہیں آ رہا تھا، یہ ساری صورتحال صندلین کے لئے خاصی پریشانی کا باعث تھی، وہ جتنا مرضی عابس سے لاتعلق رہنے کی سعی کرتی اتنی ہی ناکام رہتی، تھک ہار کر دھیان اس کی طرف چلا جاتا، بطور استاد وہ بہت مخلص ہو کر سوچ رہی تھی کہ عابس نے اپنے ساتھ اچھا نہیں کیا، وہ یوں بیکار شغل میں پڑ کر اپنا مستقبل تباہ کر رہا ہے، تعلیم کے بغیر انسان کچھ نہیں، آج وہ یوں اسے ٹھکرا رہا ہے اور کل جب احساس ہوگا تو وقت نکل چکا ہو گا، تعلیم کے بغیر وہ کسی اچھے مقام و عہدے کو پا نہ سکے گا، مگر عابس کو ابھی ان باتوں کا شعور نہیں تھا۔

''سوچا ہے کبھی کہ میں عمر میں تم سے کتنی بڑی ہوں؟''

''کیا فرق پڑتا ہے۔'' انداز لاپرواہ سا تھا۔

''تمہیں نہیں لگتا کہ زمانہ تم پر ہنسے گا؟''

''میرا نہیں خیال، ویسے بھی میری زندگی ہے جیسے مرضی گزاروں، زمانے کو میری فکر میں گھلنے کی ضرورت نہیں۔''

''نہ تم نے تعلیم مکمل کی ہے، نہ اپنے پیروں پہ کھڑے ہوئے ہو اور یہ شادی محبت؟''

''محبت سے لوگ ان پڑھ بھی ہوتے ہیں، وہ بھی شادی کرتے ہیں، جیسے وہ لوگ سب کرتے ہیں میں بھی وہی سب کر لوں گا۔''

''یہ سب اتنا آسان نہیں ہے، ابھی خیالوں میں رہتے ہو جب عملی زندگی میں قدم رکھو گے تو پچھتاؤ گے۔'' یہ بحث بھی بیکار گئی تھی۔

صندلین کے خیال میں عابس بچہ ہے، وہ ان نزاکتوں کو نہیں دیکھ رہا اور نہ ہی سمجھ رہا ہے اب یہ اس کے بڑوں کا فرض بنتا ہے کہ وہ اسے سمجھائیں اسے ان نزاکتوں کا احساس دلائیں، مگر صندلین اس میں ناکام رہی تھی پھر اس نے ایک اور حربہ استعمال کیا، اس کا خیال تھا کہ اس کا نتیجہ کامیاب نکلے گا۔

''تم مجھ سے محبت کرتے ہو عابس، مگر میں نہیں، میں نے ہمیشہ تمہیں بچہ سمجھا ہے، مگر میں تم سے محبت نہیں کرتی اور نہ ہی تمہیں کبھی اس روپ میں دیکھنا چاہوں گی۔'' صندلین مضبوط لہجے میں بولتی ہوئی عابس کو ساکت کر گئی تھی، وہ جو سمجھ رہا تھا کہ اس کی دیوانگی صندلین کو ایک دن رام کر لے گی وہ بھی اس سے محبت کرنے لگے گی مگر صندلین کے الفاظ میں اس کے لئے محض تذلیل تھی، صندلین یہی چاہ رہی تھی کہ عابس اپنی ان فضول حرکات سے باز آ جائے، اور یہ سوچ کہ

جس کی محبت میں وہ اندھا ہوا جا رہا ہے وہ اسے کتنا ناپسند کرتی ہے، اس سے نہ تو محبت کرتی ہے اور نہ ہی اسے بطور شوہر قبول کرنے پر راضی ہے تو وہ کس بنیاد پہ یہ احمقانہ ضد کر رہا ہے، کیوں زمانے کو خود پر ہنسنے کا موقعہ دے رہا ہے صندلین دیکھ چکی تھی کہ عابس کا روشن چہرہ بجھ سا گیا تھا، اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی، کرب نے اس کے چہرے پر لکیریں کھینچ دی تھیں، صندلین مطمئن سی ہو گئی تھی کہ تیر نشانے پر لگا ہے اب عابس باز آ جائے گا مگر اگلی صبح سب کچھ الٹ پلٹ گیا تھا، عابس وہ کر گزرا تھا جس کی صندلین کو امید بھی نہیں تھی، اس نے اپنی نبض کاٹ لی تھی، وہ اس وقت کالج میں تھی جب عابس کی امی کا فون آیا تو وہ بھاگم بھاگ ہاسپٹل پہنچی، عابس کی حالت شدید خطرے میں تھی، ڈاکٹرز مایوس نظر آ رہے تھے۔

عابس نے صندلین کو ایک نئی الجھن میں گرفتار کر دیا تھا، اسے اندازہ تک نہیں تھا کہ وہ اس کی باتوں کو اس قدر منفی انداز میں لے گا، اسے اپنا آپ مجرم لگ رہا تھا، دل اندیشوں اور وسوسوں میں گھرا تھا کہ عابس کو اگر کچھ ہو گیا تو وہ خود کو کبھی معاف نہیں کر پائے گی۔

ڈاکٹرز نے اس کے بچ جانے کی نوید سنائی تو صندلین نے ایسا فیصلہ کر ڈالا جس کو سن کر سب حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہو گئے۔

''میں عابس سے شادی کے لئے تیار ہوں۔''

''یہ کیا جہالت ہے صندلین، تم ایک سر پھرے لڑکے سے شادی کرنے پر تیار ہو گئی ہو۔'' یہ ارسل تھا جو اس فیصلے کو سن کر چراغ پا ہو گیا تھا، اس کا دماغ غصے میں کھولنے لگا تھا کہ عابس کو جان سے مار دے۔

''یہ کیا فیصلہ ہے صندلین، وہ تو بچہ ہے، تم [illegible] عقل کرو، بچے کے ساتھ بچہ بن گئی ہو[illegible] صندلین کی والدہ اور عابس کی امی دونوں ایک زبان ہو گئی تھیں انہیں صندلین جیسی عقلمند اور سلجھی ہوئی لڑکی سے اس بیوقوفی کی توقع نہ تھی۔

''تم پچھتاؤ گی صندلین؟'' ارسل کے لہجے میں کرب تھا۔

''مجھے نہیں لگتا۔''

''زمانہ ہنسے گا۔''

''زمانے کا تو کام ہی ہنسنا اور باتیں کر[illegible] ہے۔''

''یہ جذبہ وقتی اور ناپائیدار ہو گا۔''

''جانتی ہوں۔''

''اس کا دل چند سال تو کیا چند مہینوں میں تم سے بھر جائے گا۔''

''معلوم ہے مجھے۔''

''پھر بھی صندلین، سب کچھ جانتے ہوئے بھی اندھے کنویں میں چھلانگ لگانے لگی ہو۔'' ارسل کا دماغ صندلین کے فیصلے نے ماؤف سا کر دیا تھا۔

''اگر تمہیں اس کی دیوانگی نے متاثر کیا ہے تو میں بھی تم سے شدید محبت کرتا ہوں۔''

''اگر وہ تمہیں اس لئے بھا گیا ہے کہ وہ تمہاری محبت میں جان سے گزر گیا ہے تو میں بھی تمہاری خاطر جان دینے کے لئے تیار ہوں، مگر پلیز صندلین یوں خود کو تباہ تو مت کرو۔''

صندلین یہ تو جانتی تھی کہ ارسل اس کا بہت مخلص دوست ہے مگر اس کی محبت کی شدتوں کا ادراک آج ہوا تھا، ارسل نے اپنا جذبہ دل میں چھپا رکھا تھا کہ کسی مناسب وقت میں اپنے جذبے کا اظہار کرے گا، مگر کیا خبر تھی کہ وہ انتظار کرتا رہ جائے گا اور صندلین کسی اور کے حق میں

فیصلہ سنا دے گی اور فیصلہ بھی اس کے بارے میں جو صندلین سے کئی برس چھوٹا تھا، جس کے ساتھ وہ چلے گی تو جگ ہنسائی کے سوا کچھ نہیں ملے گا، ارسل کی یہی کوشش تھی کہ صندلین اس فیصلہ کو ختم کر ڈالے، اس کے نزدیک صندلین کا فیصلہ محض احمقانہ پن تھا، وہ چاہ رہا تھا کہ حتی المقدور کوشش کر کے اسے بچگانہ عمل سے روک دے، زمانے کے سامنے رسوا نہ ہونے دے مگر صندلین کے آہنی ارادوں کے سامنے ارسل کو اپنا آپ بے حد کمزور سا لگنے لگا تھا، اپنی کوششیں ریت کی دیوار لگ رہی تھیں، جب ارسل اسے سمجھانے میں ناکام رہا تو آخری حل یہی سمجھ آیا کہ سارا معاملہ انکل ابراہیم (صندلین کے والد) کے سامنے رکھ دیا، وہ بخوبی جانتا تھا کہ انکل ابراہیم ہی صندلین کو قائل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

''یہ میں کیا سن رہا ہوں صندلین؟'' تیور بتا رہے تھے کہ بیٹی کو ایسا قدم اٹھا کر زمانے میں تماشہ بننے کی اجازت وہ ہرگز نہ دیں گے۔

''اپنے اسٹوڈنٹ سے شادی؟'' عینک کے شفاف عدسوں سے جھانکتی سنجیدہ آنکھیں صندلین کے مطمئن چہرے پہ جمی تھیں اس احمقانہ فیصلے کے ساتھ بیٹی کا یہ اطمینان اور اعتماد انہیں چراغ پا کر رہا تھا۔

مگر وہ ضبط کر رہے تھے، وہ اس فیصلے کے پیچھے بیٹی کی سوچ سے آگہی چاہتے تھے، ان کا دل و دماغ ابھی تک قبول نہیں کر رہا تھا کہ ان کی اتنی سمجھدار اور ذہین وفطین بیٹی اس قدر بیوقوفانہ قدم اٹھانے جا رہی ہے۔

''جی ابا'' جواب مختصر مگر اعتماد کے ساتھ دیا گیا تھا۔

''پاگل ہو گئی ہو؟'' وہ زندگی میں پہلی بار اپنی لاڈلی بیٹی پہ یوں چلائے تھے اور پھر جو ان کے منہ میں آیا وہ کہتے چلے گئے اور صندلین مکمل صبر کے ساتھ سر جھکائے سنتی چلی گئی۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ صندلین تم......'' شاید بول بول کر وہ ہلکان ہو چکے تھے یا پھر الفاظ ختم ہو گئے تھے، مگر غصہ ابھی بھی اپنی جگہ قائم تھا، چہرے کی سرخی، بھنوؤں کا تناؤ اور عرق آلود پیشانی بتا رہی تھی کہ وہ کس قدر ڈسٹرب ہوئے ہیں یہ سب جان کر، اور پھر یہ سب کچھ ان کی تجربہ شناس آنکھیں زمانے کی نظر سے اس فیصلے کو دیکھ کر خوفزدہ سی تھیں اس کا عکس عینک کے شفاف عدسوں میں سے واضح تھا۔

''یاد رکھیں صندلین، میرے جیتے جی ایسا کبھی نہیں ہو سکتا، میں تمہیں ہرگز یوں خود کو تباہ کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔'' گو کہ ابراہیم صاحب نے اپنا آخری فیصلہ سنا دیا تھا۔

صندلین کی کوئی بھی بات سنے بغیر، اس کی منطق سمجھے بغیر، چند اذیت بھری گھڑیاں یونہی چپ چاپ گزر گئیں، مگر صندلین اپنی بات کی وضاحت کرنا چاہتی تھی، وہ باپ کے سامنے اپنا موقف کھل کر رکھنا چاہتی تھی کہ اس فیصلے کی وجہ سے باپ بیٹی کے درمیان غلط فہمی جو کسی پل کی طرح آن کھڑی ہوئی تھی اسے دور کیا جا سکے۔

''بابا، ایسا کچھ نہیں جو آپ سمجھ رہے ہیں۔''

وہ دردمندانہ انداز میں کہتی ان کے قدموں میں آ بیٹھی اور اپنا دایاں ہاتھ ان کے جھریوں زدہ ہاتھ پہ رکھا جو غصے اور جوش کے مارے ابھی بھی لرز رہا تھا۔

''تو پھر یہ سب کیا ہے صندلین، تم آخر چاہتی کیا ہو؟'' وہ پھر سے بھڑک اٹھے اور ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ صندلین کے ہاتھ سے دور کر لیا، ان کی تئیں سمجھنے کی ضرورت صندلین کو تھی نہ کہ وہ انہیں فضول سی دلیلوں سے قائل کرے، وہ

سخت برہم نظر آرہے تھے مگر صندلین ان کی برہمی نظر انداز کرتے ہوئے ہولے سے مسکرا دی، وہ اپنے باپ کو جانتی تھی جو اس کے لئے فکر مند تھے اور ایک باپ اپنی بیٹی کے لئے ایسے ہی احساسات رکھتا ہے وہ ان کی پریشانی بخوبی سمجھ رہی تھی، ابراہیم صاحب کو بیٹی کے چہرے کی مطمئن مسکراہٹ بے حد عجیب سی لگی تھی۔

صندلین نے کچھ الفاظ ترتیب دیئے، اپنے لہجے کو مضبوط کیا، اپنی دلیلوں کے ہتھیار پکڑے اور پورے اعتماد کے ساتھ کھل کر اپنے دوست جیسے باپ کے سامنے اپنی سوچ رکھ دی، اس امید اور یقین کے ساتھ کہ اس کی ساری بات سن کر اور مقصد جان کر یہی واحد شخص دنیا میں ہوگا جو اس کی حمایت کرے گا اور وہی ہوا۔

''بابا، اگر ایک انسان ہمارے سہارے سے بھٹکنے سے بچ جائے گا تو اس میں برائی کیا ہے۔'' صندلین نے اپنا سارا مدعا بیان کرنے کے بعد ایک سوال (باپ کے سامنے رکھا تو اب کی بار ان کی آنکھوں میں غصے اور برہمی کا عکس نہ تھا، اب وہاں نرمی کا عکس واضح ہونے لگا تھا۔

''مگر بیٹا، یہ راہ اتنی آسان نہیں، ایک بار سوچ لو۔'' ان کا لہجہ مدھم پڑ چکا تھا، یقیناً صندلین انہیں قائل کرنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔

''بیٹا یہ لیبارٹری میں کیا جانے والا کوئی تجربہ نہیں کہ ایک غلط نتیجہ نکلا تو اگلے دن پھر دہرا کر درست کر لیا جائے۔'' ابراہیم صاحب نے بیٹی کو سائنسی انداز میں یہ نقطہ سمجھانے کی کوشش کی مگر بے حد نرمی سے، انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کی نرم دل بیٹی نے ایک انسانی زندگی کو بچانے کا بہت اچھا فیصلہ کیا ہے مگر راستہ بہت خطرناک چن لیا ہے، کانٹوں بھرا جس پہ چل کر ممکن ہے کہ صندلین کے پاؤں لہولہو ہو جائیں۔

''مجھے یقین ہے بابا، میرا تجربہ غلط نتیجہ نہیں دے گا، میرا مقصد اچھا اور میری نیت نیک ہے، بس مجھے آپ کا تعاون اور ساتھ چاہیے، وہ بھی ایک سال کے لئے۔'' صندلین ان کو مکمل طور پر قائل کر چکی تھی، اب کوئی چارہ نہیں تھا کہ بیٹی کا موقف جاننے کے بعد بھی وہ اسے تنہا چھوڑتے۔

ارسل کو علم ہوا کہ صندلین کو اپنے باپ کی حمایت حاصل ہو گئی ہے تو اس کا ایک پل بھی یہاں ٹھہرنا دشوار ہو گیا، اس ماحول میں اس کا سانس گھٹنے لگا تھا عابس کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اتر آتا تھا، اس سے پہلے وہ غصے میں کوئی جارحانہ قدم اٹھا لیتا، اس نے ملک چھوڑ کر باہر جانے کا فیصلہ کر لیا، نہ وہ یہاں ہوگا اور نہ ان تماشوں کو دیکھ کر اپنی جان جلائے گا۔

☆☆☆

''صندلین، پہلی بار آپ کو دیکھا تو آپ کا چہرہ دل و دماغ کو ایسا بھایا کہ دھیان کسی اور جانب ہٹنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔''

صندلین نا جانے کب تک ماضی کے جھروکوں میں اپنی سوچوں کے سنگ بھٹکتی رہتی اگر عابس کی آواز کمرے کے سکوت کو نہ توڑتی، ٹھنڈ بڑھنے لگی تھی، روم ہیٹر کے باوجود ٹھنڈک ہڈیوں میں سرایت کرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی، صندلین اپنا کافی کا کپ ختم کر چکی تھی، مگر عابس کا کپ ہنوز پڑا تھا، مگر وہ اب ٹھنڈا ہو چکا تھا، اس میں نہ دھواں تھا اور نہ ہی گرمائش۔

''کافی تو پی لیتے۔'' صندلین کا یکدم دھیان اس جانب گیا۔

''طلب نہیں تھی۔'' لہجے میں اداسی بھی غائب تھی اور بے زاری بھی، یوں محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کسی شے کی طلب سے بے زار ہو گیا ہے، اب سخت موسم میں اسے گرما گرم کافی کے کپ کی

طلب نہیں رہی، صندلین کو حیرت ہوئی مگر خاموش رہی۔

''مجھے لگا کہ مجھے آپ سے پہلی نظر والی محبت ہو گئی ہے۔'' عابس اپنے ہی دھیان میں بول رہا تھا۔

''میرے شام وسحر آپ کی یاد میں گزرنے لگے۔'' وہ صندلین کی طرف دیکھنے کی بجائے کمرے کی ہر چیز کو دیکھ رہا تھا، الفاظ افسردگی کا مظہر بنے تھے۔

''چند دن تک تو میں اس جذبے سے اور خود سے لڑتا رہا۔'' عابس نے ایک اچٹتی سی نظر صندلین کے صبیح چہرے پر ڈالی جو چیئر بیک کے ساتھ ٹیک لگائے کامل محویت سے اس کی بات سن رہی تھی، آج وہ عابس کو مکمل طور پر سننا چاہتی تھی اپنے تجربہ کی کامیابی کا اندازہ کرنا چاہتی تھی۔

''کوئی دنیا میں ایسا شخص نہیں تھا جس سے میں اپنی اذیت کے بارے میں بات کر لیتا، کوئی مشورہ لے لیتا۔'' انداز بتا رہے تھے کہ وہ اب بھی اس کیفیت اور اذیت کا عذاب محسوس کر رہا تھا جیسے ان دنوں میں محسوس کیا ہوگا۔

''مجھے لگتا تھا کہ میں ایک ہی انسان کے بارے میں سوچ سوچ کر پاگل ہو جاؤں گا۔'' صندلین کے یاقوتی لبوں پہ مدھم سی مسکراہٹ ابھری اور پھر معدوم ہو گئی۔

''جب میں خود سے لڑ لڑ کر تھک گیا اور آپ کا تصور بھی دل و دماغ سے نکالنے میں ناکام رہا تو۔''

''تو تمہارے دل نے اعلان محبت کر دیا۔'' وہ بات مکمل کرنے ہی والا تھا کہ صندلین نے مسکراتے ہوئے اس کا فقرہ مکمل کر ڈالا تو عابس نے نہایت سنجیدگی سے اثبات میں سر ہلایا۔

''مجھے محسوس ہونے لگا کہ آپ سے میری وابستگی وقتی نہیں، میرا جذبہ عام نہیں، میری محبت عشق کی حدوں کو چھونے لگی تھی۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کر پرسکون انداز میں بول رہا تھا، اس کے لہجے میں تھکاوٹ نمایاں تھی یوں جیسے کہ کوئی بے مقصد کسی بلند و بالا پہاڑ یا چوٹی پہ چڑھ گیا ہو اور اب اترنا پڑا ہے تو تھکاوٹ سے برا حال ہو گیا ہو۔

''مجھے لگا کہ آپ مجھے نہ ملیں تو میں پاگل ہو جاؤں گا، یا پھر۔''

''مر جاؤں گا۔'' صندلین نے ایک بار پھر سے اس کی من کی بات مسکراتے ہوئے اچک لی تھی، جس میں وہ خوب ماہر تھی، اب کے عابس کے چہرے پر بھی مدھم مگر دوستانہ سا تبسم ابھرا تھا اس نے ایک بار پھر سے اثبات میں سر ہلا کر صندلین کی بات سے اتفاق کیا۔

''پھر ضد، زور زبردستی کے بل بوتے پہ میں نے آپ کو حاصل کر ہی لیا۔'' عابس اس حالت جنون میں بھی اس بات سے اچھی طرح واقف تھا کہ یہ ضد اس کی انفرادی تھی اس کی محبت یکطرفہ تھی۔

کوئی بھی اس کا حامی نہیں تھا یہاں تک کہ وہ لڑکی صندلین بھی نہیں جس کی خاطر وہ ساری دنیا کو آگ لگانے والا ہوا ہے، سب اس کی مخالفت کر رہے تھے اور وہ اپنی ضد پر قائم تھا، کیونکہ اپنی آرزو سے دستبردار ہونا اس کے لئے موت کے مترادف تھا۔

''مجھے لگتا تھا کہ اگر آپ نہیں تو زندگی میرے لئے بیکار ہے۔'' یہ آخری بات کہہ کر عابس نے گہرا سکون بھرا سانس سپرد فضا کیا اور سر جھکا لیا، دونوں کے درمیان چند لمحوں کے لئے گہری خاموشی چھا گئی تھی وہ شاید مزید بولنے کے لئے الفاظ ترتیب دے رہا تھا اور صندلین کی خاموش نگاہیں اس کے چہرے پر جمی تھیں۔

''مگر اب مجھے لگتا ہے وہ سب میرا پاگل پن تھا۔'' اپنی سوچوں کے بھنور سے نکل کر وہ دوبارہ سے ساحل پہ آن کھڑا ہوا تو صندلین اس کی منتظر نظر آئی، مگر اس بار اس کے چہرے پر بھی بے چینی تھی شاید حقائق کو جاننے کی، عابس کے بدلاؤ کی وجہ جاننے کی، آخر یہ انقلاب آیا تو کس طرح آیا، اسے تو سب سمجھا سمجھا کر تھک چکے تھے مگر وہ تو سمجھنے پر آمادہ نہ تھا، مگر اب کس حادثے نے، کس واقعے نے اس کی سوچ کے انداز کو بدلا؟ صندلین کو یہ جاننے کا تجسس تھا۔

اس سے پہلے کہ دونوں کے درمیان پھر سے بات چیت کا سلسلہ شروع ہوتا، صندلین کے فون کی بیل بج اٹھی، اس نے نمبر دیکھا تو ارسل کا تھا، ارسل صندلین سے ناراض اور مایوس ہو کر کینیڈا چلا گیا تھا، مگر آج شاید دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر رابطہ کر بیٹھا تھا۔

''فون ریسو کر لیجیے صندلین۔''

صندلین جو اسی شش و پنج کا شکار تھی کہ فون ریسو کرے یا نہ، عابس نے اسے یہ کہہ کر حیرانی میں مبتلا کر دیا تھا، بات بھی حیرانی والی تھی کہ عابس اسے کہہ رہا تھا کہ ارسل سے بات کرے جو ارسل کا نام سننا گوارا نہ کرتا تھا، جتنی نفرت ارسل کو عابس سے تھی اس سے کہیں زیادہ نفرت عابس ارسل سے کرتا تھا مگر آج تو عابس حیران پہ حیران کیے جا رہا تھا۔

مختصر سی گفتگو کے بعد فون بند ہو چکا تھا مگر صندلین نے اچھی طرح سے محسوس کیا تھا کہ ارسل کے لہجے میں بے پناہ دکھ اور شکوے تھے، وہ ابھی بھی خفا تھا مگر کال صرف یہ جاننے کے لئے کی تھی کہ صندلین اس حماقت سے باز آ گئی ہے یا نہیں، مگر یہ معلوم ہو جانے کی دیر تھی کہ عابس اس وقت بھی اس کے آفس میں موجود ہے ارسل نے غصے سے فون بند کر دیا۔

''بڑا ظلم جذبہ ہے یہ محبت، اس میں لا حاصلی کا خوف انسان کو نڈھال کر دیتا ہے، اس کے لئے دونوں جہاں اِدھر اُدھر ہو جاتے ہیں، ہر خوشی بے معنی و بے مقصد ہو کر رہ جاتی ہے، اور دل ویران جزیرہ سا بن کر رہ جاتا ہے، ادھورے خواب اور تشنہ آرزوؤں کا جزیرہ۔'' عابس کے بھیگے نم الفاظ کمرے کی فضا میں بلند ہوئے تو صندلین سنجیدہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی تھی اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ عابس پہلے سے بہت بدل گیا تھا، اس کے اندر سے شوخی کا عنصر مفقود ہو گیا تھا، اب وہ بہت گہری گہری باتیں کرنے لگا تو بالکل مختلف روپ میں نظر آیا تھا، نا جانے حالات و واقعات نے آگہی کے کون سے در اس پر کھول دیئے تھے کہ وہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ میچور لگنے لگا تھا، یقیناً یہ الفاظ اس نے ارسل کے بارے میں کہے تھے یعنی اسے ارسل کے شکستہ جذبات اور احساسات کا ادراک بڑی باریک بینی سے ہو گیا تھا۔

''ارسل صاحب کو بھی ان کی خوشیاں جلد مل جائیں گی۔'' اپنے الفاظ سے نمی اور بھیگا پن نکالتے ہوئے وہ بہت گہرے انداز میں بولتا ہوا صندلین کو حیرت میں مبتلا کر گیا تھا، ایک لمحے کے لئے صندلین کو لگا کہ عابس نے شادی سے انکار صرف ارسل کی وجہ سے کیا ہے، پہلی بار اس کے گیان نے اس کی صحیح رہنمائی نہ کی تو وہ الجھ سی گئی۔

''عابس تم نے مجھ سے شادی سے انکار کیوں کیا ہے؟'' وہ اپنی بے چینی پر قابو نہ پا سکی تو بول اٹھی۔

صندلین کے استفسار پہ دونوں کے درمیان چند لمحوں کا سکوت قائم رہا، عابس ٹیبل کے شفاف

شیشے سے صندلین کا عکس کچھ دیر کے لئے دیکھتا رہا۔

''اس لئے میم صندلین، کہ میں دنیا والوں کو خود پہ ہنسنے کا موقع نہیں دینا چاہتا، میرے اندر یہ سننے کا حوصلہ نہیں ہے کہ میں نے اپنی ماں یا بڑی بہن کی عمر کی لڑکی سے شادی کر لی ہے اور اس کے علاوہ بہت سی احساس کمتریاں۔'' بہت عرصے بعد عابس نے پھر سے اسے میم صندلین کہہ کر احترام کی باؤنڈری لائن اپنے اور صندلین کے درمیان کھینچ کر اسے ایسا خوش کُن احساس بخشا کہ بے اختیار صندلین کی آنکھیں بھیگ گئیں، خوشی اور مسرت ستاروں کی طرح اس کی آنکھوں میں جھلملانے لگیں، وہ سننا چاہتی تھی آج عابس کو اس کے احساسات، اس کے جذبات، اس کے دل کی آواز۔

''میں غلط تھا، میری سوچ غلط تھی، میرا آپ کو زبردستی اس فیصلے پہ مجبور کرنا بالکل غلط تھا، میم صندلین۔'' ضبط نے جواب دے دیا تو عابس کی آنکھوں سے اعتراف بھرے آنسو نکل پڑے۔

''آپ ٹھیک تھیں، ممی پاپا ٹھیک تھے، میرے دوست بھی ٹھیک کہتے تھے، اور اور۔'' وہ باقاعدہ رونے لگا تھا بالکل چھوٹے بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر، یہ منظر صندلین کو غم زدہ کر گیا۔

''Calm down piease Aabis۔''

اسے اپنا اسٹوڈنٹ یوں کمزور بچوں کی طرح روتے ہوئے اچھا نہیں لگ رہا تھا، وہ تو اسے مضبوط دیکھنا چاہتی تھی، جیسے وہ چند ثانیوں پہلے مضبوط اور میچور سا لڑکا نظر آ رہا تھا، مگر پھر صندلین نے اسے رونے دیا۔

کچھ دیر، کچھ پل۔

وہ روتا رہا۔

سسکتا رہا۔

صندلین اسے غمگین آنکھوں سے دیکھتی رہی۔

اسی اثناء میں نیکسٹ پیریڈ کی بیل بج اٹھی، تو عابس جیسے ہوش کی دنیا میں لوٹ آیا۔

''میم آپ کا پیریڈ ہوگا، آپ کو کلاس لینے جانا ہوگا، میں اب چلتا ہوں۔'' وہ آنکھوں کو ہاتھوں کی پشت سے رگڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

''رکو عابس، نہیں آج مجھے کلاس نہیں لینی، صرف تمہیں سننا ہے۔'' صندلین اطمینان بھرے لہجے میں بولتی عابس کو ہمیشہ کی طرح بہت خاص لگی تھی۔

''میم اسٹوڈنٹ آپ کے منتظر ہوں گے۔'' عابس کو لگا وہ صندلین کا ٹائم ضائع کر رہا ہے۔

عابس سچ مچ بہت بدل گیا تھا، وہ بہت حساس اور باریک بین ہو گیا تھا، کہاں پہلے وہ جذباتی سا لڑکا جو صندلین کے نظر انداز کرنے پر سخت خفا ہوتا تھا وہ اپنی مصروفیت کا عذر بیان کرتی تو وہ مشتعل ہو جاتا تھا۔

''مجھ سے زیادہ اہم ہیں آپ کے اسٹوڈنٹ؟'' ہر بات پہ وہ یہ جتانا فرض سمجھتا تھا کہ وہ صندلین کا منگیتر ہے، صندلین کی پہلی ترجیح صرف اور صرف عابس کی ذات ہونی چاہیے اور اس بات کو سمجھانے کے لئے وہ اکثر مس بی ہیو کر جاتا تھا۔

مگر آج وہی عابس تھا جو اسے کلاس لینے کا کہہ رہا تھا، کہ آپ کے اسٹوڈنٹ منتظر ہوں گے، میں پھر کسی روز آ جاؤں گا۔

''نہیں عابس آج میرا سب سے اہم اسٹوڈنٹ مجھ سے اپنے دل کی بات کرنے آیا ہے، آج میرا وقت تمہارے لئے ہے ڈیئر۔'' صندلین شیریں لہجے میں بولی تھی۔

کبھی وہ بھی وقت تھا کہ عابس کی باتیں اسے سخت زہر لگتی تھیں اس کا دل چاہتا تھا کہ کانوں میں روئی ٹھونس کر کالج جایا کرے، تاکہ قریب سے گزرتے عابس کی معنی خیز سرگوشیاں نہ سن پائے، اسے عابس کی باتیں سوائے بکواس کے اور کچھ نہ لگا کرتی تھیں، مگر آج وہ سننا چاہتی تھی۔

''کیا پوچھ سکتی ہوں کہ اس تبدیلی کی وجہ کیا ہے عابس۔'' صندلین جاننا چاہتی تھی آخر بپھرے ہوئے سمندر کا دھارا کیسے بدلا۔

صندلین ابھی تک اسی مغالطے میں مبتلا تھی کہ عابس صرف صندلین اور ارسل کے درمیان سے نکل جانا چاہتا ہے، عابس کے دل میں یہ بات گھر کر گئی تھی کہ اس کی صندلین سے محبت یکطرفہ ہے وہ صندلین کو چاہتا ہے مگر صندلین اسے نہیں چاہتی۔

یک طرفہ محبت مار ڈالتی ہے۔
روح کا عذاب بن جاتی ہے۔
رتجگوں کا سبب بن جاتی ہے۔
خون کے آنسو رلاتی ہے۔

''یہ احساس دل کو چیر دیتا ہے کہ ہم کسی کو بے پناہ چاہتے ہیں اور اس کی توجہ کا مرکز کوئی اور ہے، اس کے لئے ہم نہیں کوئی اور اہم ہے، ہم جسے چاہتے ہیں وہ کسی اور کو چاہتا ہے، ہماری دعاؤں میں وہ ہے اور اس کی دعاؤں میں کوئی اور ہے میڈم۔'' وہ اکثر بڑے دلگیر لہجے میں کہتا تو صندلین کھلکھلا کر ہنس پڑتی۔

''واہ جی، شاعر ہو گئے ہیں جناب۔''

صندلین کو لگا کہ شاید یکطرف محبت کے فلسفے نے عابس کو یوں عاجز اور بے بس کر ڈالا ہے کہ اس نے اپنی راہیں جدا کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

''آپ کو یاد ہو گا کہ میں آپ سے پارک، پبلک پلیسز اور اوپن ایریاز پر ملنے سے کترانے لگا تھا۔'' عابس نے اچانک یہ سوال صندلین کے سامنے رکھا تو اس نے بناء بولے اثبات میں سر کو جنبش دی۔

''آپ کا ساتھ ایسی جگہوں پر میرے لئے وحشت بن جایا کرتا تھا۔'' عابس کی آنکھیں اس سے بھی متوحش سی لگی تھیں۔

''کیوں؟''

''لوگ ہم پر فقرے کستے تھے ہمارا مذاق اڑاتے تھے، ہمیں ساتھ دیکھ کر قہقہے لگایا کرتے تھے، ہمارا ایج ڈیفرنس دیکھ کر کانوں میں کھسر پھسر کیا کرتے تھے۔''

''کیسے فقرے؟'' صندلین نے بھی یہ سب نوٹ کیا تھا مگر اسے عابس کے کترانے کی وجہ سمجھ نہیں آتی تھی، وہ جو ہمیشہ نہایت جوشیلے انداز میں آؤٹنگ کا پروگرام بناتا تھا وہاں جا کر بجھ سا جاتا تھا، وہ اس قدر مضطرب سا ہو جاتا تھا کہ اس کے چہرے کی ہنسی غائب ہو جاتی تھی۔

''ڈیٹ پر لانے کے لئے برخوردار یہ اماں جی ملی تھی، کوئی اپنی ہم عمر ساتھ لے آتے۔''

''ارے یہ لڑکا تو پاگل لگتا ہے مگر یہ آنٹی تو کچھ عقل کر لیتی۔'' ایسے تضحیک آمیز جملے سن کر عابس کا دل چاہتا کہ وہ ایک زوردار گھونسہ مار کر لوگوں کا منہ توڑ دے، مگر کتنے لوگوں کا اور کس کس کا، بھلا لوگوں کی زبانوں کو کوئی پکڑ سکا ہے۔

''میم مجھے اس وقت یہ لگتا تھا کہ میں نے اپنے ہاتھ ساتھ آپ جیسی معقول لڑکی کو بھی دنیا والوں کے سامنے تماشا بنا دیا ہے۔'' عابس کے لہجے میں افسوس گھلا تھا۔

اس سب کا تجربہ صندلین کو بھی ہو چکا تھا وہ یہ سب پہلے سے ہی جانتی تھی مگر اس کا مقصد یہی

تو تھا کہ عابس خود عملی زندگی میں یہ سب دیکھے، تصورات و خیالات سے نکل کر حقیقت کی دنیا کو پرکھے، وہ کسی کے سمجھانے پر جو نہیں سمجھ رہا وقت اسے اچھی طرح سے سمجھا دے گا، ایسے بہت سے موقعوں پر صندلین کو لوگوں کے تمسخر بھرے جملے سننے پڑے، مگر وہ یوں انجان بن جاتی تھی جیسے یہ الفاظ اس کی سماعتوں کی پہنچ سے دور ہیں۔ جانتے بوجھتے وہ بہری بن جاتی تھی، کیونکہ سننے کی ضرورت عابس کو تھی اور وہ یہی چاہتی تھی کہ ایک سال کے دوران وہ ایسے تجربات سے گزرے اور فیصلہ کرے۔

”شرم نہیں آتی بچے سے افیئر چلاتے ہوئے۔“

لوگ تو انجان تھے وہ تو بس پتھر لے کر زخمی کرنا جانتے تھے سو صندلین بے قصور ہوتے ہوئے بھی قصور وار ٹھہرائی جا رہی تھی۔ جانتی تھی بہت دشوار راہ کا انتخاب کیا تھا، بہت سے سنگ اس کے پیروں کو بھی زخمی کریں گے، مگر اسے اس راہ سے گزرنا تھا عابس کے لئے۔ اس کے مستقبل کے لئے، سو وہ خاموشی اور صبر سے دیکھتی اور چپ رہتی، عابس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سب نوٹ کرتی، مگر کچھ نہ پوچھتی، کیوں وہ یہی چاہتی تھی کہ عابس سب دیکھے اور کسی نتیجے پر پہنچے، تاکہ کل کے دکھوں اور پچھتاؤں سے بچ سکے۔

”یہ سب کچھ اتنا آسان نہیں تھا، جتنا میں سمجھ رہا تھا، واقعی خوابوں اور خیالوں کی دنیا دلفریب ہوتی ہے مگر حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔“ تجربے سے گزر کر عابس کو اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ سب ایک دوبار نہیں ہو گا بلکہ ساری زندگی اسے یہ سب برداشت کرنا ہو گا۔

یہ تلخ حقیقتیں اسے بیزار کر دیتی تو وہ صندلین جیسی حسین و جمیل لڑکی کے ساتھ کے

باوجود تمہارا رہتا۔

''یعنی ایسی ہی کسی بات پر تمہاری اس رات پارٹی میں دوستوں سے لڑائی ہوئی تھی نا عابس۔'' صندلین کو وہ رات آج بھی یاد تھی اسے جھگڑے کی نوعیت تو معلوم نہ تھی مگر عابس کا اس قدر مشتعل ہونا پریشان کر گیا تھا۔

''جی!''

''بات ہوئی کیا تھی آج تو بتا دو۔'' صندلین مسکرائی۔

''میرے دوستوں نے مجھے طعنہ دیا تھا کہ آپ کی کمائی پر عیش کرنے کا، آپ جاب کرتی ہیں اور میں ابھی تعلیم حاصل کر رہا ہوں، اور ممی پاپا سے جیب خرچ لیتا ہوں، بس اسی بات پر جھگڑا ہو گیا۔'' عابس اداسی سے بولا تھا۔

''اور'' عابس نا جانے کیوں جھجک کر چپ ہوا تو صندلین سخت کوفت زدہ سی ہوئی۔

''اور......؟''

''اور یہ کہ اکثر ریسٹورنٹ کا بل بھی آپ ہی ادا کرتی تھیں، میرے سارے دوست میرا خوب مذاق اڑاتے کہ میم کی کمائی پر خوف عیش ہو رہے ہیں۔'' عابس نے کہتے ہوئے نظریں چرائیں تھیں۔

''میرے پاس تو اتنے پیسے نہیں ہوتے کہ میں آپ کے لئے کوئی اچھا سا گفٹ خرید سکتا۔'' عابس نے آخر دل کی بات کہہ ہی ڈالی تھی۔

عابس نے ان تمام پہلوؤں پر بہت ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کیا تھا، بہت سے ذلت آمیز لمحات نے اسے نئے نئے تجربات سے روشناس کروایا تھا، وہ اپنی منگیتر کے لئے ایک گفٹ تک تو خرید نہیں سکتا، کل کو وہ عملی زندگی میں دیگر خرچے کیسے پورے کرے گا، اس کی تو ابھی تعلیم بھی مکمل نہیں ہوئی تھی اور بغیر اچھی تعلیم کے اسے اچھی جاب کیا ملنی تھی، اسے تو عیش و عشرت کی عادت تھی، کیا ساری زندگی یونہی وہ صندلین کے ٹکڑوں پہ پلتا رہے گا اور یونہی دنیا والوں سے طعنے سنتا رہے گا۔

یہ کیسی محبت ہو گی اور کہاں کا عشق ہو گا کہ زندگی میں سوائے افسوس اور پچھتاوے کے کچھ نہ ہو گا۔

عابس کے دوستوں نے تو اس بات کو طعنہ ہی بنا لیا تھا، کہ عابس نے صندلین کا انتخاب کیا ہی اس لئے ہے کہ وہ کمائے بھی اور میاں کو پالے بھی۔

عابس اٹھ کھڑا ہوا، شاید دل کی ہر بات کہہ چکا تھا اس کا اندر بہت ہلکا ہو چکا تھا، آنکھوں پہ لگی جذبات کی عینک اتار کر حقیقت پسندی سے دیکھنا شروع کیا تو سب بہت صاف اور واضح نظر آنے لگا تھا۔

''میں بھی آپ جیسی اچھی لڑکی کا دل نہیں دکھانا چاہوں گا، میرا غلط فیصلہ نہ صرف مجھے بلکہ آپ کو بھی اذیت دے گا، مجھے کوئی حق نہیں کہ اپنی نام نہاد محبت کا علم بلند کرتے ہوئے زندگی کو دکھوں سے بھر دوں۔''

''ہر جذبہ محبت نہیں ہوتا اور نہ ہی ہر وابستگی عشق کہلاتی ہے، وقتی لگاؤ جنون کو اکثر ہم جیسے لا ابالی لڑکے سر پر سوار کر کے نہ صرف اپنی زندگیاں مشکل میں ڈال لیتے ہیں بلکہ دوسروں کے لئے بھی مشکلات کھڑی کر دیتے ہیں۔''

عابس جا چکا تھا مگر صندلین ابھی بھی ساکت بیٹھی انہی باتوں کے اثر میں گھری تھی، عابس کو احساس ہو چکا تھا کہ اپنے جنون کے ہاتھوں اس نے صندلین کو خواہ مخواہ پریشانی میں ڈال دیا ہے، زندگی اتنی بھی ارزاں اور بے وقعت نہیں ہوتی کہ اسے بیکار جنون اور جذباتی پن کی

نذر کر دیا جائے، صرف جینا اپنے لئے نہیں ہوتا دوسروں کو بھی خوشی سے جینے دینا چاہیے، یہی صندلین کا مقصد تھا جو عابس کو ایک سال کے اندر سمجھ آچکا تھا۔

☆☆☆

برقی قمقموں سے سجا ہال مہمانوں سے بھرا ہوا تھا، آج صندلین اور ارسل کی شادی تھی، رخصتی کا وقت ہو چکا تھا مگر صندلین کسی خاص مہمان کی آمد کی منتظر تھی۔

صندلین کا ہونہار اسٹوڈنٹ عابس آج اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے انگلینڈ جا رہا تھا، مگر جانے سے پہلے اپنی مہربان ٹیچر اور دوست صندلین کی شادی میں شرکت کرنی تھی، زندگی کے گہرے تجربے سے گزر کر اسے اپنے بڑوں کی باتیں سمجھ آ گئی تھیں، اسے اس بات کا شعور حاصل ہو گیا تھا کہ زندگی اتنی بیکار شے نہیں جسے فضول مشاغل کی نذر کر دیا جائے، زندگی کی تو قدر کرنی چاہیے نا کہ عمر بھر کے پچھتاوے مول لیئے جائیں۔

''بیٹا اور کتنی دیر ہے؟'' ابراہیم صاحب بار بار صندلین سے رخصتی کا پوچھ چکے تھے، مگر وہ عابس کی آمد کی شدت سے منتظر تھی۔

اس کے بائیں پہلو میں بیٹھا ارسل آج بہت خوش تھا، صندلین نے شادی کا فیصلہ اس کے حق میں دے کر سارے گلے دور کر دیئے تھے اور ابراہیم صاحب جن کے تعاون سے صندلین نے یہ سارا سفر طے کیا تھا انہیں اپنی بیٹی کی سوچ پر فخر تھا کوئی اس حد تک بھی اپنے اسٹوڈنٹ کی خیر خواہی کر سکتا ہے، یہ تجربہ ان کی بیٹی نے انہیں کروایا تھا۔

سیاہ پینٹ کوٹ میں ملبوس وہ خاص مہمان پورے طمطراق کے ساتھ آ گیا تھا جس کی نگاہیں منتظر تھیں عابس کے وجیہہ چہرے پر خوشی چمک رہی تھی، صندلین اسے دیکھ کر مسکرائی تو عابس بھی مسکرایا تھا، صندلین ہی تو تھی جس نے زندگی کو مسکرانا سکھایا تھا۔

آج عابس تنہا نہیں تھا، کوئی تھا اس کے ساتھ بہت ہی خاص جس کی رفاقت عابس کے چہرے کو خوشی اور طمانیت بخش رہی تھی جس کا ساتھ اس کے لئے باعث ندامت نہیں تھا۔

رانیہ، وہی لڑکی تھی جس کو صندلین نے اس کے ساتھ ریسٹورنٹ میں دیکھا تھا۔

''تعارف نہیں کرواؤ گے؟'' صندلین شوخی سے پوچھ رہی تھی۔

''میم یہ رانیہ ہے میری دوست اور میری ہونے والی ہم سفر بھی۔'' عابس دلکشی سے مسکرایا تھا۔

رانیہ اس کی بات پر جھینپ کر رہ گئی تو صندلین اور ارسل دونوں مسکرائے تھے۔

''اچھا تو یہ وجہ تھی تمہارے بدلنے کی؟'' صندلین مصنوعی خفگی سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''نہیں میم، وجہ تو آپ تھیں جس نے مجھے قرینہ محبت سکھا دیا، جس کے مطابق اپنی منزل پاؤں گا اور رانیہ اس سفر میں میرا ساتھ دے گی۔'' عابس تشکر آمیز لہجے میں بولا تھا۔

صندلین کی آنکھیں بھیگ گئیں، وہ دل ہی دل میں خدا کی شکر گزار تھی جس نے بہت کچھ غلط کو سب اچھا بنا دیا، کسی کی زندگی سنور گئی تھی، صندلین نے ارسل کی طرف دیکھا جو اسی کی طرف متوجہ تھا، نگاہیں ملنے پر دونوں مسکرائے تھے اور زندگی تو نام ہے مسکرانے اور مسکراہٹیں بانٹنے کا۔

☆☆☆

# حالِ دل سنائیں کس کو

فرحت انصاری

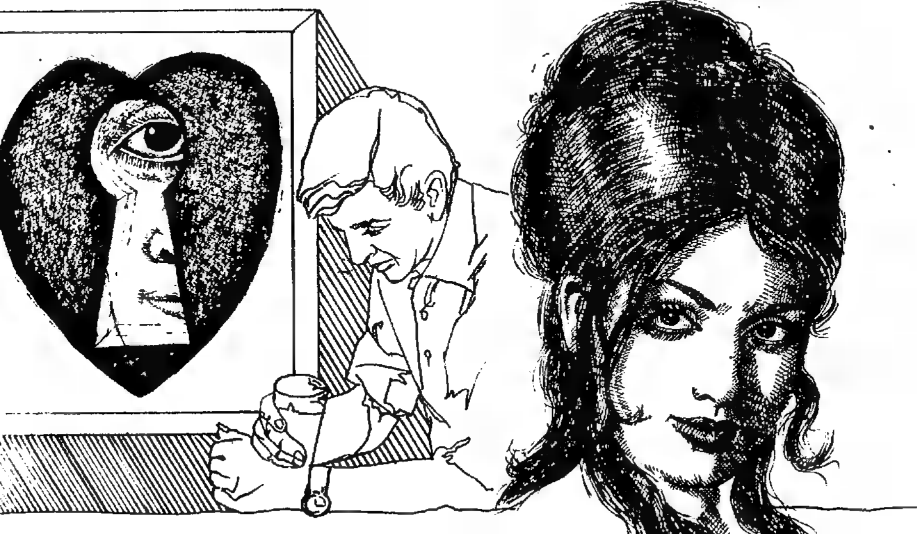


موسم کی حدت بڑھتی ہی جا رہی تھی، اخیر اپریل کے دن تھے سورج بدستور آگ بگولہ ہوا جا رہا تھا اور اس کا مزاج موسم کے بدلتے تیور کے زیر اثر لوگوں میں بھی سماتے جا رہے تھے۔ بڑو روٹ بس سے اتر کر سڑک کراس کر کے ذیلی گلی میں داخل ہوئی زاریہ کا موڈ بھی سخت بگڑا ہوا تھا۔ وہ گھر تک کا آدھا سفر بس میں کھڑا ہو کر طے کر کے آئی تھی۔ بریرہ نے اس کے لیے سیٹ ریزرو کی تھی (وہ بس میں پہلے سوار ہوئی تھی) مگر اس کی سیٹ ایک ''زبردست معرکے'' کے نتیجے میں چھن گئی تھی۔ انجانی جھگڑالو لڑکی نے عجب دھونس و رعب سے سیٹ پر یوں قبضہ کیا کہ وہ دونوں بیچارگی بھری صورت لئے اسے خفگی بھرے غصے سے گھورتی ہائیں ہائیں کرتی رہ گئی تھیں اور وہ دونوں سخت جھگڑے کے بعد ناکام رہی تھیں نتیجتاً اسے بریرہ سے سیٹ شیئر کرنا پڑی تھی اس کا بس چلتا تو وہ اس کی کٹ لگا دیتی۔

بغلی گلی میں جڑتے ہی اپنے انتظار میں نگاہیں فرشِ راہ کیے اجنبی پر پڑیں۔ وہ کئی ماہ سے اپنی ''ڈیوٹی'' نہایت جانفشانی سے سرانجام دے رہا تھا۔ زاریہ کے چہرے پر کئی سلوٹیں اور بریرہ کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ ابھر آئی تھی۔ اس نے کن اکھیوں سے زاریہ کو دیکھا جس کا پہلے سے تپا چہرہ مزید گلنار ہو گیا تھا۔

وہ ضبط کیے آگے بڑھ گئی تھیں۔ جاذب کا کام ختم ہو گیا تھا۔ وہ پلٹا اور اپنی راہ ہو لیا تھا۔ بریرہ نے اک چور نگاہ پیچھے ڈالی۔ وہ غائب تھا۔ وہ محبوب کی دید سے سیراب ہو کر لوٹ چکا تھا۔ اسے کبھی تو اس پر غصہ آتا اور کبھی ترس۔ اس کی طرف زاریہ نے کبھی نگاہ بھی نہ اٹھائی تھی۔ وہ ہر بار ماتھے پہ تیوریاں چڑھائے قریب سے گزر جاتی۔ مگر وہ اپنے ارادوں میں مضبوط تھا۔ اس کی

## مکمل ناول



محبت لٹاتی نرم نگاہیں بھی زاریہ کا دل موم نہ کر سکی تھیں۔ بریرہ کو ایک بار پھر سے ترس آنے لگا تھا۔

''کیا تم نے گھر نہیں جانا ہے؟'' بریرہ کا گھر پہلے آتا تھا۔ سوچوں میں محو نہ جانے کب گھر آیا۔ اسے خبر ہی نہ ہو سکی تھی۔ زاریہ نے غصّے مگر نرمی سے اسے چونکایا تھا۔ وہ سر اثبات میں ہلاتی جھپاک سے کھلے گیٹ سے اندر گھس گئی۔ زاریہ تاسف سے سر ہلاتی آگے بڑھ گئی۔



''بدتمیز...... گھمنڈی'' وہ چاہ کر بھی نہ جانے اس لڑکی کو کیوں نہ بھلا پا رہی تھی۔ وہ ضدی یا انا پرست نہ تھی۔ اسے کھڑے ہو کر آنا ہی ناگوار نہ گزرا تھا۔ وہ بارہا رش کی بناء پر کھڑے ہو کر سفر کر چکی تھی۔ اسے اجنبی لڑکی کی تکبر بھری دھونس اور بارعب رویہ نہ بھول پا رہا تھا اور رہی سہی کسر ''صاحب جی'' نے پوری کر دی تھی۔ اسے یہ نام بریرہ نے دیا تھا۔ وہ اسے چھیڑنے کیلئے نہیں استعمال کرتی تھی اور وہ حسبِ توقع ہر بار چڑ جاتی تھی۔ زاریہ نے بیگ میز پر رکھا اور شوز اتھا کر غصّے سے زیرِ لب بڑبڑاتے ہوئے بیڈ کے نیچے پھینکے تھے۔

''اٹھاؤ نیچے سے۔ پھر صبح کہو گی مما میرے شوز نہیں مل رہے ہیں'' خالدہ بوتل کے جن کی مانند فوراً آن دھمکیں۔ انہیں بچوں کا سلمان پھیلانا سخت ناپسند تھا۔

''مما پلیز'' وہ اس کے بگڑے موڈ کی پرواہ کیے بغیر اسے ڈپٹنے لگیں تو وہ روٹھی ہو گئی تھی۔

''مجھے دو منٹ میں تمام چیزیں اپنی جگہ پر نظر آنی چاہئیں'' خالدہ اس کی منت ورو کھے لہجے سے رتی بھر مرعوب ہوئے بغیر اسے وارن کرتی ہوئی پلٹ گئی تھیں۔

''کھانا ٹیبل پہ لگ گیا ہے تم جلدی آجاؤ''

زاریہ دوپٹہ اتار کر گولے کی صورت بیڈ پر اچھالنے کو تھی کہ دفعتاً ماں کے پلٹنے پر اس کے ہاتھ تیزی سے کمر کے پیچھے سرکے تھے۔ ''زاریہ تم کب بڑی ہو گی'' تین بھائیوں، باپ اور دادی کی سرچڑھی لاڈلی ونخریلی زاریہ اعجاز اس پل ماسٹرز کی طالبہ بالکل نہ لگ رہی تھی۔ وہ تفکر سے ماتھا پیٹ کر رہ گئی تھیں۔ وہ دن رات اس کی شادی کی فکر میں گھلتی رہتی تھیں مگر یہاں تو کسی کو کوئی پرواہ ہی نہ تھی۔ زاریہ کے چہرے پہ پل بھر کو خفت پھیل گئی تھی۔

''بس۔ بس۔ اب تم نہ شروع ہو جانا۔ سُدھر جاؤ تم مجھے تمہاری شادی کی فکر کھائے جاتی ہے۔ ارے ابھی کون سا ہماری بچی کی عمر نکلی جا رہی ہے'' دادو نے بروقت خفیف سی زاریہ کو امدادی کمک پہنچائی تھی۔ انہوں نے بہو کو اس کے انداز و لہجے میں بری طرح غصّے سے بگڑتے ہوئے ٹوکا تھا۔ خفیف پڑتی زاریہ دادو کی شہ پر گردن اکڑا کر ماں کے سامنے محبت کے ڈونگرے برساتی دادو سے چمٹ گئی تھی۔ دادو کی سخت خشمگیں گھورتی نظریں بہو پر جمی تھیں۔

''اماں...... اسے بڑا ہونے دیں اسے کل کو اپنے گھر بھی جانا ہے''۔ خالدہ کو ساس کی بات سر پر لگی اور پاؤں پہ بجھی۔ وہ بجائے اسے سمجھانے کے اسے شہہ دے رہی تھیں۔

''ہاں ہاں۔ تو میں کون سا اسے جانے سے روک رہی ہوں۔ خیر سے اپنے گھر جائے گی وقت آنے پر۔ تم نے تو یونیورسٹی سے لوٹتے ہی اس کی کلاس لینا شروع کر دی۔ انہوں نے بہو کے دل کی بات پڑھتے ہوئے فوراً جواباً ڈپٹا۔ وہ ساس کی متوقع مزید ڈانٹ سے بچنے کو خاموشی سے کھسک گئی۔ ''زاریہ۔ بچے تمہاری ماں غلط تو نہیں کہتی ہے۔ تم سمجھدار ہو پھر اتنی بچگانہ حرکتیں

کیوں کرتی ہو'' اماں جان نے محبت سے ساتھ لپٹی پوتی کو سمجھایا۔ ان کی یہی خوبی تھی۔ وہ بہو کے سامنے پوتی کا ساتھ دیتیں مگر بعد میں اسے سمجھاتی بھی تھیں۔ ''دادو مجھے بہت غصہ آیا ہوا تھا'' اس نے جھٹ سے ساری بات مختصراً بتاتے ہوئے کہا تھا۔

''کوئی بات نہیں ہے تم چینج کر کے آؤ۔ ہم ٹیبل پہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں'' اماں جان محبت سے اس کا ماتھا چوم کر اسے تاکید کر کے پلٹ گئی تھیں۔

''جی دادو'' وہ سعادتمندی سے سر ہلاتی کپڑے چینج کرنے لگی۔ اسے ابھی مما کو بھی منانا تھا۔

''مما ناشتہ'' ابو اور تینوں بھائی کے کام پر جانے کا وقت گیارہ بجے تھا۔ گھر میں وہی جلد جاتی تھی۔ سو صبح کا وقت گھر میں پرسکون ہوتا تھا۔ وہ تنہا ناشتے کے لئے اتنی ہڑبونگ مچاتی کہ مما کو دس بندوں پہ بھاری لگتی۔ خالدہ اس کے لئے ناشتہ تیار کر رہی تھیں مگر اس کی بار بار کی پکار نے ان کے ہاتھ پاؤں پھلا رکھے تھے اور وہ ہڑبڑی میں جلد کام نہ نمٹا پا رہی تھیں۔ زاریہ نے کچن کی طرف منہ کر کے ہانک لگائی اور ناشتہ کے انتظار میں ڈائننگ ٹیبل کو ''ڈھولکی'' بنا لیا تھا۔

''زاریہ! تمہیں پتہ ہے نا کہ تمہارے ابو نیند خراب ہونے پر کتنا غصہ کرتے ہیں'' اعجاز صاحب نیند کے رسیا تھے وہ نیند بگڑنے پہ بے حد غصہ ہوتے تھے۔ شوہر کی مزاج آشنا خالدہ نے بعجلت ناشتہ تیار کر کے خفگی سے بگڑتے ہوئے زاریہ کے سامنے ناشتہ رکھا تھا۔

''مما آج میرا پریکٹیکل ہے مجھے دیر نہ ہو جائے'' زاریہ نے مما کی خفگی سے مرعوب ہو کر نرمی سے انہیں مناتے ہوئے لاڈ سے ان کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

''زاریہ! تم کب سمجھدار ہوگی'' انہیں روایتی ماؤں کی طرح بیٹی کی فکر دامن گیر ہوئی تھی۔ وہ تو اس کے ماسٹرز کے سخت خلاف تھیں۔ وہ اس کی شادی کرنا چاہتی تھیں جبکہ زاریہ ماسٹرز کی خواہاں تھی اور ہوا بھی وہی۔ اس نے گھر بھر کو اپنا ہامی بنا کر یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا تھا۔ خالدہ نے نرمی سے اس کے سر پر چپت لگائی تھی۔ ان کے ماتھے کی تیوریاں کم ہو چکی تھیں۔ آخر وہ ان کی بھی تو لاڈلی تھی۔

''مما مجھے صرف ماسٹرز کمپلیٹ کر لینے دیں پھر آپ جہاں چاہیں میری شادی کر دیجئے گا'' زاریہ ماں کی دلی خواہش سے آگاہ تھی۔ اس نے خالدہ کا گال چومتے ہوئے چہرے پر دنیا بھر کی مسکینیت طاری کر لی تھی۔ ان کے ہاں لڑکیوں کی جلد شادی کا رواج تھا۔ اس کی ہم عمر تمام کزنز میرڈ تھیں۔ خالدہ کا پریشان ہونا فطری تھا۔

''تمہیں دیر نہ ہو جائے'' ناشتہ سامنے رکھا ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ دونوں کو وقت گزرنے کا احساس نہ ہوا۔ خالدہ نے ٹائم دیکھتے ہوئے اسے تیزی سے گزرتے وقت کا احساس دلایا تھا۔ وہ ہنستے ہوئے بعجلت ناشتہ کرنے لگی تھیں۔ اسے ابھی بریرہ کو بھی لینا تھا۔



''جاذب بیٹا! اٹھو آٹھ بج گئے ہیں''۔ سارہ نے اپنے ہونہار سپوت کو خفگی سے ڈپٹتے ہوئے کھڑکی کے پردے برابر کئے تھے۔ سنہری کرنیں موقع کی تلاش میں تھیں۔ وہ فوراً استحقاق سے اندر گھس آئیں۔ ''آٹھ'' وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھا تھا۔ کرنٹ سا جسم میں دوڑ گیا تھا۔ وہ اگلے پل واش روم میں تھا۔ سارہ اس کی ''فرمانبرداری'' بھری مستعدی پہ قدرے متحیر تھیں وہ اس کا بستر

درست کر رہی تھیں کہ وہ بعجلت باہر نکل کر تیزی سے بالوں میں برش کرنے لگا۔ وہ باپ کے لاکھ سمجھانے پہ بھی اپنی ذمہ داریوں سے کترا رہا تھا کہ اسے ابھی لائف انجوائے کرنا تھی۔ وہ ایم بی اے کے بعد فارغ تھا۔ احمد نے اسے خصوصاً بزنس فیلڈ میں تعلیم دلوائی تھی تا کہ وہ اپنا بزنس بآسانی سنبھال سکے۔ مگر وہ آفس کا نام سنتے ہی یوں بدکتا جیسے اسے کسی محاذ پر بھیجا جا رہا ہو۔ مگر کچھ عرصے سے صبح باقاعدگی سے کہیں جاتا تھا اور آدھ گھنٹے میں لوٹ آتا تھا۔ اس کی عجلت ظاہر کر رہی تھی کہ جیسے اس کا کوئی بہت اہم کام چھن رہا ہو۔

''مما آپ ناشتہ تیار کروائیں۔ میں آتا ہوں'' وہ پشت پہ ماں کی بھرپور تنقیدی نظریں محسوس کر رہا تھا جسے نظر انداز کرتا پلٹ کر انہیں ہدایت کرتا بائیک کی جابی اٹھا کر تیزی سے باہر نکلا تھا۔

''جاذب'' سارہ اسے روکتی تیزی سے باہر نکلیں مگر وہ لاؤنج کراس کر چکا تھا۔ وہ پیچھے لپکیں۔

''کدھر جا رہے ہو، برخوردار!'' نہ جانے اس کی قسمت خراب تھی یا پھر اسے نئے ''امتحان'' کا سامنا کرنا تھا کہ خلافِ توقع پاپا لان میں اخبار کا مطالعہ کر رہے تھے۔ انہوں نے کڑے تیوروں سے اسے گھورتے ہوئے استفسار کیا تھا۔ ''پاپا۔ وہ میں۔ ہاں میں ذرا ارسلان کی طرف جا رہا تھا'' وہ جتنا جلدی میں تھا اسے اتنی ہی دیر ہو رہی تھی۔ دل دیدِ محبوب سے محرومی کا سوچ کر ہی ہراساں ہوئے جا رہا تھا۔ وہ باپ کی خفگی سے دبے دبے ہولے سے منمنایا تھا۔

''ذرا اس سے احساس ذمہ داری بھی سیکھ لو'' ارسلان اس کا بہترین دوست تھا اور اس نے ایم بی اے کے رزلٹ کا انتظار کیے بغیر ہی اپنے والد کا کاروبار سنبھال لیا تھا۔ وہ اسے نصیحت کر کے دوبارہ اخبار میں کھو چکے تھے۔ ''جی پاپا'' وہ بآسانی جان چھوٹنے پہ تشکر بھرا سانس لیتا بائیک گاڑیوں کے درمیان سے نکال لے گیا۔

''آپ نے اسے کیوں جانے دیا'' وہ گھر میں دو دو گاڑیوں کی موجودگی کے باوجود بائیک کی سواری کا شیدائی تھا وہ اس کی رش ڈرائیونگ سے واقف تھیں ان کا دل ہول اٹھا تھا۔ انہوں نے آتے ہی شوہر کو تشویش سے مخاطب کیا۔ ''تمہارا لاڈلا بھلا کسی کی سنتا ہے'' احمد کو ہمیشہ جاذب کی غیر ذمہ دارانہ حرکتوں کی وجہ ماں کا بے جا لاڈ پیار لگا تھا۔ وہ الٹا بیوی پر بگڑے۔ سارہ کے منہ کے زاویے بگڑ گئے۔ وہ مصلحتاً چپ سادھ گئیں۔ ان کا دل بیٹے کی واپسی تک یونہی ہولتا تھا۔



اسے پورا یقین تھا کہ وہ دیر ہونے پہ اس کا سامنا کرنا سے بچ جائے گی مگر وہ بریرہ کو لے کر جونہی گلی میں مڑی وہ بائیک پر بیٹھا منتظر نظریں فرشِ راہ کیے ہوئے تھا۔ اس پہ نظر پڑتے ہی بریرہ کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ اور زاریہ کے چہرے پر کوفت پھیل گئی۔ اس کا بس چلتا تو اس کا سر پھاڑ دیتی۔

جاذب لیٹ پہنچا تھا۔ اسے بالکل امید نہ تھی کہ وہ آج اسے دیکھ پائے گا۔ دل پہلی نگاہ میں اس پہ مر مٹا تھا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا، اسے ارسلان سے کوئی کام تھا چونکہ وہ سارا دن آفس میں ہونے کے باعث گھر میں نہ ملتا تھا اور رات کو پاپا کا دیر تک اس کا گھر سے باہر رہنا سخت ناپسند تھا سو وہ ان کی خفگی کے ڈر سے صبح ارسلان سے ملنے آیا تھا۔ اسے کیا خبر تھی کہ وہ لٹنے جا رہا ہے۔ دل کو اجنبی نازک اندام دلکش سی

لڑکی اتنا بھائی تھی کہ وہ روزانہ اپنے قدموں کو صبح اِدھر آنے سے نہ روک پاتا تھا۔ آج دیر ہوگئی تھی نظریں بے قراری سے بار بار گھڑی پہ جا ٹکتیں۔

لمحہ بہ لمحہ آگے بڑھتی سوئیاں اسے مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں میں لے جا رہی تھیں مگر وہ ''ہمت'' ہارنے والوں میں سے نہ تھا۔ وہ ڈھیٹ بنا اپنی مخصوص جگہ موجود تھا کہ دفعتاً اس کی اداس آنکھیں جگر جگر کرنے لگیں۔ بلاشبہ سامنے وہی تھی۔ غالباً وہ بھی آج لیٹ تھی۔ وہ اسے دیوانہ وار گھورے جا رہا تھا۔ اجنبی لڑکی ہمیشہ کی طرح اسے خفگی و نفرت سے گھورتی آگے بڑھ گئی۔

اسے رتی بھر بُرا نہ لگا تھا اسے اپنی محبت کی سچائی پہ یقین تھا۔ وہ پُر یقین تھا کہ وہ ضرور اس کا دل جیت لے گا۔ وہ دونوں جا چکی تھیں۔ جاذب نے بائیک سٹارٹ کر کے گھر کی راہ لی تھی۔



''ایکسیوزمی'' اس روز بریرہ کی طبیعت خراب تھی اسے تنہا آنا پڑا تھا۔ وہ اجنبی کا سوچ کر پریشان سی تھی۔ جاذب نے کبھی کوئی آواز کسی تھی اور نہ ہی کوئی اوچھی حرکت کی تھی سو دل کو کہیں یہ ڈھارس بھی تھی کہ کچھ نہ ہوگا، وہ تیز قدموں سے آگے بڑھ رہی تھی کہ پشت پہ اجنبی پکار پر ساکت رہ گئی تھی۔ وہ متحیر سی پلٹی۔ اجنبی آنکھوں میں محبت کا جہاں بسائے اسی سے مخاطب تھا۔

''جی'' وہ وجود میں اٹھتی غصہ کی تیز لہر بمشکل دباتی سنجیدگی سے مخاطب ہوئی تھی۔ اجنبی کو جرأت اسے تنہا دیکھ کر ہوئی تھی۔ اسے خود کو کمزور ظاہر نہ کرنا تھا۔ وہ مضبوط لہجے میں پُر اعتماد نظروں سے بولتی اسے سرتاپا گھور رہی تھی۔

''مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے'' جاذب جیسا ایجوکیٹڈ بندہ مدمقابل کی پُر اعتماد گھوری پہ لمحہ بھر کو گڑبڑایا تھا۔ وہ کوئی سڑک چھاپ یا لوفر ٹائپ کا لڑکا تھا۔ وہ دل کے ہاتھوں مجبور خواری جھیل رہا تھا۔ اس نے خشک ہونٹوں پہ زبان پھیرتے ہوئے اعتماد بحال کرنا چاہا تھا۔

''جی'' دوسری طرف ہنوز سردمہری تھی۔ اس کے وجود میں پھریری دوڑ گئی تھی۔ خوش شکل و خوشحال گھرانے سے تعلق رکھنے والا جاذب دل کے ہاتھوں آزمائش میں تھا۔ اسے حالِ دل عیاں کرنے میں دقت سی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا اعتماد مدِمقابل کے اعتماد نے متزلزل کر دیا تھا۔

''آئی لو یو'' اس نے آہستگی سے جھٹ یوں کہہ ڈالا جیسے وہ ذرا سی تاخیر پہ اسے ڈانٹ دے گی۔

''اچھا اور...... اور کچھ'' زاریہ نے پُر اعتماد طنزیہ مسکراہٹ اس پہ اچھالتے ہوئے اس کی محبت کے چیتھڑے اڑائے تھے۔ وہ ہونق صورت لئے بھونچکا رہ گیا تھا۔

''جی'' اس کے لب آہستگی سے پھڑ پھڑا کر رہ گئے تھے۔

''مسٹر آپ کئی ماہ سے میری راہ میں کھڑے ہوتے ہیں یہ محبت یا پھر ٹائم پاسنگ ہی ہو سکتا ہے۔ آپ کو کچھ اور کہنا ہے'' ظلم کی انتہا تھی اس کی سچی محبت کو ٹائم پاسنگ کا نام دیا جا رہا تھا۔ زاریہ کے سفاکانہ تبصرے نے اسے تڑپا دیا تھا۔

''یہ ٹائم پاسنگ نہیں ہے مس۔ میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں'' وہ تڑپ کر گویا ہوا تھا۔ وہ اس کا دن رات کا چین و قرار لوٹ چکی تھی۔ وہ اظہارِ محبت کے لئے تڑپ رہا تھا۔ اسے بمشکل موقع ملا تھا اور وہ تھی اس کی محبت کو پامال کرنے پہ تلی تھی۔ وہ محبت کے ساتھ خود بھی بے مول ہو رہا تھا۔

''اچھا۔ آج میرے ساتھ محبت ہے کل کسی اور سے ہوگی تو اسے بھی شادی کی آفر کرو گے'' وہ

محبت سے منکر نہ تھی اسے صرف جاذب کے سڑک چھاپ انداز پہ غصہ تھا۔ اسے لڑکیوں کو گھورتے لڑکے سخت زہر لگتے تھے۔ وہ ان کی محبت کو محبت مانتی ہی نہ تھی کہ محبت جیسا پاکیزہ رشتہ محبوب کی عزت و احترام سکھاتا ہے نہ کہ سڑکوں یا چوراہوں پہ کھڑے ہو کر محبوب کو گھور گھور کر اسے بے مول کرنا۔ زاریہ کا لب ولہجہ سراسر مذاق اڑانا اور توہین آمیز تھا۔

''ایسا نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو میں کب کا راہ بدل چکا ہوتا'' جاذب نے تڑپتے دل سے درد سے چور لہجے میں وضاحت کی دل ظالم کی لفظی سنگساری پہ ماتم کناں۔ محبت یوں اسے برباد کر دے گی اس نے کہاں سوچا تھا۔

''تو اب بدل لو مسٹر۔ مجھے تمہارے جیسے لوفر لڑکے سخت زہر لگتے ہیں کجا یہ کہ میں تم سے شادی کرلوں'' وہ سفاکی کی انتہا پہ تھی اس نے جاذب کی محبت کا مذاق اڑاتے ہوئے سختی سے انکار کر دیا تھا۔ وہ اپنی کہہ کہ جا چکی تھی۔ جاذب کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔ محبت اس کی زندگی سے نکلتی جا رہی تھی۔ دردِ دل اس کی رگیں چیرنے لگا تھا۔ ضبط کی لالی آنکھوں میں آنسوؤں کی جگہ لینے لگی تھی۔



''آئی تھنک۔ اس کی طبیعت خراب ہو گی''

وہ دونوں ڈیپارٹمنٹ کے گراؤنڈ میں پھسکڑا مارے بیٹھی Lays اور 7up سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔ خلافِ توقع رات بھر جاری رہنے والی بارش نے فضا سے ساری گرمی خود میں سمو کر خوشگواریت بھر دی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے موسمِ گرما چند روز کا مہمان ہو گا۔ جاذب دوبارہ ان کی راہ میں نہ آیا تھا۔ بریرہ ''کارروائی'' سے یکسر انجان تھی اسے جاذب میں دلچسپی محض زاریہ کو ستانے تک تھی۔ زاریہ کو لڑکیوں کا پیچھا کرنے والے لڑکے سخت زہر لگتے تھے بلکہ اس کا بس چلتا تو وہ سب لڑکوں کو دس دس جوتے روزانہ مارتی۔ بریرہ کو اچانک جاذب کا خیال آیا تو اس نے محض اسے ستانے کے لئے عادتاً اس کا ذکر چھیڑ ڈالا تھا۔

''کون بیمار ہے'' اپنا پسندیدہ فلیور کھاتی زاریہ نے Lays ختم ہونے پر برا سا منہ بناتے ہوئے چونک کر استفسار کیا تھا۔ ''وہی اپنا لوفر'' بریرہ نے معنی خیزی سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں شرارت سے چمک رہی تھیں۔ بریرہ بُرا مانے بغیر شوخی پہ مائل تھی۔

''اچھا وہ......'' زاریہ نے چڑے بغیر اس کا فلیور ختم کرتے ہوئے اطمینان سے ہاتھ جھاڑتے ہوئے کولڈ ڈرنک ہونٹوں سے لگالی۔

''کیا ہوا'' زاریہ کا نہ چڑنا اور اطمینان اس کے لئے تحیر کا باعث تھا۔ اس کی آنکھوں میں شرارت کی جگہ استعجاب پھیلنے لگا تھا۔

''میں نے موصوف کی ایسی طبیعت صاف کی ہے کہ وہ آئندہ کبھی نظر نہ آئے گا'' زاریہ کا اطمینان ہنوز قائم تھا۔ اس نے فخر سے گردن یوں اکڑائی جیسے کوئی عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہو۔

''تم بتاؤ تو...... آخر کیا ہوا ہے'' بریرہ کی دلچسپی دو چند ہو گئی تھی اس نے بے چینی و تجسس سے زاویہ کا بازو جھنجھوڑا۔

''تم نے غلط کیا ہے زاریہ'' زاریہ نے اسے ساری بات بتا دی اس نے سنتے ہی بھرپور تاسف کا اظہار کیا تھا۔

''کیا مجھے اسے پھولوں کا ہار پہنانا چاہیے'' زاریہ خفگی سے بگڑتے ہوئے بولی تھی۔ اسے بریرہ پر غصہ آرہا تھا جو اس آوارہ کا ساتھ دے رہی تھی۔

''اس نے نہ تو کبھی تم پر کوئی آواز کسی تھی اور نہ ہی کبھی کوئی اوچھی حرکت کی تھی زاریہ'' بریرہ نے آہستگی سے اس کا دفاع کیا وہ دوست کو بھی ناراض نہ کرنا چاہتی تھی۔

''اور وہ جو روزانہ تاڑتا تھا۔ اس کیا......'' زاریہ نے خفگی سے بگڑتے ہوئے فضا میں لڑاکا عورتوں کی طرح ہاتھ نچایا تھا۔

''زاریہ وہ تمہیں پرپوز بھی تو کر رہا تھا نا'' نہ جانے کیوں بریرہ کا تاسف کم ہی نہ ہو رہا تھا۔ وہ مسلسل جاذب کی وکالت کر رہی تھی۔

''تم جانتی تو ہو نا کہ مجھے ایسے لڑکے زہر لگتے ہیں'' زاریہ چڑ گئی تھی اسے بریرہ کا اس کا دفاع کرنا سخت ناگوار گزر رہا تھا۔

''وہ تمہیں چاہتا تھا اور محبت میں بہت طاقت ہوتی ہے اگر اس میں کوئی خامی ہوتی تو تم شادی کے بعد اسے اپنے آئیڈیل میں ڈھال لیتیں یار'' بریرہ نے سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے سمجھایا تھا۔

''میں نے سماج سُدھار کا ٹھیکہ نہیں لے رکھا ہے'' زاریہ کو اس کی ہر بات بُری لگ رہی تھی اور اس کا مسلسل جاذب کا دفاع کرنا بدتر۔

''اگر تمہارا شوہر شادی کے بعد یہی کچھ کرتا ہے تو تم کیا کرو گی'' بریرہ جیسی محبتوں سے گندھی نرم مزاج لڑکی سے محبت کی تذلیل و بے قدری برداشت ہی نہ ہو پا رہی تھی اس نے دوست کی دوستی تک فراموش کر کے حقیقت بھری سفا کی سے اسے معاشرتی زندگی کے ایک تاریک پہلو کی روشنی دکھائی تھی۔

''میں ایک لمحہ میں خلع لے لوں گی'' زاریہ انا پرست یا ضدی نہ تھی بس اسے اپنے اصولوں سے انحراف کرنا نہ آتا تھا۔ وہ کبھی یہ برداشت نہ کرتی کہ اس کا شوہر اس کی موجودگی میں کسی دوسری عورت کی طرف راغب ہو۔ اس نے خود کو ٹٹولتے ہوئے پوری سچّائی سے جواب دیا تھا۔ وہ محبتوں میں خیانت کی قائل نہ تھی۔

''واٹ نان سینس'' بریرہ اس کی سچّائی پہ دہل کر رہ گئی تھی۔ وہ لمحہ بھر کے لئے اپنی جگہ سن ہو گئی تھی۔ اسے زاریہ سے اس جواب کی بالکل توقع نہ تھی۔ وہ یک ٹک زاریہ کو تکنے لگی تھی۔

''چھوڑو یار! ہم بھی کیا فضول بحث لے کر بیٹھ گئے ہیں'' زاریہ نے ماحول میں پھیلی بدمزگی سمیٹنے کی کوشش کی تھی۔

''میری دعا ہے زاریہ! تمہیں محبتوں میں کبھی خیانت نہ سہنی پڑے۔ ورنہ تم نے جو بات کہی ہے۔ وہ عورت کے لئے ایک گالی بن جاتی ہے'' بریرہ نے تصور میں اسے مخاطب کرتے ہوئے دل کی گہرائی سے دعا دی تھی۔ زاریہ بُک سمیٹنے لگی۔ میڈم منزہ کا پریڈ سٹارٹ ہونے کو تھا۔ بریرہ سرد سانس خارج کرتی اپنا بیگ سمیٹنے لگی تھی۔



''برخوردار تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا'' جاذب خلافِ توقع مما اور پاپا کے ساتھ ناشتے کی ٹیبل پر موجود تھا۔ سارہ اس کی موجودگی پر متحیر مگر خاموش تھیں جبکہ احمد اسے دیکھتے ہی اپنا تحیر نہ چھپا سکے تھے۔

''پاپا...... میں آفس جوائن کرنا چاہتا ہوں'' اس نے خفت سے پھیکا پڑتے ہوئے آہستگی سے بتایا تھا۔ یہ احمد کے لئے دوسرا دھماکا تھا۔ وہ اور آفس...... وہ اسے ارسلان کی مثالیں دے دے کر تھک چکے تھے مگر اس کے کان پہ جوں تک نہ رینگی تھی پھر یکا یک یہ کایا پلٹ کیسے...... وہ تحیر کی انتہا پہ تھے۔

''برخوردار۔ تم اپنے حواسوں میں تو ہو نا'' احمد کی حیرت کم ہونے کا نام ہی نہ لے رہی تھی۔

وہ برملا اظہار بھی کر گئے تھے۔

''جی پاپا'' وہ خفت پر قابو پاتے ہوئے ہموار لہجے میں بولا تھا۔

''بس کریں آپ بھی۔ میرے بچے کے پیچھے ہی پڑ گئے ہیں'' سارہ اس کی مدد کو لپکیں۔ انہوں نے محبت سے اس کا ماتھا چوم ڈالا تھا۔ وہ تو اسے صبح سویرے دیکھ کر ہی خوشی سے نہال ہو رہی تھیں۔

''جاذب تم درانی صاحب سے مل لینا، وہ تمہیں سارا آفس ورک سمجھا دیں گے'' احمد بھی اس کے بدلاؤ پہ مسرور تھا۔ انہیں آفس سے دیر ہو رہی تھی وہ اسے تاکید کرتے اٹھ گئے تھے۔

''رکیں پاپا۔ میں آپ کے ساتھ جاؤں گا'' نہ جانے سورج کدھر سے نکلا تھا جو جاذب والدین کو حیران در حیران کرنے پر تُلا تھا۔ احمد کے ہاتھ ہی نہیں، وجود بھی بے یقینی سے ساکت رہ گیا۔ وہ اسے کئی بار دیر سے ہی سہی، آفس آنے کی تاکید کر چکے تھے۔ احمد سمجھے تھے کہ وہ لیٹ آئے گا اسی لئے وہ اسے تاکید کرتے دوبارہ ناشتہ کرنے لگے تھے۔

''اوکے بیٹا'' وہ اکلوتی اولاد کو ذمہ داریاں سنبھالتا دیکھنا چاہتے تھے۔ انہیں لگا کہ ان کی دیرینہ خواہش پوری ہو گئی ہو۔ وہ مسکراتے ہوئے محبت پاش نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئے۔ ''اللہ حافظ مما'' وہ ناشتہ کر کے ماں سے دعائیں سمیٹتا آگے بڑھ گیا۔ احمد بھی مسرور سے اس کے ہمراہ تھے۔



میں نے دیکھا اس کے عکس کو
چاند کی بدلیوں میں
تو کبھی تاروں میں چمکتا ہوا
میں نے ڈھونڈا اسے
ڈھلتی شاموں میں
تو کبھی اداس راتوں میں
میں نے چاہا اسے روشن صبح کی طرح
اور لگے افق کے بکھرے رنگوں کے جیسا
اس کی آنکھوں کے جلتے دیپ سے
میں نے روشن کی ہیں آنکھیں اپنی
اس کے گالوں پہ پڑتا خم
اس کی حسین مسکان کو
اتارا ہے دل میں، میں نے
لوگ بولے مجھے پاگل دیوانہ
میں حال تاؤں کس کو
میں حال سناؤں کس کو

''جاذب'' دور افق پہ سیاہ گھنے بادلوں کا راج تھا۔ ان کے تیور نہایت خطرناک لگ رہے تھے۔ فضا میں خوشگوار اور مسحور کن ٹھنڈی میٹھی ہوا رچی تھی دل و جان کی تراوٹ کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ بہت روز بعد اپنے کمرے سے باہر ٹیرس پر آیا تھا۔ وہ ریلنگ پہ دونوں کہنیاں ٹکائے دور افق پہ اٹکھیلیاں کرتے بادلوں کو تک رہا تھا۔ ذہن کے تمام رنگ بار بار بھٹک رہے تھے۔ وہ چاہ کر بھی اسے بھلا نہ پایا تھا۔ سارہ کی آواز پشت پہ ابھری تو وہ چونک کر پلٹا تھا۔

''مما آپ۔ مجھے بُلا لیا ہوتا'' وہ آہستگی سے کہتا ان کی طرف بڑھا۔ ''اٹس او کے بیٹا'' وہ محبت سے بولتی ٹیرس پہ رکھی چیئر پہ ٹک گئیں۔ جاذب جتنا لاپرواہ اور لاابالی تھا۔ اب اتنا ہی ذمہ دار اور احساس بن چکا تھا۔ وہ باقاعدگی سے آفس جاتا تھا۔ اس نے خود کو کام میں گم کر لیا تھا۔ اس کے تمام تر مشغولات ترک ہو چکے تھے۔ چہرے پہ ہمہ وقت پھیلی شوخی کی جگہ سنجیدگی اور آنکھوں کی شریر چمک کو اداسی نگل چکی تھی۔

''جاذب بیٹا! کیا تم ماں سے اپنا حالِ دل

چھپاؤ گے“ سارہ سے اس نے کبھی کوئی بات نہ چھپائی تھی مگر اب کچھ تو ایسا ہوا تھا جو وہ اتنا بدل گیا تھا۔ اس کی ساری روٹین بدل گئی تھی۔ وہ نوٹ کر رہی تھیں کہ جاذب صبح بائیک پہ کہیں جانا بھی چھوڑ چکا تھا۔ انہوں نے فرینڈلی لہجے میں گلہ کیا تھا۔ وہ لمحہ بھر کے لئے ٹھٹک کر ساکت رہ گیا۔

”نو مما۔ آپ غلط سمجھ رہے ہیں“ جاذب خود کو کمپوز کر کے لہجے میں مصنوعی بشاشت سمو کر بولا تھا۔ کبھی کبھار خود سے وابستہ بے لوث محبتوں کو بے وقعت ہوئی محبت کے لئے مطمئن کرنا مشکل امر ہوتا ہے۔ یہ جاذب کو پہلی بار محسوس ہوا تھا۔ سارہ کی کھوجتی نظریں مسلسل اس پہ مرکوز تھیں۔

”کیا واقعی“ انہوں نے جاذب کی مصنوعی بشاشت و مسکراتی نظروں میں جھانکا تھا۔ وہ اس کے لئے متفکر تھیں۔ انہیں اس کا یکسر بدلا رویہ ہضم نہ ہو رہا تھا۔

”جی مما۔ آپ بے فکر ہو جائیں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں“ جاذب نے بھرپور ایکٹنگ کرتے ہوئے ماں کو مطمئن کیا تھا۔

”او کے۔ تم نے آئندہ کا کیا سوچا ہے“ وہ تعلیم مکمل کر چلا تھا اور بزنس سنبھال چکا تھا۔ سارہ بہولانے کی متمنی تھیں۔

”مما۔ مجھے بزنس جوائن کیے کچھ عرصہ ہوا ہے۔ میں فی الحال بزنس پہ فوکس کرنا چاہتا ہوں“ جاذب ان کی بات کی تہہ تک پہنچ کر قطعیت و بے لچک لہجے میں بولا تھا۔

”تم نئی برانچ میں ٹرانسفر ہو گے تو میں تمہاری شادی کر دوں گی“ احمد کا اگلے سال نئی برانچ کھولنے کا ارادہ تھا۔ وہ جاذب کے کام اور ذمہ دارانہ رویئے پر بے حد مسرور تھے۔ سارہ نے سہولت سے اس کی بات مانتے ہوئے اسے سال بھر کی مہلت دی تھی۔

’او کے مما۔ ڈن، نیکسٹ ایئر آپ جہاں اور جس سے کہیں گے میں شادی کر لوں گا“ جاذب نے رضامندی دیتے ہوئے خوشدلی سے کہا تھا۔

”پھر ایسا نہ ہو۔ تمہیں کوئی پسند آ جائے“ سارہ نے شوخی سے اسے چھیڑتے ہوئے انجانے میں اس کے زخم ہرے کر دیئے تھے اس کے چہرے پہ سایہ سا لہرا گیا۔

”نو وے مما۔ ایسا کبھی ہو سکتا ہے“ وہ دردِ دل چھپاتا مصنوعی بشاشت سے ماں سے لپٹ گیا تھا۔ وہ اسے جتنا بھلاتا وہ اتنا ہی یاد آتی تھی مگر وہ اپنی تذلیل اور محبت کی ناقدری نہ بھولا تھا۔ اسی لئے اس نے کبھی دوبارہ اس کی راہ نہ روکی تھی۔

”اللہ سدا خوش رکھے“ انہوں نے خوشی سے ممتا بھری محبت سے اس کا ماتھا چوم لیا تھا۔ جاذب نے ان کا مان بڑھا دیا تھا۔ وہ مطمئن ہو چکی تھی۔ انہوں نے اطمینان سے مسکراتے ہوئے جاذب کو دیکھا تھا۔ وہ ہلکی پھلکی ہو گئی تھیں۔



”چاچا تمہیں شرم نہیں آتی ہے۔ تمہاری بیٹیاں مجھ سے عمر میں بڑی ہیں“ عبدالحمید عرف میدو کی شامت آئی تھی کہ اس نے یونیورسٹی سے لوٹتی زاریہ اعجاز کو آنکھ ماری تھی۔ وہ پینتالیس سال کا رنگین مزاج بندا تھا۔ وہ کالونی میں نیا شفٹ ہوا تھا اور اکثر صبح سویرے لڑکیوں کو ”تاڑتا“ پایا جاتا تھا۔ اس کی عادت سے سبھی تنگ تھے مگر کوئی اسے مروت ولحاظ میں کچھ نہ کہہ پاتا تھا۔ اس کی بیگم اس کا الٹ تھا۔ وہ بے حد ملنسار، مخلص و ہمدرد اور دوسروں کے دکھ درد میں بنا کہے شامل ہونے اور مدد کرنے والی عورت تھیں۔ زاریہ اس کی حرکت نوٹ کر کے

بھی درگزر کر رہی تھی۔ مگر اس نے آنکھ ماری تو زاریہ کا ضبط جواب دے گیا۔ وہ لڑاکا عورتوں کی طرح آستینیں اوپر چڑھاتی عبدالحمید ے سر جا چڑھی۔

''میں نے کیا کیا ہے'' وہ غلطی ماننے کی بجائے دیدہ دلیری سے اس کی آنکھوں میں جھانک کر خباثت سے مسکرایا تھا۔

''تم اپنی عمر دیکھو اور حرکتیں دیکھو'' زاریہ کی غم وغصہ کی انتہا سے آواز پھٹ گئی تھی وہ ادب لحاظ بالائے طاق رکھ کر نہایت بدلحاظی و بدتمیزی سے گویا ہوئی۔ اس کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ چاچا میدو کو کچا کھا جائے جو ڈھٹائی سے ہنسے جا رہا تھا۔ ارد گرد لوگ جمع ہونے لگے تھے۔ بریرہ ہجوم سے خائف زاریہ کا بازو کھینچ کر اسے گھسیٹنے لگی۔

''تم تو رکو میں ذرا آج چاچا سے نبٹ ہی لوں'' وہ غصہ کی انتہا پہ بریرہ پر ہی الٹ پڑی تھی۔ وہ خفیف ہو کر رہ گئی تھی۔ اس نے خفگی سے اپنا بازو چھڑایا تھا۔ زاریہ کے تیور ہی نرالے تھے۔ وہ بریرہ کو بھی یوں دوسروں کا خود کو گھورنا ناگوار گزرتا تھا۔ مگر ایسی نوبت کبھی نہ آئی تھی۔ بریرہ کے مارے گھبراہٹ کے پسینے چھوٹنے لگے۔ اس کا گھر قریب تھا اگر اس کا کوئی فیملی ممبر اِدھر اُدھر ہوتا تو گھر میں اسے سخت سست سننا پڑتی۔

''کیا ہوا ہے'' چاچا میدو کی بدقسمتی کہ اس کی بیوی گھر سے شور سن کر باہر نکل آئی۔ چاچا میدو کے ہوش گم ہو گئے وہ بھلے رنگین مزاج ہی مگر بیوی سے دبتا تھا۔

''آنٹی۔ آپ کے ہسبنڈ آپ کے بالکل الٹ ہیں'' زاویہ چاچا میدو کی پھیکی پڑتی رنگت دیکھ کر مزید شیر ہو گئی تھی۔

''لڑکی تم کیا کہہ رہی ہو'' چاچا میدو کی حالت پتلی تر ہوتی جا رہی تھی۔ انہوں نے بیوی کے کچھ کہنے سے پہلے بہادر بنتے ہوئے دبنگ لہجے میں زاریہ کو ڈانٹا تھا۔ وہ لڑکی ان کی ''عزت'' اچھال رہی تھی۔ وہ بھلا کیونکر خاموش رہتے۔

مسز صباء کی خشمگیں نگاہیں شوہر، ہجوم اور زاریہ پر پھسل رہی تھیں۔

''آنٹی ایکچوئلی بات یہ ہے کہ......'' زاریہ نے مجمع کی پرواہ کیے بنا سارا واقعہ گوش گزار دیا تھا۔ ان کے سر پر لگی اور تلوؤں پہ بجھی تھی۔

''آپ اندر چلیں ذرا'' انہوں نے انگارے چباتے ہوئے درشت لہجے میں شوہر کو مخاطب کیا تھا۔

''بیگم تم میری بات تو سنو'' وہ زاریہ کو خفگی و غصیلی نگاہوں سے گھورتے ہوئے بیگم کے پیچھے تیزی سے لپکے۔ ان کی اب خیر نہ تھی۔ مجمع دونوں کے منظر سے غائب ہوتے ہی چھٹنے لگا تھا۔ زاریہ فاتح کی مانند مسکراتی آگے بڑھ گئی۔ بریرہ اس پر متاسف نگاہ ڈال کر رہ گی تھی۔ اسے پہلی بار نہ جانے کیوں زاریہ سے خوف آیا تھا۔ بریرہ جھرجھری لے کر تیزی سے پیچھے لپکی تھی۔ مبادا وہ اسی کی کلاس لے لیتی۔ وہ اپنی پیاری دوست کے لئے دعا گو تھی۔



''بس خالہ تم جلدی سے کوئی اچھا سا رشتہ لے کر آ جاؤ بریرہ کے لئے'' فاطمہ کو بیٹی کی فکر رہتی تھی۔ وہ روایتی ماؤں کی طرح بڑی بیٹی بیاہے بغیر چھوٹی بیٹیوں کو نہ بیاہنا چاہتی تھیں۔ انہیں دن رات اوپر تلے کی چار بیٹیوں کی اٹھتی اُٹھان اور خوبصورتی وحشت زدہ رکھتی تھی۔ انور نے انہیں جونہی بریرہ کی جلد شادی کا عندیہ دیا۔ انہوں نے خالہ رضیہ (وچولن) کو فوراً بلا لیا تھا۔

بریرہ کا فائنل سمسٹر کے ایگزامز میں ایک ہفتہ رہ گیا تھا۔ وہ اور زاریہ کمبائن اسٹڈی کے لئے کبھی

ادھر اور کبھی زاریہ کے گھر پائی جاتی تھیں۔ وہ اسٹڈی کر کے لوٹی تھی کہ اس کے کانوں سے مما کی قدرے متفکر آواز ٹکرائی تھی۔

''تم فکر نہ کرو فاطمہ۔ تمہاری سبھی بچیاں بے حد پیاری ہیں۔ انشاء اللہ۔ ضرور جلد کوئی سبب بنے گا'' خالہ رضیہ نے پیشہ ورانہ لہجے میں انہیں تسلی دی تھی۔

''بس خالہ۔ لوگ اچھے ہوں'' انہیں اپنی بچیوں کی خوبصورتی ہی تو خوفزدہ رکھتی تھی۔ بڑی دونوں کے لیے کافی رشتے آرہے تھے مگر ان کا معیار دولت نہیں حسب نسب تھا۔ وہ کسی مذہبی گھرانے کا رشتہ چاہتے تھے جبکہ ان کے لئے آئے رشتے خاصے ماڈرن نوجوانوں کے تھے۔ فاطمہ نے دبی سانس خارج کی۔

''تم مجھے بچی کی کوئی تصویر دے دو'' خالہ رضیہ نے اپنے پرس سے پان نکال کر منہ میں رکھا۔ بریرہ سخت بدمزہ ہوئی تھی۔ اسے شادی کی کوئی جلدی نہ تھی۔ وہ ماں سے خفا تیزی سے اپنے کمرے میں گھس گئی۔ فاطمہ سر ہلاتی اٹھ گئیں۔

''یہ لیں خالہ'' وہ چند لمحوں بعد بریرہ کی تصویر ڈھونڈ کر لے آئی تھیں۔ انہوں نے تصویر لے کر اپنے پرس میں رکھ لی۔

''میری ایڈوانس فیس دس ہزار اور ہر رشتے کا الگ سے ہزار روپے لیتی ہوں۔ میرا اس کے علاوہ کرایہ الگ ہے'' خالہ رضیہ کا لہجہ خالصتاً کاروباری تھا۔

''کیسا کرایہ خالہ'' فاطمہ کو فیس وغیرہ کا اندازہ تھا مگر وہ کرایہ کے نام پہ حیران ہوئیں۔

''ارے پہلے لڑکے والوں کے ہاں جانا، پھر انہیں ساتھ لانا، آخر آنے جانے کا کرایہ تو لگے گا نا'' خالہ رضیہ ماتھے پہ ہلکا ہاتھ مار کر بولیں گویا وہ فاطمہ کی کم عقلی پہ ماتم کر رہی تھیں۔

''اچھا خالہ آپ ایڈوانس تو رکھیں۔ جب رشتہ لائیں گی تو پھر وہ پیسے بھی دے دوں گی'' فاطمہ بلا حیل و حجت مان گئی تھیں انہوں نے خاموشی سے پیسے لا کر ان کی ہتھیلی پہ رکھ دیئے تھے۔

''تم بے فکر ہو جاؤ۔ اب خالہ رضیہ کا کام ہے آ گئے'' خالہ رضیہ کا لہجہ نیلے نیلے نوٹ دیکھ کر شیرینی سے بھر گیا تھا۔ جبکہ کڑے ضبط کے مرحلے سے گزرتی بریرہ نے اپنی ماں کی جلد بازی پہ غصّے و بے بسی سے دانت کچکچائے تھے۔



''مما مجھے ابھی شادی نہیں کرنی ہے'' خالہ رضیہ کے جانے کی دیر تھی۔ وہ آندھی طوفان کی طرح ماں کے سر پر آدھمکی۔

''کیوں۔ کیا تم دودھ پیتی بچی ہو ابھی'' وہ بھی جلبلا کر رہ گئی تھیں وہ اسی کے انداز میں نزنت بولی تھیں۔

''مما مجھے آگے پڑھنا ہے'' ایم فل کرنا اس کا اور زاریہ کا مشترکہ خواب تھا جو کہ ٹوٹنے کو تھا۔ مما کا بس چلتا تو اسے ابھی وداع کر دیتیں وہ نرم پڑی تھی۔

''تمہیں مزید تعلیم سے کون روک رہا ہے لیکن اب اپنے گھر جا کر پڑھنا'' وہ اس کے لئے بے حد فکر مند تھیں اور صاحبزادی کا دماغ شادی کیلئے تیار ہی نہ تھا۔ اسے ان کی پریشانی کا رتی بھر احساس نہ تھا۔ وہ بے لچک لہجے میں سختی سے گویا ہوئیں۔

''اور اگر آپ کے داماد صاحب نے بھی آپ کی طرح کہہ دیا کہ یہ شوق ماں کے گھر سے پورا کر کے آتی تو''۔ بریرہ متفکر و خفا منہ پھلائے بے خوفی سے بولی تھی۔

''بریرہ'' وہ غصّے میں بے حد حسین لگ رہی

تھی۔ فاطمہ کے چہرے پر ہنسی بکھر گئی تھی۔ انہوں نے محبت سے اسے ساتھ لگا لیا۔ بریرہ انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

''بیٹا شادی کی ایک مناسب عمر ہوتی ہے۔ اگر وہ عمر گزر جائے تو پھر والدین تاسف سے ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں۔ بیٹا ہم تمہارے دشمن تو نہیں ہیں نا'' فاطمہ کے نرم پُر محبت لہجے نے بریرہ کو افسردہ کر دیا۔ اس کا احساس دل ماں کی پریشانی پہ دُکھی ہو گیا۔ ''مما'' وہ انجانے احساس سے روہنسی ہو گئی۔

''اللہ میری سب بچیوں کے نصیب اچھے کرے'' فاطمہ نے صدقِ دل سے دعا مانگتے ہوئے بریرہ کا ماتھا چوم لیا۔ ان سے لپٹی بریرہ کے تمام دلائل والفاظ کہیں گم ہو گئے تھے۔



وہ جب سے آئی تھی زاریہ نے رُو رُو کر اپنا برا حال کر رکھا تھا اور وہ اسے دلاسا دینے کی ناکام کوششیں جاری رکھے ہوئے تھی۔ وہ تو اپنا ''دکھڑا'' رونے آئی تھی۔ مما نے ''رشتہ مہم'' شروع کر دی تھی جبکہ زاریہ اس کے کندھے سے سر ٹکائے زار وزار روئے جا رہی تھی۔

''کیا ہوا ہے'' بریرہ کی پریشانی زاریہ کے مسلسل بہتے آنسوؤں سے بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے زاریہ کو خود سے الگ کرتے ہوئے اس کے آنسو پونچھ ڈالے تھے۔

''دماغ خراب ہو گیا ہے اس لڑکی کا۔ تم ہی اسے کچھ عقل دو'' کسی کام سے ادھر سے گزرتی خالدہ نے زاریہ کو روتا دیکھ کر اپنا ماتھا پیٹ ڈالا تھا۔ انہوں نے سخت خشمگیں نگاہوں سے بیٹی کو گھورتے ہوئے بریرہ کو مخاطب کیا۔ وہ سٹپٹا کر زاریہ کو تکنے لگی، جو ماں سے خفا لگ رہی تھی۔ بریرہ کے سر کے اوپر سے ان کی بات گزر گئی تھی وہ ناسمجھی سے آنسو ضبط کرتی زاریہ سے اشارتاً استفسار کرنے لگی۔ خالدہ غالباً کوئی چیز ڈھونڈ رہی تھیں۔ وہ چند ثانیوں بعد ناکام لوٹ گئی تھیں۔

''میں اسفر خلیل کو قتل کر دوں گی'' زاریہ پہ عجب ہیجان طاری تھا۔ اعلیٰ تعلیم اس کا اولین خواب تھا جو کہ اسفر خلیل نے کرچی کرچی کر دیا تھا۔

''اسفر خلیل'' وہ جتنا حیران ہوتی، اتنا کم تھا۔ وہ اپنا دکھڑا بھول بھال کر ہونقوں کی طرح منہ کھولے زاریہ کو تکنے لگی تھی۔ گویا وہ بھی اس کی طرح مشکل میں تھی۔ بریرہ آہستگی سے زیرلب بڑبڑائی تھی۔

''اسفر خلیل کی مما نے مجھے مارکیٹ میں دیکھا ہے۔ وہ کل میرا رشتہ لینے آ گئیں اور ستم یہ کہ وہ میری مما کی کلاس فیلو نکلیں'' زاریہ رونا دھونا بھول کر اپنے مخصوص پُراعتماد و بولڈ لہجے میں بریرہ سے اپنا غم ہلکا کرنے لگی تھی۔ سعیدہ خلیل نے زاریہ کو مارکیٹ میں شاپنگ کرتے دیکھا تھا وہ انہیں پہلی نگاہ میں ہی اتنا بھائی کہ وہ اس کا تعاقب کرتی اس کے گھر تک آ پہنچیں۔ وہ زور و شور سے اپنے اکلوتے بیٹے اسفر کے لئے لڑکی پسند کر رہی تھیں۔ زاریہ انہیں بھا گئی تھی اور وہ رشتہ لئے اگلے روز ہی آ دھمکیں۔

''تمہیں کس کمبخت نے مشورہ دیا تھا کہ ایگزامز سے پہلے شاپنگ کرتی پھرو، تم نہ جاتی تو مرنے لگی تھی'' بریرہ کی سمجھ میں ساری سچویشن آ گئی تھی۔ یقیناً رشتہ شاندار ہو گا اور گھر والے کا جھکاؤ بھی جبھی تو زاریہ پریشان تھی۔ بریرہ نے غصے سے بگڑتے ہوئے کسے کچا کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے لڑاکا عورتوں کی طرح ہاتھ نچائے تھے۔

''ہائیں۔ ہائیں لڑکی تم کیا اول فول بولے

جا رہی ہو۔ تم دوست کو سمجھانے کی بجائے اسے مزید بھڑکا رہی ہو' نہ جانے دونوں کی "نگرانی" کی جا رہی تھی کہ اب دادو آدھمکیں۔ وہ آندھی طوفان کی طرح دونوں کو لتاڑ کر خفگی سے بنا رکے پلٹ گئی تھیں۔ بریرہ پہ حیرتوں کے پہاڑ آن گرے۔ ہمیشہ زاریہ کی سائیڈ لینے والی دادو آج بہو کی ہم زبان تھیں۔ دونوں نے سر پکڑ لیے۔ دونوں کے چہروں پہ عجب بیچارگی بکھری تھی۔ جیسے دونوں پہ کوئی ظلم عظیم کیا جا رہا ہو۔ کمرے میں عجب سوز بکھرا تھا۔



"جاذب بیٹا تم کچھ آرام بھی کر لیا کرو" جاذب نے الگ ذاتی بزنس بطور امپورٹر سٹارٹ کیا تھا۔ وہ سامان چین، دوبئی اور روس سے امپورٹ کرتا تھا۔ اس کا چھوٹی سطح پر پھیلا بزنس بہت جلد اتنا پھلا پھولا تھا کہ اسے اپنے بزنس کے لئے انٹرنیٹ پہ ویب سائٹ کی مدد لینا پڑ گئی تھی۔ اسے مصروفیات میں فیملی کے لئے بھی ٹائم نکالنا دشوار ہو گیا تھا۔ وہ دنوں بعد فراغت سے لان میں ٹیبل پہ لیپ ٹاپ رکھے مما اور پپا کے ساتھ چائے سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ وہ دورانِ گفتگو لیپ ٹاپ پہ اپنی ویب سائٹ بھی چیک کر رہا تھا۔ سارہ نے جھنجھلا کر اسے ٹوکا تھا۔ وہ فارغ ہو کر بھی بزی تھا۔ اس نے خود کو اتنا مصروف کر لیا تھا کہ وہ اس کے پاس دو گھڑی بیٹھنے کو ترسنے لگی تھیں۔

"مما اب خوش" جاذب نے لیپ ٹاپ ہی بند کر دیا تھا۔ اس کے چہرے پر نرم مسکراہٹ بکھری تھی۔

"جاذب بیٹا تم اپنی صحت کا بھی خیال رکھا کرو" لاابالی و لاپرواہ جاذب نہ جانے کہاں گم ہو گیا تھا۔ وہ اکلوتی اولاد کو کامیاب اور ذمہ دار دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ ہرگز یہ نہ چاہتے تھے کہ جاذب خود کو اتنا مصروف کرے کہ اپنی صحت سے بھی غافل ہو جائے۔ احمد کو بھی بیٹا کمزور لگ رہا تھا۔ انہوں نے پدرانہ تشویش سے اسے دیکھا تھا۔

"پپا پلیز۔ آپ دونوں میری فکر نہ کریں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں" وہ دردِ محبت خود میں چھپاتے چھپاتے نہ جانے کب وقت کے غبار میں دبنے لگا اسے بھی احساس نہ ہوا تھا، وہ مسکراتے ہوئے دونوں کو مطمئن کرنے کی سعی کرنے لگا تھا۔

"جاذب ہم ایسا تو نہ چاہتے تھے" شوخ و شریر جاذب تو قصہ پارینہ ہو گیا تھا۔ برباد بارسا جاذب ان دونوں کے لئے باعثِ تشویش تھا۔ نہ جانے اسے کون سا گھن اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا یا پھر وہ کسی تاریک یاد کے سائے سے بھی پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ وہ خود میں رازِ محبت سموئے خود ہی کو فنا کرنے پر تُلا تھا۔

"جاذب" سارہ ماں تھیں وہ اس کی ذات کی پرتیں دھیرے دھیرے محسوس کر چکی تھیں۔ انہوں نے اسے گہری پُرسوچ نظروں سے دیکھا تھا، وہ بے ساختہ ماں کی ٹٹولتی نظروں سے خائف دانستہ رُخ موڑ گیا تھا۔ وہ رازِ محبت کسی قیمت پر منکشف نہ کرنا چاہتا تھا اور نہ ہی خود اسے کریدنا چاہتا تھا۔ دردِ دل ہر بار اسے بے حال کر دیتا تھا۔ وہ بمشکل خود کو سنبھال پایا تھا۔ اسے اپنی ذات کی پرتیں بھید میں رکھنا تھیں وقت لگا تھا مگر وہ دھیرے دھیرے اجنبی لڑکی کو بھولنے لگا تھا اسے صرف اپنی محبت کی بے وقعتی اور اپنی ذات کی تذلیل کبھی کبھار رنجیدہ کر دیتی تھی۔

"مما آپ کے چکن رولز کا تو جواب نہیں ہے" اس نے چکن رول اٹھا کر منہ میں ڈالتے

ہوئے گویا گفتگو کا رُخ موڑا تھا۔ احمد اور سارہ بے ساختہ ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے تھے۔ سارہ کے چہرے پر انجانا ملال بکھرا تھا۔



''تم......'' زاریہ کے رونے دھونے اور احتجاج کو خاطر میں لائے بغیر ایگزامز ختم ہوتے ہی اس کی منگنی طے کر دی گئی تھی۔ زاریہ نے خوب محنت کر کے ایگزامز دیئے تھے تاکہ اس کے مزید تعلیم حاصل کرنے کے شوق کو دیکھ کر گھر والے اپنا ارادہ ملتوی کر دیں۔ اسے کافی امید تھی کہ اس کی ضد ہمیشہ کی طرح مان لی جائے گی۔ آخر وہ گھر بھر کی لاڈلی تھی مگر وہ بے خبر تھی کہ اس کے خلاف دادو اور مما کا ہونے والا اتحاد اتنا خطرناک ہوگا کہ اس کی ایک نہ سُنی جائے گی وہ رو دھو کر اور شدید احتجاج کے بعد حالات سے سمجھوتہ کر چکی تھی۔ اسے اسفر خلیل کے نام کی انگوٹھی پہنائی گئی تو دل و جان نے انجانے احساس سے بندھ کر اس نئے رشتے کو قبول کر لیا تھا۔

منگنی کا فنکشن چھوٹے پیمانے پر تھا۔ محض فیملی ممبرز ہی شریک تھے۔ وہ انگوٹھی پہنے پٹر پٹر اجنبی چہروں کو دیکھ رہی تھی کہ نگاہ ایک شناسا چہرے پر پڑی تھی آخر وہ اسے کئی روز تک کوستی رہی تھی۔

''آپ میری بھابھی بنی ہیں'' دوسری جانب اطمینان سے اطلاع دی گئی۔ بس والی اجنبی بدتمیز لڑکی آہستگی سے مسکراتی بے حد مہذب و حسین لگ رہی تھی۔

''مگر اسفر تو اکلوتے ہیں'' زاریہ نے حیرت سے کہا تھا۔

''آف کورس وہ اکلوتے بیٹے ہیں اور میں اکلوتی بیٹی''۔ سحرش نے نہایت اطمینان سے اطلاع دی تھی۔ اس کے چہرے پر پُرلطف نرم مسکراہٹ بکھری تھی۔ وہ بھی زاریہ کو کئی دن تک کوستی رہی تھی۔ اس روز گرمی ہی بلا کی تھی اور دونوں کو کھڑا ہو کر آنا پڑا تھا۔ زاریہ نے احتجاج میں ''ضروری معلومات'' تک لینا ضروری نہ جانا تھا اور اب اسے خفت اٹھانا پڑ رہی تھی۔ وہ خفیف سی چپ سادھ گئی تھی۔

''سحرش زاریہ نے تو آپ کو پیٹ میں مروڑ اٹھنے کی بددعا بھی دی تھی'' دلچسپ اتفاق سے محظوظ ہوتی بریرہ نے مسکرا کر شوخی سے دونوں کو چھیڑا تھا۔

''ہیں سچی'' سحرش نے مصنوعی حیرت و بھرپور خفگی سے سرگوشی کرتے ہوئے زاریہ کو سرتا پا گھورا تھا۔ شوخ و پُرمسرت ماحول پر لمحہ بھر کے لئے سکوت طاری ہو گیا۔ وہ بھونچکا رہ گئی۔ اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔ زاریہ کا رنگ پھیکا پڑنے لگا تھا۔ سحرش کے سنجیدہ چہرے نے اس کے ہوش اڑا دیئے تھے۔ باقی افراد محو گفتگو تھے۔

''سیم ٹو ہیئر بھابھی'' اگلے پل سحرش کا شوخ قہقہہ ابل پڑا تھا۔ وہ دونوں سراسیمہ سی ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئی تھیں۔ سحرش کی ہنسی نے دونوں کی جان میں جان ڈالی تھی۔

''تم پکی نند بنو گی'' زاریہ کی تو نئے رشتوں کی نزاکت کے احساس سے جان نکل گئی تھی۔ اس نے سحرش کے مذاق پہ اسے بے تکلفی سے دھموکا جڑا تھا۔

''اُوئی مما۔ اور آپ بھابھی'' زاریہ بات بے بات بریرہ کو تھپڑ جڑنے کی عادی تھی۔ بریرہ نے اس کا نام ''ہتھ چھوڑ'' رکھا ہوا تھا اس کا ہاتھ خاصا بھاری تھا۔ سحرش نے بلبلا کر جواباً اسی محبت و اپنائیت بھری بے تکلفی سے شکوہ کیا۔ بریرہ اور

زاریہ کا بے ساختہ قہقہہ نکل پڑا۔
''سوری یار'' زاریہ نے محبت سے معذرت کرتے ہوئے اس کا بازو سہلایا تھا۔
''سحرش تم اس ''ہتھ چھوڑ'' سے بچ کے رہنا'' بریرہ نے شوخی سے سحرش کو دیکھتے ہوئے زاریہ کو چھیڑا تھا۔
''نہ بابا۔ مجھے تو اپنی کیوٹ بھابھی کی فرینڈ بننا ہے'' سحرش نے محظوظ ہوتے ہوئے اپنائیت سے زاریہ کو گلے لگالیا تھا۔ بریرہ دونوں کی محنت پہ ہنس دی تھی۔



''سارہ تم کیوں پریشان ہورہی ہو۔ تم اس کی شادی کردو'' سارہ بہن کے گھر ملنے آئی ہوئی تھی۔ وہ جاب کے لئے متفکر تھیں۔ وہ ان کی اکلوتی اولاد تھا۔ وہ اسے ذمہ دار اور کامیاب دیکھنا چاہتی تھیں مگر اتنا سنجیدہ اور خاموش طبع نہیں۔ وہ تو یکسر بدل گیا تھا۔ اس کے تمام شوق کہیں گم ہوگئے تھے۔ ان کے ہاں دولت کی خوب ریل پیل تھی۔ کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ جاذب پہ نہ جانے کیا دھن سوار ہوگئی تھی کہ وہ اپنے بزنس کو مزید وسیع کرنا چاہتا تھا۔ سارہ بہن سے اپنا غم ہلکا کررہی تھیں کہ اسماء نے فوراً صلاح دی تھی۔
''شادی۔ مگر اتنی جلدی کیسے'' سارہ نے بیٹے سے کچھ عرصے بعد شادی کا وعدہ کیا تھا مگر انہیں بھی بہن کا مشورہ پسند آیا تھا۔ سارہ کی پُر سوچ آواز ابھری تھی۔
''میں تمہیں ان سے ملواتی ہوں'' اسماء نے سامنے سے آئی عورت کی طرف اشارہ کیا جو انہی کی طرف آرہی تھی۔ ''یہ کون ہے'' سارہ نے اجنبی عورت کے متعلق آہستگی و دلچسپی سے استفسار کیا تھا۔
''خالہ رضیہ۔ انہوں نے فہد اور معصومہ کا رشتہ کروایا تھا'' اسماء نے اپنے شادی شدہ بچوں کا حوالے دے کر غائبانہ تعارف کروایا تھا۔
سارہ نے سر ہلا دیا وہ بے چینی سے خالہ رضیہ کو دیکھنے لگیں جو سامنے سے آرہی تھیں۔ خالہ رضیہ اسماء سے اکثر ملنے آتی تھیں۔ سوئے اتفاق سارہ بھی موجود تھیں۔
''السلام علیکم'' خالہ رضیہ نے باآواز بلند سلام کیا اور بے تکلفی سے صوفے پر بیٹھ گئیں۔
''وعلیکم السلام'' اسماء نے بہن کو دیکھتے ہوئے اپنائیت سے جواب دیا۔ وہ بہن کا تعارف اور مدعا بیان کرنے کے لئے مناسب الفاظ تراش چکی تھی۔ خالہ رضیہ پھولا سانس بحال کررہی تھیں۔ سارہ سنجیدگی سے خالہ رضیہ کو جانچ رہی تھیں۔ انہیں بھی وہ معقول عورت لگی تھیں۔ انہیں یکدم اپنا تفکر کم ہوتا محسوس ہونے لگا تھا۔ انہوں نے بے ساختہ پُرسکون سانس خارج کی تھی۔



''لڑکا اکلوتا اور ایجوکیٹڈ ہے ذاتی بزنس ہے۔ بے حد خوشحال فیملی ہے'' فاطمہ ہاتھوں میں تصویر لئے ہوئے تھیں۔ ان کی نگاہوں میں واضح پسندیدگی تھی۔ جاذب احمد کی وجاہت نے انہیں متاثر کیا تھا۔ خالہ رضیہ نے سارہ کو تصویر دکھائی تو انہوں نے فوراً رشتہ اوکے کرتے ہوئے انہیں جاذب کی تصویر تھما دی تھی (اسماء اپنے بچوں کی شادی کی البم سے تصویر نکال کرلے آئی تھیں) اسماء کو ان پہ مکمل اعتماد تھا۔ ان کے دونوں بچے مہذب فیملی میں بیاہے گئے تھے۔ خالہ رضیہ کی دی معلومات سچ ثابت ہوئی تھیں۔ فاطمہ کو جاذب بے حد بھایا تھا۔ وہ شکل وصورت سے خاصا سلجھا ہوا لگ رہا تھا۔
''آپ انہیں کل ہی چائے پہ لے آئیں''

انور نے انہیں مکمل اعتماد سے بچیوں کے رشتوں کا کلی اختیار دے رکھا تھا وہ فاطمہ کے سگھڑاپے اور وفا کے گواہ تھے۔ فاطمہ کو سر سے بھاری بوجھ سرکتا محسوس ہوا تھا۔

''نہ فاطمہ مجھے شرمندہ نہ کرو۔ میں پہلے انہیں لاؤں گی پھر تم مجھے پیسے دینا'' وہ فاطمہ کی رضا مندی پاتے ہی جانے کو تیار ہوگئیں۔ فاطمہ نے جاتے سمے انہیں کچھ پیسے دینا چاہے تو انہوں نے قدرے خفیف لہجے میں انکار کر دیا تھا۔

''خالہ آپ کا کرایہ بھی تو لگا ہوگا نا'' فاطمہ نے رسانیت بھری مسکان سے ان کی خفت دور کرنا چاہی تھی۔

''فاطمہ میرا ایک اصول ایمانداری بھی ہے میں پیدل آئی ہوں'' خالہ رضیہ بغیر کسی بیورو میرج کلب یا کسی کی مدد کے بغیر اپنی ایمانداری کی بناء پہ ہی کامیاب بھی تھیں۔ انہوں نے صاف انکار کرتے ہوئے برقع سر پہ رکھا تھا۔

''اللہ تمام بچیوں کے نصیب اچھے کرے۔ میں تو صرف کوشش کرتی ہوں'' خالہ رضیہ فاطمہ کا ہاتھ دباتی ہوئی اٹھ گئیں۔

''میں کل شام کو انہیں لاؤں گی۔ تم انور کو گھر بلا لینا۔ اس موقع پر اس کی موجودگی بہت اہم ہے'' جاتے سمے خالہ رضیہ نے اپنے تجربے کی بناء پر انہیں مشورہ دیا تھا۔ وہ اکثر آتیں تو انور گھر نہ ہوتے تھے ان کی مصروفیات زیادہ تھیں وہ رات دیر سے گھر لوٹتے تھے۔

''جی بہتر خالہ'' فاطمہ نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ اپنے کمرے میں ساری گفتگو من وعن سنتی بریرہ کا دل اجنبی کے تصور پہ ہی اک نئی لے پر دھڑکنے لگا تھا۔ وہ دل کی دھڑکنیں سنبھالتی آہستگی سے کھڑکی سے ہٹ گئی تھی۔



رات دھیرے دھیرے سرک رہی تھی۔ دل و دماغ میں اک جنگ چھڑی تھی۔ دل کوئی دھڑکنوں سے روشناس ہوئے چند گھنٹے ہی گزرے تھے کہ اک تلخ حقیقت آشکار ہوئی تھی۔

''لڑکا مہذب فیملی کا ایجوکیٹڈ بچہ ہے'' فاطمہ نے اسے تصویر دکھاتے ہوئے محبت سے بتایا تھا۔ ابھی شروعات تھیں اور انہیں بریرہ ابھی سے پرائی لگنا شروع ہوگئی تھی۔ ان کا رواں رواں اس کی خوشیوں کے لئے دعا گو تھی۔ بریرہ سے چھوٹی ظہیرہ کا رشتہ آمنہ باجی (بہن) کی کئی بار اپنے منجھلے بیٹے نبیل کے لئے مانگ چکی تھیں۔ وہ انہیں ہاں کہہ چکی تھیں۔ وہ دونوں بیٹیوں کے فرض سے سبکدوش ہونے کے احساس سے ہی سرشار تھیں۔ وہ بیٹی کو فیصلہ کا مکمل اختیار سونپ کر اسے تصویر تھما کر کمرے سے جا چکی تھیں۔

''یار بریرہ۔ جاذب بھائی کتنے ہینڈسم ہیں'' ماں کے جاتے ہی اسے بہنوں نے گھیر لیا۔ اوپر تلے کی ہونے کی بنا پر ان میں باجی یا آپی کا تکلف نہ تھا۔ وہ بے دھڑک اک دوسرے کا نام لیتی تھیں۔ نمیرہ اور ظہیرہ نے بیک زبان جاذب کو سراہا تھا۔ جبکہ وہ تصویر تھامے ساکت بیٹھی تھی۔ دل و دماغ میں جھکڑ چل رہے تھے۔ بہنیں اسے جاذب کا نام لے لے کر چھیڑ رہی تھیں اور وہ عجب ٹھس انداز میں سپاٹ چہرہ لئے غیر مرئی نکتہ تک رہی تھی۔ وہ چاہ کر بھی انہیں خاموشی نہ کروا پا رہی تھی۔ اسے پسند کر لیا گیا تھا اسی لئے بات آگے بڑھائی گئی تھی۔ ماں اور بہنیں خوشی سے کھلی جا رہی تھیں۔ اور اس کی خاموشی کو حیاء پر محمول کیا جا رہا تھا۔ پھر وہ بھی اسے تنہا چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔ بابا نہ جانے کب آئے اسے کھانے پر بلایا گیا مگر وہ نہ گئی تھی۔ نمیرہ اسے

کمرے میں کھانا دے گئی تھی۔ جو ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

''لوفر'' اس کے لب آہستگی سے پھڑپھڑائے تھے۔ وہ زاریہ پہ فدا تھا اس کی محبت میں پاگل۔ نہ جانے وہ خود والدین کی پسند سے شادی کرنا چاہتا تھا یا پھر والدین زبردستی اس پر اپنی مرضی تھوپ رہے تھے۔ نہ جانے وہ زاریہ کو بھلا بھی پایا ہوگا کہ نہیں۔ دل و دماغ میں سوالات کی یلغار تھی۔ جو اس کا سکون چھینے ہوئے تھی۔ وہ یہ ہرگز برداشت نہ کرسکتی تھی کہ اسے کسی پر عمر بھر کے لئے زبردستی مسلط کیا جائے مگر وہ کسی پر کیسے حالِ دل عیاں کرتی۔ اپنوں کی خوشی کے احساس نے اس کی زبان گنگ کر رکھی تھی۔ اس کا دماغ سوچ سوچ کر شل ہوا جا رہا تھا۔ دماغ حقیقت پسندی سے اسے حقائق سمجھا رہا تھا گو وہ دوبارہ کبھی ان کی راہ میں حائل نہ ہوا تھا مگر...... وہ اس سے آگے سوچ ہی نہ پا رہی تھی۔ رات کا سفر دھیرے دھیرے کٹ رہا تھا۔ اس نے اپنے شل ہوتے اعصاب ڈھیلے چھوڑ دیئے تھے اور خود کو بھی تقدیر کے دھارے پر۔



''فاطمہ وہ لوگ منگنی نہیں شادی کرنا چاہتے ہیں'' خالہ رضیہ اگلے روز ہی ان کا پیغام لے کر آ گئی تھیں۔ سارہ کو بیٹے کی شادی کی دھن لگ گئی تھی اور اسماء بھی ان کی ہم خیال تھیں۔ انہیں اکلوتے بھانجے کی فکر تھی۔ سارہ نے لڑکی والوں کی رضامندی پاتے ہی ہتھیلی پہ سرسوں جما لی تھی۔ وہ اگلے ماہ شادی کے خواہشمند تھیں۔ خالہ رضیہ ان کا پیغام لے کر اگلے روز ہی آ گئیں۔ ''اتنی جلدی خالہ'' وہ دونوں بیٹوں کی اکٹھی شادی کا سوچ رہی تھیں۔ اتنی جلدی کا سنتے ہی ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ نبیل بھی برسرِ روزگار تھا۔ آمنہ باجی اگلے ماہ کے لئے مان جاتیں مگر......

مگر مسئلہ ان کا تھا۔ وہ مہینہ بھر میں دونوں بیٹیوں کیلئے کیسے تیاری کرتیں۔ فاطمہ کو بہترین رشتہ ہاتھ سے نکلتا محسوس ہو رہا تھا ان کے چہرے پر تفکر و ملال کے سائے لہرانے لگے تھے۔

''خالہ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے'' انور خصوصی طور پر گھر موجود تھے۔ انہوں نے فیصلہ کرنے میں لمحہ بھر کی دیر نہ کی تھی۔ انہیں بھی جاذب بے حد پسند آیا تھا اور پھر بہترین رشتے روز روز نہیں ملتے ہیں۔

''تو پھر فکر کی کیا بات ہے۔ فاطمہ ذرا میرا منہ تو میٹھا کراؤ'' خالہ رضیہ محبت سے مسکرا دیں۔ وہ جاذب سے مل چکی تھیں۔ ان کی جہاندیدہ نگاہیں اس کے اندر کی اچھائی بھانپ چکی تھیں۔ فاطمہ نے قدرے تفکر سے شوہر کو دیکھا۔ بھلا ایک ماہ میں دو بیٹیوں کی شادی کی تیاری آسان کہاں تھی۔ انور نے آنکھوں ہی آنکھوں میں انہیں تسلی دی تھی۔ ''ظہیرہ۔ نمیرہ'' انور صاحب میٹھے کے خاصے شوقین تھے۔ انہوں نے ڈنر پر ان کے لئے کھیر بنائی تھی۔ فاطمہ نے قدرے مطمئن ہو کر بیٹیوں کو باآوازِ بلند پکارا تھا۔

''بیٹا تم خالہ کے لئے کھیر اور چکن روسٹ لے آؤ'' فاطمہ نے ان کے حاضر ہوتے ہی انہیں آرڈر دیا۔ وہ ماں کا حکم سنتے ہی پلٹ گئی تھیں۔

''نہ نمیرہ۔ تم صرف کھیر لے آؤ۔ اللہ بریرہ کے نصیب بہترین کرے میں روسٹ اس کی شادی پہ کھالوں گی'' خالہ رضیہ نے خلوص سے دعا دی تھی۔ انور اور فاطمہ مسکرا دیئے تھے۔ وہ دونوں کچن کی طرف بڑھ گئی تھیں۔ خالہ رضیہ

انہیں جاذب کی فیملی کے متعلق تفصیلات بتانے لگی تھیں۔



"کون وہ لوفر" زاریہ کے سسرال والوں کو بھی شادی کی جلدی تھی۔ وہ تیاریوں کے سلسلے میں گھن چکر بن چکی تھی۔ اس روز اس کی مہندی تھی بریرہ صبح سے آئی ہوئی تھی۔ وہی اسے مہندی لگوانے پارلر بھی لے گئی تھی۔ شام تک گھر مہمانوں سے بھر گیا تھا۔ فنکشن کا انتظام میرج ہال میں کیا گیا تھا۔ زاریہ بھاری کامدار سوٹ ہمرنگ جیولری اور لائٹ میک اپ میں بے حد حسین لگ رہی تھی۔ ان دونوں کو آخر میں ہال پہنچنا تھا۔ سبھی مہمان ہال کے لئے روانہ ہو گئے تھے۔ بریرہ بوجھل دل لئے سپاٹ نظروں اور خلافِ توقع چپ سادھے ہوئے ٹکر ٹکر دوسروں کو تک رہی تھی۔ فرصت ملنے پر زاریہ معذرت کرتی اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ وہ تو جیسے اس کی توجہ کو ترسی ہوئی تھی وہ آتش فشاں لاوے کی مانند پھٹ پڑی تھی۔ اور جانذب کے پرپوزل کے بارے میں بتانے لگی۔ اس کی بات سنتے ہی زریہ کے لبوں سے ہلکی سرسراہٹ نکلی تھی۔

"وہ جاذب احمد ہے" بریرہ کا غصہ یکدم عود آیا تھا۔ وہ کسی حتمی فیصلے تک نہ پہنچ پا رہی تھی۔

"مگر بریرہ" دلہن بنی زاریہ اعجاز اپنی بہترین دوست کے لئے بے حد متفکر تھی۔ اسے جاذب کب کا بھول چکا تھا۔ اس کے تصور کے کسی پردے پر بھی جاذب کی شبیہ نہ تھی۔ وہ جاذب کی فطرت کی وجہ سے بریرہ کیلئے فکرمند تھی۔ زاریہ کے حسین چہرے پر پھیلے تفکر کے سائے اس کی دلکشی کو ماند کرنے لگے تھے۔

"بریرہ تم انکار کر دو۔ میں آنٹی سے بات کروں گی" زاریہ کو اس کی فکر ہو رہی تھی۔ اس نے مخلصانہ مشورہ دیا تھا۔ بریرہ کے چہرے پر تذبذب پھیلا تھا۔ زاریہ نے فوراً اسے اپنی مدد کی آفر کی تھی۔ بریرہ کا تذبذب کم نہ ہو رہا تھا۔ وہ الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"ڈونٹ وری۔ میں ہوں نا" زاریہ نے اس کا ہاتھ دبا کر اسے اپنے ساتھ کی یقین دہانی کروائی تھی۔ بریرہ پھیکا سا مسکرا دی تھی۔ اس کے دلکش چہرے پر پھیلا تذبذب کم نہ ہوا تھا۔ اسے اپنے والدین کی فکر تھی۔ وہ چاہ کر بھی زاریہ کو منع نہ کر سکی تھی۔



"جاذب تم آج ڈنر پر گھر آ جانا" وہ حسبِ معمول آفس کے لئے تیار ہو کر نکل رہا تھا کہ سارہ نے ٹھوس لہجے میں اسے ہدایت کی تھی۔ اس کا بزنس بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ وہ اکثر مصروفیات میں ڈنر بھی گھر سے باہر کرتا تھا۔ سارہ نے لڑکی والوں کو گھر مدعو کیا تھا۔

"خیریت مما" ریسٹ واچ کلائی پہ باندھتا جاذب چونک کر متوجہ ہوتے ہوئے استفسار کرنے لگا تھا:

"میں نے لڑکی والوں کو مدعو کیا ہے" سارہ کا لہجہ ہنوز سنجیدہ تھا۔

"مما آپ نے تو مجھ سے شادی جلدی نہ کرنے کا وعدہ کیا تھا" وہ ان پر خفا ہونے لگا تھا۔ احمد لاتعلق بنے اخبار کے مطالعے میں تھے جیسے کہ انہیں سارے معاملے سے کوئی سروکار نہ ہو۔

"مما مجھے فی الحال شادی نہیں کرنی ہے" وہ بری طرح زچ ہوا تھا۔ وہ کیمیکل کا سائیڈ بزنس سٹارٹ کرنا چاہتا تھا۔ وہ مشین کی طرح دن رات کام میں محو رہتا تھا۔ عزتِ نفس مجروح ہوئی تھی۔ وہ محبت سے ہارا تھا۔ دل محبت کے لئے دوبارہ آمادہ ہی نہ تھا۔ حالانکہ وہ زاریہ کی یاد کی

ہر پرچھائی تک دل سے صاف کر چکا تھا۔

''جاذب تم کیوں ماں کو ستانے پہ تلے ہو'' سارہ رو دیں۔ انہوں نے عورتوں کا روایتی ہتھکنڈا استعمال کیا تھا۔ وہ بیٹے کی ویران صورت سے ہولتی رہتی تھی۔

''مما پلیز'' وہ ماں کے آنسو کسی قیمت پر برداشت نہ کر سکتا تھا۔

''تمہیں ماں کی ذرا بھر پرواہ نہیں ہے'' سارہ نے گلہ کیا تھا وہ ماں ہونے کے ناطے اتنا حق تو رکھتی تھی کہ جاذب سے کیا وعدہ فراموش کر سکیں۔

''نو مما۔ آئی لو یو'' وہ بے بسی سے انہیں دیکھتا صفائی دینے لگا تھا۔

''تمہیں شام کو آنا ہوگا جاذب'' وہ بچوں کی طرح منہ بسورتی بضد تھیں۔ جاذب کے دل پہ مدت بعد بھولی بسری یاد نے چٹکی کاٹی تھی۔ تصور میں زاریہ کی ہلکی پرچھائی ابھرنے لگی۔ جسے سختی سے مٹاتا وہ لب کچلنے لگا تھا۔ اسے خود کو مزید درد نہ دینا تھا۔

''ڈونٹ وری مما۔ میں آجاؤں گا'' وہ محبت سے ماں کے ہاتھ کی پشت تھپکتا ہوا آفس جانے کو تیار تھا۔

''تم آٹھ بجے آجانا'' سارہ کامیاب رہی تھیں انہوں نے پیچھے سے باآواز بلند ہانک لگائی تھی۔

''جی'' وہ سرعت سے نکل گیا۔ احمد نے سارہ کو وکٹری کا نشان بنا کر دکھایا وہ مسکرا دیں۔ انہیں ڈنر پہ خصوصی اہتمام کرنا تھا وہ ضروری مرحلہ طے کرنے کے بعد ڈنر کا مینو ڈیسائیڈ کرنے کے لئے احمد سے سر جوڑ کر بیٹھ گئیں۔



وہ آندھی طوفان کی سپیڈ سے گاڑی دوڑاتا ہوا آفس پہنچا تھا وہ اپنی ذات میں الجھا آگے بڑھتا جا رہا تھا سٹاف ممبران اسے دیکھتے ہی اپنی سیٹ سے کھڑے ہو کر مؤدب سلام کرتے۔ وہ جواب دیئے بنا اپنے آفس آگیا۔ زوردار دھاڑ سے دروازہ بند کر کے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا بیگ ٹیبل پر رکھ کر چیئر پر گر گیا تھا۔ وہ سخت ڈسٹرب تھا۔ یادِ محبت کی پرچھائی اسے بے کل کئے جا رہی تھی۔ کچھ بھی وہ فی الحال شادی کیلئے ہرگز تیار نہ تھا۔ سارہ کا جذباتی اصرار اسے پریشان کر گیا تھا۔ وہ بے چینی سے اٹھ کر آفس میں ٹہلنے لگا تھا۔

''آئی نو اور کچھ'' اس کی محبت کی مشک مدمقابل تک تو پہنچ گئی تھی مگر اسے پگھلا نہ پائی تھی۔ اس کی پرخلوص محبت مشکوک ٹھہری تھی۔

''آپ کئی روز سے میری راہ میں کھڑے ہوتے ہیں یہ محبت یا پھر ٹائم پاسنگ ہی ہو سکتا ہے'' ایک اور یاد نے ماضی کے دریچے سے جھانکا تھا۔ وہ کرب سے نچلا ہونٹ کچلتا ضبط کی انتہا پہ تھا۔ وہ اس کی پہلی محبت تھی جو اس کی محبت ہی نہ سمجھ پائی تھی۔ وہ اضطراری کیفیت میں تیزی سے ٹہلنے لگا تھا۔ اضطراب اس کے وجود سے مترشح تھا اور چہرہ ضبط کی لالی سے سُرخ۔

''میں نے تم سے سچی محبت کی تھی مِس'' وہ عرصے بعد تصور میں اس سے مخاطب ہوا تھا جس کا نام تک اسے معلوم نہ تھا۔ دل کی دہلیز پہ درد کے کانٹے اگ آئے تھے۔ یہ درد محبت کو کھونے یا اس سے بچھڑنے کا نہ تھا۔ یہ درد اپنی پاکیزہ محبت کی بے قدری کا تھا۔ اس نے دل و دماغ سے زاریہ کا ہر نقش تک کھرچ ڈالا تھا۔ یاد تھا تو صرف اس کا پُر تحقیر و پُر حقارت بے لوث چاہت کا مذاق اڑاتا استہزائیہ لہجہ۔

وہ زاریہ کو بھلا چکا تھا مگر اپنی محبت کی توہین

نہ فراموش کر پایا تھا۔ اسے مدت بعد زاریہ کی پرچھائی یاد آنے لگی تھی۔
"مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں ہے" اسے یادِ ماضی سے پیچھا چھڑا کر آگے بڑھنا تھا۔ تصور میں زاریہ کی دھندلی پرچھائی گہری ہو گئی تھی۔ وہ صدقِ دل سے اسے معاف کرتا زیرلب بڑبڑایا تھا۔ اسے نئی زندگی کی شروعات سے پہلے پچھلی یادوں سے چھٹکارا پانا تھا۔ زندگی میں بعض اوقات انسان اپنا ظرف بڑا کر لے تو اسے خوشیوں اور سکون کی دولت سے نواز دیا جاتا ہے۔ اعلیٰ ظرف کے انعام کے طور پر۔ سکون کی تیز لہر اس کے وجود میں دوڑ گئی تھی۔ وہ تنے اعصاب ڈھیلے چھوڑتا اپنی سیٹ پر آ بیٹھا۔ اسے شام کو جلد گھر پہنچنا تھا۔ وہ ریلیکس ہو کر ضروری کام نمٹانے لگا۔ اس نے ٹیبل پر پڑی ضروری فائل اپنے سامنے کھول لی تھی۔



"جاذب بیٹا۔ تم یہ تصویر دیکھ لو" فاطمہ اور انور رسماً ان کے ہاں ہو کر چلے گئے تھے۔ دونوں طرف سے رضا مندی تھی۔ باہمی رضامندی سے شادی کی دو ماہ بعد ڈیٹ فکس کر دی گئی تھی۔ فاطمہ کو دو بیٹیوں کی شادی کی تیاری کرنا تھی۔ وہ ان کی مجبوری سمجھ سکتی تھیں سو انہوں نے بخوشی ہامی بھر لی تھی۔ دلکش اور خوش باش جاذب انہیں بے حد بھا چکا تھا۔ سارہ اور احمد بھی بیٹے کی خوش باش اور فریش دیکھ کر خوش تھے۔
سارہ مہمانوں کے جانے کے بعد بیٹے کے خوشگوار موڈ پہ مطمئن اسے تصویر دکھانے کے لئے چلی آئیں۔ وہ واش روم میں تھا۔ وہ مہمانوں کے دعوت کے خصوصی اہتمام پہ تھکن سے چور تھیں وہ اس کا انتظار کئے بغیر تصویر سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر چلی آئی تھیں۔ واش روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ اس کے کمرے کا دروازہ بند کر کے لوٹ گئی تھیں۔



زاریہ اعجاز وداع ہو کر "خلیل ولاء" میں چلی آئی تھی۔ اس کا بے حد چاؤ اور ارمانوں سے استقبال کیا گیا تھا۔ اسے رسموں سے فارغ ہو کر کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا۔ جلد ہی اسفر بھی آ گیا۔ وہ اس کے تصور سے بھی بڑھ کر شاندار اور مہذب تھا۔ ویسا ہی جیسا ہمسفر اس کی خواہش تھی۔ نہ جانے کیوں اسے جاذب احمد کا خیال ستانے لگا تھا اسے پہلی بار احساس ستا رہا تھا کہ اس نے بے لوث محبت کا مذاق اڑا کر غلط کیا ہے۔ اسے نہ تو جاذب کا بریرہ کے لئے رشتہ آنا ناگوار گزرا اور نہ ہی بریرہ کی اس سے بات پکی ہونا بُری لگی تھی۔ اسے صرف انجانا احساس ستا رہا تھا کہ اس نے نادانستگی میں محبت کی توہین کی ہے۔ اسے پہلی بار ہی محبت سے ڈر بھی لگا تھا محبت کی نارسائی کا کانٹا دل میں کھب جائے تو دل سے نکلی آہ کبھی کبھار محبوب کو برباد کر دیتی ہے۔
اسفر اپنی خوبصورت گھمبیر آواز میں اسے اپنا حالِ دل سُنا رہا تھا۔ وہ مطمئن سی اس کی محبت بھری داستان سماعتوں سے گزار کر دل پہ تحریر کر رہی تھی۔ پچھلے دو دن سے ستاتا ہر وہم اور احساس فضا میں تحلیل ہو گیا تھا۔ اسفر کی محبت بھری سرگوشیاں اسے نئے دیس کی خوشیوں بھری وادی کی سیر کرا رہے تھے۔
"سوری میرا مقصد بُرا نہ تھا جاذب" وہ اسفر کی محبت بھری آغوش میں مسرور سی جاذب سے معذرت خواہ تھی۔ وہ خود کو من چاہے ہم سفر کی سنگت میں بے حد خوش نصیب سمجھ رہی تھی اور وہ غلط بھی تو نہ تھی۔ وہ واقعی ہی خوش نصیب تھی کہ

کئی دنوں کی دھڑکن اسفر خلیل کا دل صرف اس کے لئے دھڑکا تھا۔



چلو منظر بدلتے ہیں
نیا چہرہ سجاتے ہیں
ہم اپنے دل کی چوکھٹ پر
اک نئی تختی لگاتے ہیں
اور
الف سے ی تک
جتنے بھی حروفِ ابجد ہیں
ان سبھی حروف سے
حسین کچھ حروف چنتے ہیں
اور تمہارا نام لکھتے ہیں

وہ فریش ہو کر گیلے بالوں کو تولئے سے رگڑتا ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے موجود تھا۔ موسمِ دل مدت بعد احساسِ مسرت سے لبریز تھا۔ وہ ہونٹوں پہ شوخ سی دھن گنگناتا آہستگی سے بال برش کرنے لگا۔ اس نے برش رکھ کر وال کلاک پہ نگاہ ڈالی تھی۔ بارہ بجنے والے تھے۔ وہ رات دیر سے سونے کا عادی ہو چکا تھا۔ خلافِ توقع اسے نیند آنے لگی۔ وہ آفس ورک مکمل کرنا چاہتا تھا۔ نیند کے باعث کام کل پہ ٹالتا بیڈ پر آ گیا۔ دفعتاً نگاہ سائیڈ ٹیبل پر پڑی، انجانے احساس کے تحت اس نے تصویر اٹھا کر پلٹی۔ اگلے لمحے وہ ساکت رہ گیا۔ اس کی نگاہیں سرد اور برفیلی تھیں۔ چہرہ سپاٹ اور لب جامد۔ یوں جیسے کبھی کوئی الفاظ ادا کرنے کے قابل ہی نہ ہوں گے تقدیر نے یہ کیا سا مذاق کیا تھا اس کے ساتھ۔

وہ بھلے روزانہ محبوب کی دید کے لئے جاتا تھا مگر وہ اس کی سہیلی کو بھی پہچان سکتا تھا۔ سکون لمحہ بھر میں اڑن چھو ہو گیا اور نیندیں یوں بھاگی جیسے کبھی واپس ہی نہ آئے۔ وہ نہ جانے کب تک یونہی ساکت رہا تھا۔ دل ہر احساس سے عاری تھا اور دماغ سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں کھو چکا تھا۔ مما اور پاپا۔ مسرور چہرے اس کی نگاہوں کے سامنے گھوم گئے تھے۔

''آہ'' وہ سخت تذبذب میں تھا۔ دل میں ویرانی اور خالی پن تھا۔ درد یا احساس نارسائی کی ہلکی سی پرچھائی بھی نہ تھی۔

''مجھے انکار کر دینا چاہیئے'' دل میں فوراً خواہش ابھری

''کیوں۔ کیا تمہیں وہ اب بھی یاد آتی ہے'' اگلے پل دماغ نے دیانتداری سے دل کا محاسبہ کیا تھا۔

''ہرگز نہیں'' جواب پوری دیانتداری سے حاضر تھا۔

''تو پھر'' دماغ نے اگلا سوال داغا تھا۔

''آہ'' جواب نہ دل کے پاس تھا اور نہ ہی اس کے پاس۔

''جاذب احمد۔ تم پوری دیانتداری سے تلخ یاد سے چھٹکارا پائے بغیر نئی زندگی کی شروعات کیسے کر پاؤ گے'' وہ دل و دماغ کے درمیان چھڑی جنگ سے بے حال اپنا محاسبہ کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

''مجھے ایک بار اس سے ملنا چاہیے۔ یا پھر کم از کم اس کا سامنا ضرور کرنا چاہئے'' وہ خود کو کھوجنے کے سفر میں ایک نیا تقاضا کر بیٹھا تھا۔ وہ اپنی ذات کی تکمیل چاہتا تھا۔ کھوج کے سفر میں اسے اک مخلص ہم سفر کی ضرورت تھی۔ مگر وہ کسی کی زندگی اپنی ادھوری ذات سے برباد نہ کرنا چاہتا تھا۔ اسے پہلے اپنی تکمیل کرنا تھی۔ اس کا سکون و نیند غارت ہو گئے تھے۔ ایک اور رت جگا اس کا منتظر تھا۔ وہ مضطرب سا بیڈ پہ نیم دراز چھت کو تکنے لگا تھا۔ دل کی انہونی خواہش

اسے بے حال کر رہی تھی۔ وہ بے چین ہونے لگا تھا۔



''سحرش تم بھی عبید کے ساتھ سنگاپور اور بینکاک کے ٹرپ پر جانا'' صبح مما اور دادو اس کا ناشتہ لے کر آئی تھیں۔ شام کو اس کا ولیمہ اور سحرش کی بارات تھی۔ آنٹی بیٹی کی رخصتی پر افسردہ تھیں حالانکہ اسے بیاہ کر خلیل ولاء سے شکیل ولاء شفٹ ہونا تھا۔ وہ چچا زاد عبید سے منسوب تھی اس کا نکاح مہندی کی شام ہی کر دیا گیا تھا تاکہ وہ بھائی کی شادی سے بھرپور لطف اندوز ہو سکے۔ زاریہ نے ماں کی افسردگی محسوس کر کے سحرش کو شوخی سے چھیڑا تھا۔ ماحول پہ عجب سوز چھا گیا تھا۔ آنٹی بار بار بھیگتی آنکھوں کو بمشکل چھلکنے سے روک رہی تھیں۔

''بھابھی عبید اور بھیا نے مل کر ہی تو ہنی موت ٹرپ ڈیسائیڈ کیا تھا''۔ وہ واقعی بہل گئی تھی۔ عبید کے ذکر پر سحرش کا چہرہ گلنار ہو گیا تھا۔ لبوں پہ پھیلتی شرمگیں مسکراہٹ حیاء کے دلکش رنگوں سے سجی تھی۔ سحرش کا دلکش چہرہ دہک اٹھا تھا۔ اسے سنگاپور گھومنے کا بے حد شوق تھا۔ عبید نے اسی کے لئے ٹرپ ڈیسائیڈ کیا تھا۔ سحرش نے آہستگی سے اسے بتایا تھا۔

''سحرش بی بی۔ آپ بہو کو لے کر آ جائیں۔ ان کے میکے والے آئے ہیں'' اسی اثناء میں دیرینہ گھریلو ملازمہ دوبارہ پیغام لے کر آ گئی۔ وہ دونوں ان کا پیغام بھول کر باتوں میں محو تھیں۔

''بھابھی آپ اور بھیا تیار ہو کر آ جائیں'' زاریہ کی سحرش سے کافی دوستی ہو گئی تھی۔ وہ اسفر کو سوتا چھوڑ کر کمرے سے باہر آئی تھی۔ آنٹی کوئی کام سمیٹنا تھے وہ پہلے ہی ملازمہ کے ساتھ مصروف ہو گئی تھیں۔ زاریہ مسکراتی ہوئی پلٹ گئی۔ ابھی اسے اسفر کو بھی جگانا تھا۔ وہ کمرے میں آئی تو اسفر جاگ چکا تھا۔ وہ تیزی سے تیار ہونے لگی۔ مما اور دادو اس کی منتظر تھیں۔



اے عشق ہمیں برباد نہ کر
ہم بھولے ہوؤں کو یاد نہ کر
پہلے ہی بہت ناشاد ہیں ہم
تو اور ہمیں ناشاد نہ کر
قسمت کا ستم ہی کم تو نہیں
یہ تازہ ستم ایجاد نہ کر
یوں ظلم نہ کر بے دار نہ کر
اے عشق ہمیں برباد نہ کر
جس دن سے ملے ہیں
دونوں کا سب چین گیا، آرام گیا
چہروں سے بہارِ صبح گئی
آنکھوں سے فروغِ شام گیا
ہاتھوں سے خوشی کا جام چھٹا
ہونٹوں سے ہنسی کا نام گیا
غمگین نہ بنانا شاد نہ کر
اے عشق ہمیں براد نہ کر
وہ راز ہے یہ غم
آہ جسے پا جائے کوئی تو خیر نہیں
آنکھوں سے جب آنسو بہتے ہیں
آ جائے کوئی خیر نہیں
ظالم ہے یہ دنیا دل کو
یہاں بھا جائے تو کوئی خیر نہیں
ہے ظلم مگر فریاد نہ کر
اے عشق ہمیں برباد نہ کر
اے عشق ہمیں برباد نہ کر

وہ باسی روٹی کے چھوٹے ٹکڑے کر کے لان میں ایک ایک کر پھینکنے لگی۔ چڑیوں کا ہجوم بڑھنے لگا۔ چڑیوں کی چہچہاہٹ اس کے وجود میں

اترے سناٹے کو کم کرنے لگی۔ زاریہ کو ہنی مون ٹرپ پہ گئے دو ہفتے سے زائد ہو گئے تھے۔ اس کی رات زاریہ سے سکائپ پہ بات ہوئی تھی۔ اس کا مزید ہفتہ بھر آنے کا ارادہ نہ تھا۔ انہوں نے اپنا ٹرپ بڑھا دیا تھا۔ وہ اسپین چلے گئے تھے اور وہاں سے واپسی پہ دونوں کپلز کا ارادہ عمرہ کرنے کا تھا۔ زاریہ کی واپسی خاصی لیٹ تھی۔ جبکہ وہ تنہا بولائی بولائی سارے گھر میں پھرتی رہتی تھی۔ شادی کی ڈیٹ کیا فکس ہوئی تھی، مما نمیرہ اور ظہیرہ کا سارا وقت شاپنگ میں گزرنے لگا۔ وہ ان کے بے حد اصرار کے باوجود ان کے ساتھ نہ جاتی تھی۔ وہ خود میں الجھی ہر شے سے بے زار تھی کہ اس کے دل پہ محبت نے شب خون مارا تھا۔

وہ حقیقت کو جھٹلا کر ہار گئی تھی۔ محبت نے خود کو منوا کر ہی دم لیا تھا۔ وہ اس رشتے کو قبول کرنے میں ہچکچا رہی تھی کجا یہ کہ اسے جاذب احمد سے محبت ہو جاتی۔

''یا اللہ میری مدد فرما'' روٹی کے ٹکڑے ختم ہو گئے تھے چڑیوں کا ہجوم بھی اڑ گیا۔ اس نے صدقِ دل سے دعا مانگتے ہوئے سامنے دیوار پہ نظر لٹکا دی جہاں چڑیا چونچ میں اناج لئے بیٹھی تھی۔ جاذب زاریہ کو پسند کرتا تھا تو کیا اس کی محبت ساری عمر یکطرفہ رہتی۔ وہ خوف سے لرزتی بے ساختہ جھرجھری لے کر رہ گئی تھی۔ اسے اپنے نصیب سے ڈر آنے لگا تھا۔

''بریرہ'' مما حسبِ معمول شاپنگ پہ جانے کو تیار اسے بلانے آئی تھیں۔

''جی مما'' وہ سرعت سے آنسو صاف کرتی ہموار لہجے میں بولی تھی۔

''بیٹا ہم جیولر کی طرف جا رہے ہیں تم بھی اپنی پسند کا آرڈر دے دو'' فاطمہ نے محبت سے اپنی بڑی بیٹی کو دیکھا جس کی بردباری اور تحمل پہ انہیں ہمیشہ سے ناز تھا۔

''مما آپ اپنی پسند کا آرڈر دے دیں'' دل پہ اداسی کی دبیز تہہ طاری تھی اور وہ دنیا کی ہر چیز سے دب چکا تھا۔ اس کے چہرے پہ حزن کا ہلکا عکس ابھرا تھا۔

''بیٹا مجھے نہیں تمہیں جیولری پہننا ہے۔ تم جلدی سے تیار ہو جاؤ'' وہ اسے قطعیت سے آرڈر دے کر پلٹ گئی تھیں۔ اسے ناچار تیار ہونا پڑا تھا۔ وہ بددلی سے ان کے ہمراہ ہو لی تھی۔



شادی کی ساری شاپنگ مما اور خالہ مل کر کر رہی تھیں اور فہد بھیا ڈرائیور کے فرائض بخوبی احسن نبھا رہے تھے۔ معصومہ آپی بھی کبھی کبھار ان کی مدد کو سسرال سے آ جاتی تھیں۔ وہ فارغ تھا اسے کسی نے شاپنگ کے لئے نہ فورس کیا تھا اور نہ ہی اس کا ارادہ تھا۔ اس کی الجھن بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ بے حد سنجیدہ رہنے لگا تھا۔ سارہ کو کبھی تشویش ہوتی تو اسماء انہیں سمجھا بجھا کر مطمئن کر دیتی تھیں۔

فہد بھیا مما اور خالہ کو شاپنگ پہ لے کر گئے تو اس نے لیپ ٹاپ آن کر لیا تھا۔ اس کا ذاتی بزنس شاندار جا رہا تھا۔ وہ کیمیکل کے ساتھ وال ورک پہ کلر اسکیم کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس نے پاپا کا آفس چھوڑ کر ذاتی بزنس سنبھال لیا تھا۔ احمد اس کی ترقی پہ خوش تھے۔ وہ محنت سے اپنا بزنس بڑھا رہا تھا۔ وہ منتشر سوچوں میں گھرا بلو، بلیک اور لائٹ پنک کلر اسکیم میچ کرنے لگا مگر کوئی بھی بہترین اسکیم نہ بن پا رہی تھی۔ اس نے تھک کر لیپ ٹاپ بند کر دیا اور بھاری ہوتے سر کو ہاتھوں سے آہستگی سے دبانے لگا تھا۔

وہ بریرہ کو سوچنا چاہتا تھا۔ اس نے پلکیں

موند کر اپنے تنے اعصاب ڈھیلے چھوڑ دیئے۔ سکون کی لہر وجود میں دوڑ گئی تھی۔ پتلیوں پہ بریرہ کی شبیہ ابھرنے لگی۔ وہ نازک اندام اور دھیمے مزاج کی لڑکی دل کے قریب محسوس ہوئی تھی۔ زاریہ کا تصور اور شبہ کی پرچھائی بھی پاس نہ پھٹکی تھی مگر ذات میں اترا سناٹا اور خالی پن کم ہی نہ ہو پا رہا تھا۔ اس کے ماتھے پہ سوچ کی گہری لکیر ابھرنے لگی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں تھما لیپ ٹاپ کپکپا گیا تھا۔ وجود میں اتری ویرانی کم نہ ہو پا رہی تھی وہ کرب سے پہلو بدل کر رہ گیا تھا۔



وہ ٹرپ سے واپس آئی تو دعوتوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ وہ اسفر کی محبت بھری سنگت میں نکھر کر رہ گئی تھی۔ ان کی دوپہر کو اسفر کے دوست کی طرف دعوت تھی وہ دعوت کے لئے تیار ہو رہی تھی۔

''اسفر مجھے بریرہ کی طرف بھی جانا ہے'' وہ دونوں تیار ہو کر جا رہے تھے۔ اسفر رش ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ زاریہ نے خیال آنے پر کہا تھا۔ نہ جانے جاذب اور اس کی کوئی ملاقات بھی ہوئی تھی یا نہیں۔ وہ بریرہ سے جاننے کو بے تاب تھی۔ اس نے جاذب کو سختی سے ڈانٹ دیا تھا مگر وہ بھی یہ مان گئی تھی کہ جاذب سڑک چھاپ عاشق ہرگز نہ تھا وہ دوبارہ بھی ان کی راہ میں نہ آیا تھا۔

''او کے مسز۔ میں کل تمہیں چھوڑ کر آفس میں چلا جاؤں گا اور شام کو پک کر لوں گا'' اسفر نے آتے ہی آفس جوائن کر لیا تھا۔ بزنس کا کافی ہرج ہو چکا تھا۔ وہ محتاط مگر رش ڈرائیونگ کرتے ہوئے فوراً مان گیا تھا۔ انہیں دیر ہو رہی تھی۔ اسفر بے حد کیئرنگ اور لونگ تھا۔ زاریہ خود پہ ناز کرتی اک ادا سے مسکرا دی تھی۔



''تمہیں انکار کر دینا چاہیے تھا بریرہ'' بریرہ نے اس کا گرمجوشی سے استقبال کیا بلکہ مما اور نمرہ و ظہیر نے بھی اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا تھا۔ بریرہ اسے اپنے کمرے میں لے آئی تھی اس نے موقع ملتے ہی اپنا حالِ دل کھول کر کہہ ڈالا تھا۔ زاریہ نے سنتے ہی مخلصانہ مشورہ دیا تھا۔

''زاریہ میں کیسے انکار کرتی، ساری سچویشن تمہارے سامنے ہی تو ہے'' بریرہ بے بسی سے لب کچل کر رہ گئی تھی۔ وہ بُرا پھنسی تھی وہ والدین کا خیال کرتے کرتے دل سے ہار گئی تھی، جبکہ وہ دشمنِ جان کسی اور کا دم بھرتا تھا جبھی تو اس نے کوئی رابطہ تک کرنا پسند نہ کیا تھا۔

''ڈونٹ وری یار۔ تم فکر نہ کرو۔ وہ مجھے کب کا بھول گیا ہوگا'' زاریہ نے خلوص سے اس کا ہاتھ دبایا تھا۔ بریرہ کے دل پہ بھاری سِل ٹھہر گئی۔ زاریہ نے انجانے میں بریرہ کے زخم چھیل دیئے تھے۔ زاریہ اسفر کی سنگت میں بے حد خوش تھی اور اس کے لئے بھی خوشیوں بھری زندگی کی متمنی تھی۔ اس کے چہرے پہ پھیلی مخلصانہ چمک گہری تھی۔ بریرہ چاہ کر بھی کچھ نہ بول پائی تھی۔ زاریہ اسے اپنے ٹرپ کے متعلق بتانے لگی۔ جسے وہ غائب دماغی سے سننے لگی تھی۔



جاذب آج تم آفس سے آف کر لو'' وہ حسبِ معمول تک سک آفس کے لئے تیار ہو کر ناشتے کے لئے کمرے سے نکلا تھا کہ مما نے اچانک آرڈر جاری کر دیا تھا۔ سارہ نے اس کے سامنے گرما گرم چکن پراٹھا رکھتے ہوئے گہری نگاہ سے دیکھا تھا۔

''بٹ وائے مما'' وہ تذبذب کا شکار تھا۔ اس نے اپنی مطلوبہ کلر اسکیم فائنل کر تھی۔ وہ کلر

اسکیم کے بعد ڈرائنگ فائنل کرنا چاہتا تھا۔ وہ اپنا کیمیکل بزنس سیٹ کر کے اب ریڈی میڈ گارمنٹس فیکٹری لگانا چاہتا تھا۔ اس نے دو تین پارٹنرز سے بات چیت شروع کردی تھی۔ اسے آج ایک پارٹی سے ڈیل فائنل کرنا تھی۔ اس کا آفس جانا بے حد ضروری تھا۔

''تم میرے ساتھ شاپنگ پہ جا رہے ہو۔ میں تم دونوں کا ولیمہ کا ڈریس تم دونوں کی پسند سے لینا چاہتی ہوں'' اس نے ساری شاپنگ میں پلہ نہ پکڑایا تھا۔ اسماء نے ہی انہیں صلاح دی تھی تاکہ جاذب کو بریرہ کی پسند و ناپسند کا اندازہ ہو سکے۔ سارہ نے احمد کو گرما گرم چائے کا کپ پکڑایا تھا۔ وہ ناشتہ کے بعد چائے کے انتظار میں خاموش سامع بنے دونوں کی گفتگو سن رہے تھے۔

''دونوں کون دونوں مما'' وہ چونک کر بدکا تھا۔ وہ بریرہ کے ساتھ شاپنگ کا تصور بھی نہ کرسکتا تھا۔

''تم اور بریرہ'' سارہ حسب عادت اس کی بات پہ بیک وقت چڑچڑاہٹ اور تفکر میں گھر گئی تھیں۔

''مما مجھے امپورٹنٹ بزنس ڈیلنگ میں جانا ہے'' وہ بدلحاظی بھری صاف گوئی سے انکار کر گیا تھا۔

''جاذب'' سارہ نے خفگی سے گھرکا تھا۔

''مما پلیز۔ آپ اور خالہ جا کر کرلیں نا۔ پلیز'' جاذب نے نرمی سے منت کی تھی۔ اگر وہ ضد پہ اتر آتیں تو اس کی جان ہرگز نہ چھوٹتی۔

''ایسا کرو۔ نکاح بھی میں ہی کرلوں گی اور بارات بھی اکیلی لے جاؤں گی۔ تم آفس چلے جانا'' سارہ سخت برا مان کر خفگی سے رخ موڑ گئی تھیں۔ جاذب کی جان پہ بن آئی تھی وہ ماں کی خفگی برداشت نہ کرسکتا تھا۔ وہ شادی بھی تو محض ان کی خوشی کی خاطر کر رہا تھا ورنہ وہ کب کا ان سے بریرہ کے علاوہ کسی بھی اور لڑکی سے شادی کرنے کا کہہ چکا ہوتا۔

''مما۔ مائی سویٹ مما۔ آپ میری مجبوری بھی تو سمجھیں'' وہ ناشتہ بھول بھال کر ماں کو منانے لگ گیا۔

''آپ کی ہی تو مجبوری سمجھتی ہوں میں'' وہ ہنوز خفگی سے بگڑی تھیں۔ جاذب کی کوئی کل ان کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔ وہ بریرہ کی تصویر دیکھنے سے پہلے خاصا بدلا لگنے لگا تھا مگر اب دوبارہ پرانی جون میں لوٹ گیا تھا۔

''ایکچوئلی مما۔ میں اپنا بزنس سیل کر رہا ہوں'' جاذب کو بالآخر حقیقت اگلنا پڑی۔

''واٹ'' احمد بھونچکا رہ گئے وہ اپنا جما جمایا شاندار بزنس گھر میں کسی سے بھی مشورہ کئے بناء سیل کرنے لگ گیا تھا۔ احمد اور سارہ شاکڈ رہ گئے تھے۔

''پاپا۔ میں ریڈی میڈ گارمنٹ بزنس اسٹارٹ کر رہا ہوں'' جاذب نے سنجیدگی سے جواب دیا، وہ فیصلہ کر چکا تھا اور وہ فیصلہ کر کے پیچھے ہٹنے کا عادی نہ تھا۔

''بیٹا تم نے اپنے بزنس میں خوب ترقی کی ہے اور پھر تمہیں گارمنٹ بزنس کا بالکل تجربہ نہیں ہے'' وہ ملک کے بدلتے معاشی حالات کے پیش نظر اسے مخلصانہ مشورہ دے رہے تھے۔

''پاپا۔ مجھے کیمیکل بزنس کا بھی تجربہ نہ تھا مگر میں نے اپنی محنت اور ذہانت اور آپ دونوں کی دعاؤں سے بزنس اسٹیبلش کیا۔ مجھے بس آپ دونوں کی دعائیں چاہئیں'' جاذب نے فرمانبرداری سے انہیں قائل کرنا چاہا تھا۔

''بیٹا جیسا تم مناسب سمجھو مگر میری ایک

بات یاد رکھنا۔ تم زندگی کو سنجیدگی سے لیتے ہوئے مستقل مزاجی سے کام لو گے تو کبھی ناکام نہ ہو گے۔ مستقل مزاجی کامیابی کی کنجی ہے'' احمد کو حقیقتاً جاذب کے اس غیر متوقع فیصلے سے شدید ذہنی اور جذباتی دھچکا لگا تھا مگر وہ اس پر کوئی دباؤ بھی نہ ڈالنا چاہتے تھے وہ بھی سارہ کی طرح زندگی سے بھرپور جاذب احمد کی واپسی کے منتظر تھے جسے نہ جانے کیسا روگ لگا تھا۔ اس نے کبھی اپنا دکھ کسی سے بانٹا بھی تو نہ تھا۔

''تھینک یو سو مچ پاپا'' وہ ممنونیت سے ان کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

''لو جی۔ اس گھر میں میرا تو کوئی مقام ہی نہیں ہے۔ آپ دونوں باپ بیٹے نے بالا ہی بالا سارے فیصلے بھی کر لئے ہیں'' سارہ کو دونوں پہ شدید تاؤ آرہا تھا۔ انہوں نے خالصتاً زنانہ شکوہ کرتے ہوئے غصّے و خفگی سے ماتھے پہ بل ڈالے تھے۔

''مما پلیز۔ میں زندگی اپنے ڈھب سے گزارنا چاہتا ہوں'' وہ ماں کے گلے سے لگ گیا۔ سارہ کا ممتا بھرا دل پگھلا تھا۔

''بیٹا تم پہ کوئی زور زبردستی نہیں کر رہا ہے۔ مگر بیٹا زندگی کو بچکانہ فیصلوں یا تجربات کی بھینٹ بھی نہیں چڑھایا جا سکتا ہے'' سارہ کو اس کے فیصلے سے شدید اختلاف تھا۔ اس نے بزنس سے لاکھوں کمائے تھے۔ وہ موجودہ بزنس میں مزید ترقی کا سکوپ رکھتا تھا مگر وہ نیا تجربہ کرنا چاہتا تھا۔ سارا اس لمحہ شاپنگ کرنا فراموش کر کے اس کیلئے فکر مند ہوئی تھیں۔

''مما پلیز'' وہ ملتجی ہو کر ان کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ بظاہر اخبار کے مطالعے میں محو احمد کا سارا دھیان انہی دونوں کی طرف تھا۔

''جاذب ہماری ساری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں مگر تم مجھ سے وعدہ کرو کہ پھر تم بزنس چینج نہ کرو گے'' وہ لاابالی نہ تھا مگر وہ اپنی زندگی کو تجربات کی بھینٹ چڑھانے پر تُلا تھا جو کہ نادانی تھی۔ سارہ نے بالآخر مانتے ہوئے شرط عائد کی۔

''مما آپ بے فکر رہیں۔ میں پوری محنت کروں گا'' جاذب فرطِ مسرت سے ان سے لپٹ گیا تھا۔

''مما شاپنگ پہ کل چلیں گے''۔ وہ بعجلت ناشتہ ختم کر کے باہر نکل گیا۔ احمد اور سارہ کی پُرتشویش نظریں اسی کا تعاقب کر رہی تھیں۔ ان دونوں نے بے ساختہ جاذب کی خوشیوں کی دعا کی تھی۔



''میری بیگم کے چہرے پر بارہ کیوں بج رہے ہیں'' ہنی مون ٹرپ اور دعوتوں کے طویل تھکا دینے والے سلسلے کے بعد پریکٹیکل لائف کا آغاز ہو چکا تھا۔ اسفر نے آفس جوائن کر لیا تھا۔ سحرش کا سسرال مشترکہ تھا مگر وہ کئی کئی روز میکے کا چکر تک نہ لگا پاتی تھی۔ زاریہ تنہا بور ہوتی رہی تھی۔ آنٹی سارا دن ملازماؤں کے ساتھ لگی رہتی تھیں اور فراغت میں ان کا شوق ٹی وی دیکھنا تھا جبکہ اسے ٹی وی دیکھنا پسند نہ تھا۔ وہ سارا دن تنہا بوریت کا شکار رہی تھی۔ اسفر آفس سے لوٹا تو سارے دن کی بوریت بھری تنہائی سے اکتائی زاریہ کا منہ بیزاریت سے پھولا ہوا تھا۔

''مجھے جاب کرنا ہے'' زاریہ نے بوریت بھری تنہائی بانٹنے کا حل ڈھونڈ رکھا تھا۔ اسفر کو صرف آگاہ کیا جانا تھا۔ اس نے مان بھری محبت سے چہرہ مزید پھلا لیا تھا۔

''واٹ [illegible]'' اسفر غیر متوقع فرمائش پہ حیرت سے اچھل پڑا تھا۔

''جاب کرنا معیوب بات تو نہیں ہے اسفر'' زاریہ اس کی حیرت پہ حد درجہ سنجیدہ تھی۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا زاریہ۔ تمہیں جاب کی ضرورت ہی کیا ہے'' ان کے ہاں خواتین کے جاب کرنے کا رواج نہ تھا۔ اگر وہ مان بھی جاتا تو بابا اور تایا ابو ہرگز نہ مانتے اور وہ گھر میں کوئی پرابلم کری ایٹ نہ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے معاملہ سنبھالنے کی سعی کی تھی تاکہ زاریہ بھی خفا نہ ہو۔

''میں جاب پیسوں کے لئے نہیں مصروفیت کے لئے کرنا چاہتی ہوں'' وہ کھاتے پیتے امیر گھرانے کی اکلوتی بہو تھی۔ وہ روایتی سوچ کے مالک تھے۔ وہ اسفر کی ہچکچاہٹ بھانپ گئی تھی۔

''زاویہ تم گھر میں تنہائی بانٹ لو'' اسفر نے قطعیت بھری سنجیدگی سے گویا انکار کیا تھا۔

''سحرش ہفتے دس دن میں ایک چکر لگاتی ہے۔ آنٹی کی اپنی مصروفیات ہیں میں بور ہوتی ہوں سارا دن'' زاریہ نے خفگی سے اسے گھورا تھا۔ موقف پہ ڈٹ جانے والی زاریہ کو ضد سوار ہونے لگی تھی۔

''ٹرائے ٹو انڈر اسٹینڈ زاریہ'' اسفر نے نرمی سے اسے سمجھانا چاہا تھا۔ وہ آفس سے تھکا ہوا گھر لوٹا تھا۔ وہ زاریہ کی فضول ہٹ دھرمی پہ چڑ گیا تھا۔

''سارے مرد اپنی حاکمیت [illegible] ہوتے ہیں'' زاویہ اسفر کے صاف انکار پہ جھنجھلاہٹ سے زیر لب بڑبڑائی تھی۔

''زاویہ میں حاکمیت پسند مرد نہیں ہوں'' وہ اس کی زیر لب بڑبڑاہٹ سن کر ملامت سے اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

''[illegible] آپ کو ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی'' وہ اپنی غلطی مان کر متاسف تھی۔

''او کے، تم ضرورتمندوں کو فی الحال ہوم ٹیوشنز دے دو۔ ان کی ہیلپ ہو جائے گی اور تمہیں مصروفیت مل جائے گی'' اسفر نے ہارتے ہوئے اسے راہ سلجھائی تھی۔ اس نے بخوشی مانتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔



''فاطمہ مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے'' جاذب کو نیا بزنس سٹارٹ کرنے اور سٹیبلش ہونے کے لئے کچھ وقت درکار تھا۔ سارہ کو فی الحال شادی کرنا نامناسب لگا تھا انہوں نے احمد سے مشورہ کے بعد فاطمہ کو کال کی تھی انہوں نے سلام دعا اور حال احوال کے بعد تمہید باندھی تھی۔

''جی آپ کہیے میں سن رہی ہوں'' سارہ کے بدلے لہجے نے انہیں چونکا دیا تھا۔ ان کا دل انجانے خدشے سے تیزی سے دھڑ کنے لگا تھا۔ انہوں نے سوکھے لبوں پہ زبان پھیرتے ہوئے خشک ہوتا حلق تر کرنے کی ناکام سعی کی تھی۔ جسم کا ہر عضو آلہ سماعت بن گیا تھا۔

''جاذب نے نیا بزنس سٹارٹ کیا ہے۔ ہم سوچ رہے تھے کہ اگر آپ ہم شادی کے لیے مزید مہلت دے دیتے تو جاذب کو یکسوئی سے بزنس سٹیبلش کرنے میں مدد مل جاتی'' سارہ نے اٹک اٹک کر بات مکمل کی تھی۔ انہوں نے شادی کیلئے سرسوں ہتھیلی پہ جمائی ہوئی تھی اور اب وہی۔ شادی کرنے سے ہچکچا رہی تھیں۔ وہ فطری طور پر خفت کا شکار تھیں جبکہ دوسری طرف بمشکل شادی کی دن رات کی تیاریوں کے باوجود ادھوری تیاری پر ہراساں فاطمہ کو جیسے کسی نے مژدہ جان سنا دیا تھا۔ مانو سارہ نے ان کے دل کی بات بوجھ لی تھی۔

''اگر آپ برا نہ مانیں تو ہم شادی دو ماہ

مزید لیٹ کر دیتے ہیں'' خفت و ہچکچاہٹ کا شکار سارہ نے جھجک کر بات مکمل کی تھی۔ فاطمہ کا چہرہ سکون واندرونی مسرت سے کھل اٹھا تھا۔

''بالکل آپ بے فکر رہیں۔ ہمیں کوئی اعراض نہیں ہے'' آمنہ باجی کو منانا مشکل امر نہ تھا۔ وہ بہن کی خوشی میں بخوشی جلد شادی پہ راضی ہو گئی تھیں تو یقیناً اب بھی وہ متامل نہ ہوتیں۔ فاطمہ نے رسانیت نرم لہجے میں سارہ کی تشویش کم کی تھی۔

''ایکچوئلی جاذب کو نہ جانے بزنس چینج کرنے کی کیا سوجھی ہے ورنہ ہماری طرف سے تو تیاریاں مکمل تھیں۔ ہم جاذب کے فیوچر کو محفوظ کرنا چاہتے ہیں'' سارہ کے سر سے ڈھیروں بوجھ اتر گیا تھا انہوں نے سینے میں اٹکا سانس بحال کرتے ہوئے مطمئن نظروں سے اپنی طرف متوجہ احمد کو دیکھا تھا۔ وہ بھی مطمئن ہو گئے تھے۔

''آج کل کے بچے ایڈونچر پسند ہو گئے ہیں۔ اللہ جاذب بیٹا کو ڈھیروں کامیابیاں عطا کرے'' فاطمہ نے مسکرا کر محبت سے بریرہ کو دیکھتے ہوئے کہا تھا، وہ ان کے لئے چائے بنا کر لائی تھی، جاذب کے ذکر پہ اس کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔

''آمین ثم آمین'' سارہ نے پرخلوص لہجے میں دعائیہ کلمات کئے تھے۔

''جی۔ جی۔ اچھا'' وہ فاطمہ کو جاذب کے نئے بزنس کے متعلق بتانے لگی تھیں۔ وہ دلچسپی سے سنتے ہوئے ہنکارا بھرنے لگی تھیں۔ سن گن لینے کی سعی کرتی بریرہ کو کوئی بات پلے نہ پڑ رہی تھی۔ اس کا مزید رکنا بے کار تھا۔ وہ بوجھل دل لئے وہاں سے ہٹ گئی تھی۔



کبھی تو شہر ستم گراں میں
کوئی محبت شناس آئے۔
وہ جس کی آنکھوں سے نور چھلکے
لبوں سے چاہت کی باس آئے
چلے تو خوشیوں کے شوخ جذبے
ہماری آنکھوں میں موجزن تھے
مگر نہ پوچھو کہ واپسی کے
سفر سے کتنے اداس آئے
ہمارے ہاتھوں میں اک دیا تھا
ہوا نے وہ بھی بجھا دیا تھا
ہیں کس قدر بدنصیب ہم بھی
ہمیں اجالے نہ راس آئے

جسم وجان پہ اداس و بوجھل بن کے عذاب اتر آئے تھے۔ وہ دل کو تاویلیں سنا سنا کر تھک گئی تھی۔ محبت نے دل پہ شب خون کیا مارا تھا۔ دل کسی ڈار سے بچھڑی کونج کی طرح کرلائے جا رہا تھا۔ احساسِ تنہائی اور یکطرفہ محبت رگوں کو چیرے جا رہا تھا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ جاذب زاریہ کو فراموش کر چکا ہو گا۔ دل کو مبہم آس تھی کہ وہ جاذب کے دل سے ماضی کی پرچھائیاں کھرچ کر اپنی محبت کے انمٹ نقوش ثبت کر دے گی۔ مگر وہ ہرجائی تو اس سے گریزاں تھا۔ اس نے محبت سے جدائی پر خود کو تجربات کی بھینٹ چڑھا رکھا تھا۔

''بریرہ آؤ کھانا کھالو'' وہ خود کو کمرے میں محبوس رکھے ہوئے تھی کمرے میں پھیلے اندھیرے کو نمیرہ نے آ کر لائٹ آن کر کے دور کیا تھا۔ آنٹی کے فون نے اسے سخت آزردہ کر دیا تھا۔ دل بے حد بھاری ہو رہا تھا اور آنکھیں ضبط سے سرخ ہوئی جا رہی تھیں۔ وہ رونا نہ چاہتی تھی مگر اسے شدت سے رونا آ رہا تھا۔ بار بار آنسو اندر دھکیلتی وہ ضبط کے کڑے

امتحان سے دوچار تھی۔

"تم جاؤ میں آتی ہوں" خود پہ ضبط کیئے اس نے ہموار و نارمل لہجے میں کہا۔ نمیرہ سر ہلاتی پلٹ گئی تھی۔ اس نے پہلی بار جانا تھا کہ وہ آنسو آگ ہوتے ہیں جو ضبط کی منزل کی سرحد سے چھو کر آتے ہیں۔ وہ اپنے تمام انمول جذبے جاذب کے نام کر چکی تھی جبکہ وہ ابھی تک اپنی گمشدہ محبت کی پرچھائی کی کھوج میں تھا۔ وہ تنفر و بدگمانی کی دبیز تہہ میں ڈوبی حقیقت سے یکسر لاعلم خود کو کوس رہی تھی کہ اس نے آخر جاذب سے محبت کی ہی کیوں...... دل اسے یاد کر کے بے بسی سے تڑپ رہا تھا وہ محبت کے حق میں کوئی دلیل چاہ کر بھی نہ ڈھونڈ پا رہی تھی۔

"بریرہ بیٹا آجاؤ۔ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے" فاطمہ نے باآواز بلند ہانک لگائی تھی۔ بریرہ بھاری دل سے اٹھ گئی تھی۔



"تم نے کیا مجنوں والی حالت بنا رکھی ہے یار" ارسلان نے اس کے بزنس بدلنے کے اچانک فیصلے کا سنا تو اس سے ملنے چلا آیا۔ وہ دونوں کافی عرصے بعد مل رہے تھے۔ جاذب فیکٹری میں کاریگروں کا کام چیک کرتے ہوئے انہیں ضروری ہدایات دے رہا تھا۔ اس نے بزنس لوکل سطح پہ سٹارٹ کیا تھا۔ اور اس نے پہلے دو بڑے آرڈر پورے کرنے کے لئے دو ہفتوں کا ٹائم لیا تھا۔ وہ دن رات بھر پھر کی طرح گھومتا کاریگروں کے سر پر کھڑا ان سے کام کرواتا تھا۔ ارسلان نے اس کی بڑھی شیو کی طرف اشارہ کیا تھا۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

"جاذب تم نے یکدم بزنس کیوں چینج کیا" اس نے انجانے میں جاذب سے وہ سوال کر ڈالا جس کا جواب اس کے پاس بھی نہ تھا۔ آفس کی طرف بڑھتا جاذب لمحہ بھر کے لئے ٹھہر گیا تھا۔

"بس یار۔ مجھے اس بزنس میں انٹرسٹ نہ رہا تھا" لمحہ بھر بعد وہ بولا تو اس کا لہجہ بلا کا پُر اعتماد تھا۔

"تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو یار" ارسلان نے بے تکلفی و مان سے گلہ کیا تھا۔ ان دونوں کی مختصر دوستی میں بھروسہ و اعتماد خاص چیز تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے پر بھروسہ کرتے تھے۔ مگر اب ارسلان کو لگا کہ جاذب نے اس پہ اعتماد کرنا چھوڑ دیا ہے۔ وہ دونوں آفس میں آ بیٹھے جاذب نے کاؤنٹر پر ریفریشمنٹ کا آرڈر دیا تو ارسلان نے اس کے اندر جھانک لیا تھا۔

"نہیں یار۔ میں کیوں کچھ چھپاؤں گا" اس کے پاس بتانے کے لئے کچھ نہیں تھا اور پھر وہ اس سے کچھ کہتا بھی تو کیا...... اس نے خود کو محبت کی راہ میں بے مول کر کے بھی ناقدری کمائی تھی اور اس میں یہ یارا نہ تھا کہ وہ اپنی بے قدری کا ذکر اپنی زبان پہ لاتا۔ اس نے نظریں چُرا لیں۔

"بتا جاذب تمہارا مسئلہ کیا ہے" ارسلان کو اس کی بات پہ رتی بھر یقین نہ آیا تھا اس نے کہنیوں کے بل میز پر آگے جھکتے ہوئے اپنے پیارے دوست کی آنکھوں میں جھانکا۔ جاذب استعجابیہ نظروں سے اسے تک رہا تھا۔

"تمہیں جھوٹ بولنا نہیں آتا ہے چل اب شاباش۔ تم فٹافٹ سچائی اگل دو۔ ورنہ مجھے سچائی اگلوانے کے کئی طریقے آتے ہیں" اس نے لمحہ بھر توقف کے بعد اس کو جارحانہ لہجے میں وارننگ دیتے ہوئے آستیوں کے کف کہنیوں تک فولڈ کرنا شروع کر دیئے۔ گویا وہ ہر ہتھکنڈا آزمانے پہ آمادہ تھا۔ جاذب اس کی پُرخلوص محبت پہ ہولے سے مسکرا دیا۔ وہ سنجیدہ مگر نرم نظروں سے ارسلان کو دیکھتے ہوئے پیپر ویٹ

ٹیبل پر گھمانے لگا تھا۔ اسی اثناء میں ملازم آرڈر سرو کر کے چلا گیا تھا۔ ارسلان ٹلنے والوں میں سے نہ تھا سو اسے حقیقت اگلنا پڑی۔

''بس اتنی سی بات'' وہ گھمبیر لہجے میں ساری حقیقت اگل چکا تو ارسلان نے جواباً اسی سنجیدگی سے کہا تھا۔

''ارسلان میری محبت کی ناقدری ہوئی ہے'' جاذب نے فوراً صدائے احتجاج بلند کی تھی۔

''جاذب پہلی بات تو یہ کہ تم اب اسے بھول چکے ہو وہ تمہاری محبت نہیں رہی ہے تم بریرہ کے بارے میں سوچو جو تمہارا مستقبل ہے مجھے یقین ہے کہ بریرہ کو تمہاری محبت سے آگہی ہے اور اسے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے اور.....'' ارسلان نے مخلص ناصح کی مانند اس کو نصیحت کرتے ہوئے توقف کیا تھا۔''اور دوسری بات یہ کہ تم اپنی ذات کی تکمیل کی کھوج میں ہو جبکہ تمہاری ذات ان چند ماہ میں ہی مکمل ہو چکی ہے جو تم زاریہ سے دور رہے ہو'' ارسلان نے بالکل درست اندازہ لگایا تھا۔ جاذب اس کے درست اندازے پہ بھونچکا ہونقوں کی مانند اسے گھورے جا رہا تھا۔ ارسلان نے اطمینان سے بات مکمل کر کے چائے کا کپ اٹھا کر لبوں سے لگالیا اور گھونٹ گھونٹ حلق سے اتار کر لطف اندوز ہونے لگا تھا۔ جاذب کسی مراقبے میں گم غیر مرئی نقطے کو تکنے لگا تھا۔ گویا ارسلان نے اپنے آنے کا مقصد پورا کر لیا تھا۔ وہ دوست کی ادھوری ذات کی تکمیل کا باعث بنا تھا۔ اس نے جاذب پہ سوچ کے نئے در کھول دیئے تھے۔



''جاذب بیٹا۔ تمہارا بزنس کیسا جا رہا ہے۔'' اسماء خالہ اس روز آئی ہوئی تھیں۔ فہد بھیا بھی ہمراہ تھے۔ وہ اس سے چند سال بڑے تھے مگر ان کا انداز گفتگو ہمیشہ مشفقانہ ہوتا تھا۔ جاذب کو اپنی ننھیال میں فہد بھیا سب سے زیادہ پسند تھے۔ فہد بھیا نے مخصوص شفقت سے استفسار کیا تھا۔ سارہ بہن سے اسی کا ذکر لیئے بیٹھی تھیں۔ وہ شادی کے دو ماہ کی مہلت لے چکی تھیں جو کہ ختم ہونے کو تھی۔ انہیں فکر کھائے جا رہی تھی کہ کہیں بریرہ کی فیملی میں سے کسی کا فون نہ آ جائے۔ چونکہ وہ دونوں خواتین کا بھی موضوع گفتگو تھا سو ان کے کان کھڑے ہونا فطری تھا۔

بھیا۔ ابھی تو آغاز ہے۔ میری کمپنی نے دو آرڈرز پورے کر لیئے ہیں اور مجھے اب بڑا آرڈر ملا ہے'' جاذب نے تفصیلات بتایا تھا۔

''کس کمپنی نے'' فہد بھیا کی دلچسپی بڑھی۔

''فخر گارمنٹس نے'' جاذب نے بتایا۔

''کون ایوب انکل'' فہد بھیا ٹھٹکے۔

''جی وہی۔ آپ انہیں جانتے ہیں'' دفعتاً جاذب کا اشتیاق جاگا تھا۔ ایوب علی بڑے بزنس مین تھے۔ وہ ان کے ساتھ آغاز میں ہی بزنس سٹارٹ ہونے پر بے حد مسرور تھا۔

''ہوں۔ خاور ایوب میرا بیسٹ فرینڈ ہے، تم محنت جاری رکھو انہیں تمہارا کام پسند آتا رہا تو تمہارا یہ بزنس بھی جلد ترقی کرے گا انشاء اللہ'' فہد بھیا نے پُرخلوص لہجے میں نصیحت کی تھی۔

''انشاء اللہ بھیا۔ انہوں نے مجھ سے نئے سیمپلز مانگے ہیں میں بے بی گارنٹس کے نئے سیمپلز دو روز میں انہیں کولیکٹ کر دوں گا'' جاذب کا اعتماد و جوش عروج پر تھا۔ احساسِ کامیابی سے لبریز جاذب کی آنکھوں کی چمک کئی گنا بڑھ گئی تھی۔ جاذب تمہیں سٹارٹ میں ہی فخر گارمنٹس کا ساتھ ملنا کامیابی کی پہلی منزل ہے۔ تم محنت جاری رکھو انہیں سیمپلز ضرور پسند

آئیں گے۔ میں خاور سے ملوں گا'' فہد بھیا کا بے ریا لہجہ اس کا حوصلہ بڑھانے کو کافی تھا۔

''بھیا آپ ان سے بے شک ملیں لیکن میرے سلسلے میں نہیں۔ میں اپنی محنت سے کامیابی پانا چاہتا ہوں'' خوددار اور محنتی جاذب نے فوراً صاف انکار کرتے ہوئے ان کی مخلصانہ پیشکش ٹھکرادی تھی۔

''اوکے یار۔ ٹیک اٹ ایزی۔ یہ بتاؤ تم شادی کب کر رہے ہو'' فہد بھیا نے محبت سے اس کا کندھا تھپکتے ہوئے موضوع گفتگو بدل دیا تھا۔

''نیکسٹ منتھ'' دونوں خواتین کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے تھے ان کی دلی مراد پوری ہونے کو تھی۔ فہد بھیا اس سے بزنس ڈسکس کرنے لگے۔ اسماء نے بہن کا ہاتھ دبا کر ان کا تفکر کم کیا تھا۔ ان کا چہرہ طمانیت سے پُر تھا۔



''آپی مجھے یہ نومیریکل سمجھا دیں'' اس نے بوریت دور کرنے کے لئے فری ہوم ٹیوشنز شروع کردی تھی۔ گھر میں گویا بھونچال آگیا تھا۔ بابا اور آنٹی نے خفا ہو کر اس کا بائیکاٹ کردیا تھا۔ اسفر والدین کو سمجھا سمجھا کر تھک گیا تھا اور خاندانی وقار کی خاطر وہ خفا تھے۔ ان کے باوقار و امیر گھر کی اکلوتی بہو کا ٹیوشنز پڑھانا ان کی شان و شوکت کے خلاف تھا۔ مگر ایسے میں اللہ تعالیٰ نے تایا ابو کو فرشتہ بنا کر بھیجا۔ انہیں یہ بات معیوب نہ لگی تھی۔ سو بابا اور آنٹی کو ناچار اجازت دینا پڑی تھی۔ وہ دونوں وقتی خفگی کے بعد مان گئے تھے۔ فزاء نے فزکس کی بُک اس کے سامنے رکھی تھی۔ وہ ایف ایس سی میں شاندار سٹوڈنٹ رہی تھی تو اسے فزاء کو ٹیوشن دینے میں وقت نہ ہو رہی تھی۔ فزاء اسی کی کالونی میں رہتی تھی اور اس سے کافی فرینک بھی ہوگئی تھی۔

''تم نے کوشش کر کے دیکھی'' زاریہ نے نوٹ بک تھامی تھی۔

''جی آنسر غلط ہے'' کالج کی نو آموز سٹوڈنٹ نے بچکانہ معصومیت سے مُنہ پھلا لیا تھا۔ دفعتاً اندر آتے اسفر کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی وہ خلاف معمول جلد آگیا تھا اس کی موجودگی سے یکسر لاعلم زاریہ فزاء کو نومیریکل سمجھانے لگی تھی۔

''آپ'' وہ نومیریکل سمجھا چکی تھی تو اپنی طرف متوجہ اسفر پر نظر پڑتے ہی مسکرائی تھی۔

''جی جناب۔ ایک کپ چائے مل سکتا ہے'' اسفر خوش دلی سے مسکرایا تھا۔

''میں ابھی لائی'' وہ اسفر کے لئے چائے بنانے اٹھ گئی۔

''تم میرے آنے تک اگلا نومیریکل حل کرو'' وہ فزاء کو ہدایت کرتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔ اسفر نے سر صوفے کی بیک سے ٹکا کر آنکھیں موندلیں۔



''تمہاری طبیعت اب کیسی ہے'' زاریہ کی طبیعت چند روز سے بوجھل تھی وہ بدلتے موسم کے کارن اپنی صحت پہ دھیان نہ دے پائی تھی۔ اس روز اسے زوردار چکر آیا تھا اور وہ گرتے گرتے بچی تھی۔ اس کی سٹوڈنٹس میں اضافہ ہو رہا تھا۔ مہوش اور فزاء نے اسے سہارا دیا تھا اور فزاء نے ہی فوراً اسفر کو کال کر کے بلایا تھا۔ بابا اور آنٹی کسی فنکشن میں گئے ہوئے تھے۔ سو انہیں آنے میں دیر تھی۔ اسفر تھوڑی دیر میں گھر پہنچ گیا تھا۔ وہ تفکر و تشویش سے استفسار کرتا محبت سے زاریہ پہ جھکا اس کی مضمحل آنکھوں میں جھانکنے لگا تھا۔

''اسفر بھیا۔ آپی کی طبیعت کافی سنبھل گئی مگر آپ ان کا چیک اپ کروالیں'' زاریہ پر طبیعت سنبھلنے کے باوجود قدرے نقاہت طاری تھی۔ فزاء نے محبت بھری تشویش سے بے سدھ پڑی زاریہ کو دیکھا تھا۔

''اوہ تم'' وہ اپنی پریشانی میں اسے دیکھ نہ پایا تھا۔ وہ اس کی موجودگی کے احساس سے غافل خجل سا ہو کر سرعت سے پیچھے ہٹا تھا۔

''بھیا ہم چلتے ہیں۔ آپ آپی کا چیک اپ کروالیں'' فزاء کو اپنی موجودگی بے محل لگی اس نے مہوش کو آنکھوں سے اشارہ کرتے ہوئے اپنی بکس سنبھالیں۔ مہوش بھی جانے کو تیار تھی اسفر اثبات میں سر ہلا کر دوبارہ زاریہ کی طرف پلٹا تھا۔ وہ دونوں باہر نکل گئیں۔

''زاریہ اٹھو میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے چلتا ہوں'' زاریہ اس کی محبت بھری توجہ سے دھیرے دھیرے سنبھلنے لگی تھی۔ اس نے ناز بھری نظروں سے اسفر کو دیکھتے ہوئے ہامی بھرلی تھی۔



''زاریہ میں تمہیں بتا نہیں سکتا ہوں کہ میں کتنا خوش ہوں'' کلینک پہ خاصا رش تھا انہیں واپسی پہ دیر ہوگئی تھی۔ آنٹی اور بابا بہو کی ناسازی طبیعت کے باعث فنکشن سے جلدی گھر آ گئے تھے۔ وہ بار بار اسفر کو کال کر رہے تھے مگر اسفر گھر آ کر بات کرنے کا کہہ کر ٹال رہا تھا وہ خاصے فکر مند ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر نے زاریہ کے چیک اپ کے بعد خوشخبری کی پیش گوئی کی تھی۔ اسفر باپ بننے کے تصور سے ہی بے حد خوش تھا۔

''مما آپ دادو بننے والی ہیں'' مما سے صبر نہ ہو رہا تھا۔ وہ دونوں راستے میں تھے کہ مما کی کال آ گئی اسفر نے ان کی بے تابی پر مسکراتے ہوئے خوشخبری سنائی تھی۔

''واقعی سچ۔ تم دونوں جلدی گھر پہنچو'' مما نے خوشی سے لبریز لہجے میں تاکید کی تھی۔

''میرا بچہ'' ان کے گھر پہنچنے تک مما اور بابا بے قراری سے ان کے منتظر تھے۔ مما نے ان کے پہنچتے ہی بے قراری سے اسفر اور زاریہ کی بلائیں لے ڈالیں تھیں۔ تایا ابو کی فیملی بھی آ گئی تھی۔ ان دونوں کو فرداً فرداً مبارکباد دی جا رہی تھی۔ زاریہ نئے احساس کے تحت بے حد خوش تھی اسفر کی محبت چھلکاتی نظریں اس کا طواف کر رہی تھیں۔ وہ طمانیت بھری ہنسی ہنس دی تھی۔



''مما کیا آپ کو بہو گھر لانے کا کوئی ارمان نہیں ہے'' جاذب کا بزنس دھیرے دھیرے جم رہا تھا۔ اس کی مصروفیات بڑھ رہی تھیں۔ سارہ منتظر تھیں کہ وہ کب شادی کے لئے مانے اور وہ کب فاطمہ کے گھر جا پہنچیں۔ وہ خود جاذب سے بات کر چکی ہوتیں مگر احمد نے انہیں سختی سے جاذب کو ڈسٹرب کرنے سے روک رکھا تھا۔ وہ سنڈے کو فارغ تھا اور اس کا موڈ بھی نارمل تھا۔ سنڈے کو سب اکٹھے ناشتہ کرتے تھے وہی عام سا دن اور عام روٹین۔ احمد اور جاذب اپنی نشستیں سنبھال چکے تھے۔ سارہ انہیں ناشتہ سرو کرنے لگیں۔ اچانک ان کے کانوں سے جاذب کی خوشگوار آواز ٹکرائی تھی۔ وہ بے چینی سے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے تکنے لگیں احمد بھی بے یقین تھے۔ سارہ نے ولیمہ کی شاپنگ بھی خود کر لی تھی۔

''جاذب'' وہ مسلسل مسکراتا ہوا دونوں کو باری باری دیکھ رہا تھا جیسے اسے ان کی حالت سے لطف آ رہا ہو۔ سارہ نے بے یقینی پہ قابو پایا تو ان کی آواز مارے خوشی کے نم ہو گئی۔

''مما۔ آپ کو جو ڈیٹ مناسب لگے فکس کر

دیں'' وہ نارمل و ہموار لہجے میں اعتماد سے کہتا ناشتہ کرنے لگا تھا۔ سارہ نے کچھ کہنے کو منہ کھولا تو احمد نے اشارتاً منع کر دیا تھا۔ جاذب نے خود رضامندی دی تھی ان کے لئے یہی کافی تھا کہ اس نے ازخود شادی کا نام تو لیا۔

''تمہیں بیٹھے بٹھائے ماں کا خیال کیسے آ گیا'' سارہ شوہر کے منع کرنے کے باوجود مروت و لحاظ بالائے طاق رکھ کر برملا خفگی کا اظہار کر گئی تھیں۔

''مما آپ کا خیال تو مجھے ہمیشہ سے تھا مگر اب میں سوچتا ہوں کہ اگر بریرہ نے انکار کر دیا تو مجھے نہ جانے شادی کے لئے مزید کتنا انتظار کرنا پڑے'' آج کا دن ہی خاص نہ تھا بلکہ خاص الخاص تھا۔ اس کی تو ٹون ہی بدلی ہوئی تھی۔ احمد نے چونک کر متوجہ ہوتے ہوئے بیٹے کو بھرپور توجہ سے دیکھا تھا۔ اطمینان اس کی آنکھوں سے چھلک رہا تھا اور ہنسی بار بار ہونٹوں پہ پھسل رہی تھی۔

''جاذب'' سارہ اس کی شوخی سے محظوظ ہوتے ہوئے مصنوعی خفگی سے بگڑی تھیں۔

''بیٹا تمہاری ماں ابھی سے بہو سے جیلس ہو رہی ہے'' احمد نے سارہ کو چھیڑتے ہوئے گفتگو میں حصّہ لیا تھا۔

''نو پاپا۔ میری مما بیسٹ مما ہیں۔ یہ بریرہ سے کبھی جیلس نہ ہوں گی'' جاذب بدستور شوخی پہ مائل تھا۔ اس نے شریر نظروں سے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ احمد اور سارہ کو بیک وقت چار سو چالیس کا دوسرا جھٹکا لگا تھا۔ شادی کے نام سے بھی بدکنے والا جاذب آج دوسری بار بریرہ کا نام لے بیٹھا تھا۔ ان کی حیرانگی فطری تھی۔

''آپ خواہ مخواہ ہم ماں بیٹے میں پھوٹ نہ ڈلوائیں'' سارہ کا رواں رواں رب کا شکر گزار تھا۔ ان پر شکرانے کے نوافل واجب تھے۔ وہ محبت سے بیٹے کا ماتھا چوم کر شوہر کو چڑانے لگی تھیں۔ وہ چڑے بغیر مسکرا دیئے تھے۔ سارہ ناشتہ کرتے ہوئے سارا وقت بیٹے سے شادی کی تیاریاں ڈسکس کرتی رہی تھیں احمد خاموش سامع تھے۔



''بھیا۔ مصالحہ تیز ڈلوائیے گا'' موسم خاصا خوشگوار ہو گیا تھا زاریہ کا دل گول گپے کھانے کو مچل اٹھا تھا۔ زاریہ نے ٹیوشنز چھوڑ دی تھی مگر وہ فزاء کو انکار نہ کر پائی تھی کہ اس کے فائنل ایگزامز قریب تھے اسفر گول گپے لینے جانے لگا تو گول گپوں کی رسیا فزاء نے پیچھے سے ہانک لگائی تھی۔ اسفر سر ہلاتا آگے بڑھ گیا تھا۔ اس کی چند لمحوں بعد گول گپوں سمیت واپسی ہوئی تھی۔

''واؤ'' فزاء نے گول گپا منہ میں بھرتے ہوئے چٹخارا بھرا تھا۔ وہ آنکھیں بند کئے کسی ٹرانس میں سر گھماتی گول گپا کھا رہی تھی۔ زاریہ کے منہ میں گول گپا ڈالتا اسفر بے اختیار مڑ کر اسے دیکھنے لگا تھا۔ وہ ساکت رہ گیا۔ معصومیت، الہڑپن، نزاکت و بانکپن نے اسے الوہی حسن بخش دیا تھا۔ وہ حسین تھی بے حد حسین۔ مگر آج تو اس کی چھب ہی نرالی تھی نہ جانے اس نے اسفر پہ کیسا سحر کیا تھا کہ وہ گرد و پیش سے بیگانہ یک ٹک اسے تکے رہا تھا۔ وہ اپنے ہی اختیار میں نہ تھا۔ نہ جانے فنا کا یہ کیسا سفر تھا کہ وہ فکر فردا سے بھی آزاد تھا۔

''اسفر'' گول گپا ختم ہو چکا تھا دوسرے گول گپے کی منتظر زاریہ نے ہولے سے اس کا کندھا ہلایا تھا وہ چونک کر پلٹا۔ وہ پلٹ آیا تھا آدھا ادھورا بن کر۔ ابن ے بھینچے لب، خاموش نظروں

اور سنجیدہ صورت لئے اسے تکا تھا۔ زاریہ نے پلیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے ربورٹ کی مانند گول گپا اٹھا کر زاریہ کے منہ میں ڈال دیا تھا۔ اس کے وجود میں سناٹے اتر رہے تھے۔ وجود کا خالی پن ذات پہ بھاری پڑنے لگا تھا۔ واپسی کے سفر نے اسے مانو صدیوں کی مسافت جیسی تھکن سے نوازا تھا۔

''بھیا۔ آپ نیکسٹ ٹائم زیادہ گول گپے لائیے گا۔'' ادھورا پن اس کی ذات پہ قہر بن کر اترا تھا۔ فزاء معصومیت سے اس کی حالت سے بے خبر بولنے لگی تھی۔ زاریہ اس کی معصومیت پہ مسکرا دی جبکہ وہ ہنس بھی نہ سکا تھا۔

''زاریہ بی بی۔ فزاء کے بھائی کو لینے آئے ہیں'' ملازمہ نے آکر اطلاع دی تو وہ تیزی سے بکس سنبھالتی بھاگ گئی۔ اسفر خالی وجود لئے خود سے بھی نظریں چرائے زاریہ کی طرف متوجہ ہونے کی ناکام سعی کر رہا تھا۔ زاریہ بیٹھنے سے تھک گئی تھی۔ اس نے بیڈ کی پٹی کے سہارے سر ٹیک دیا تھا۔



محبت مان دیتی ہے۔
مان بڑھاتی ہے۔
اور کبھی کبھار مان چھین بھی لیتی ہے۔

محبت کا اک عجب وصف ہے یہ مان واعتماد کے بغیر اپنی موت آپ مر جاتی ہے۔ محبت میں چاہنا یا چاہے جانا ہی فطری امر نہیں ہے بلکہ یہ مان واعتماد کی آبیاری بھی کرتی ہے۔

جاذب کے نام لینے کی دیر تھی سارہ نے ان کی چوکھٹ پکڑ لی تھی۔ وہ سو کر اٹھی تو سر بوجھل سا تھا۔ وہ اپنے لئے چائے بنانے کچن میں آگئی۔ نمیرہ اور ظہیرہ کسی کی خاطر مدارت کے لئے لوازمات کی تیاری میں محو تھیں۔ آہٹ پہ دونوں نے مڑ کر مصروفیت بھرے مگر معنی خیز شوخی مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی تھی۔ وہ نظر انداز کرتی برنر کی طرف بڑھ گئی۔

''نمیرہ، ظہیرہ جلدی کرو بیٹا۔ وہ جانے کے لئے تیار ہیں'' وہ دونوں بدستور شوخ و شریر نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں اسے تجسس ہونے لگا تھا اسی پل فاطمہ نے بعجلت انہیں پکارتی اندر آگئیں۔

''جی امی۔ بس دو منٹ'' لوازمات تیاری کے مراحل طے کر کے کراکری کی زینت بن چکے تھے۔ ظہیرہ جلدی جلدی برتن ٹرالی میں رکھنے لگی۔ وہ خاص مہمانوں کی آمد کا اندازہ لگا چکی تھی مگر اس کے وجود میں جامد خامشی پھیلی تھی ایسی بوجھل خامشی جو روح کو بھی تھرا دے۔ اس کی آنکھیں بے تاثر تھیں اور دل......

دل جاذب سے محبت تو کرتا تھا مگر کوئی سنہرا خواب یا تصور گھڑنے سے خوفزدہ تھا۔ اکثر سنہرے خوابوں کی تعبیر بھیانک نکلتی ہے جو وہ دل و دماغ اور آنکھوں میں کوئی سنہرا خواب نہ سجانا چاہتی تھی۔ وہ یکسر لاتعلق بنی اپنے لئے چائے بنانے لگی۔ چائے تیار ہوئی تو وہ کپ میں انڈیل کر گرما گرم چائے کا کپ لبوں سے لگا لیا تھا۔ نمیرہ اور ظہیرہ تیاری سے مطمئن ہو کر کچن سے باہر نکل آئیں۔ صد شکر کہ انہوں نے اسے نہ چھیڑا تھا ورنہ بوجھل دل کا بوجھ آنسوؤں کی صورت آنکھوں سے نکل پڑتا۔

اپنی ناقدری اور احساسِ نارسائی کا زہر دماغ کو ڈس رہا تھا۔ وہ یکطرفہ محبت کے فریب میں تنہا دردِ دل سے بے حال ہوئی جا رہی تھی کہ گرما گرم چائے کا سپ لیتے ہوئے زبان جل گئی۔

''کیا وہ ابھی تک زاریہ کو بھول نہیں پایا

ہے'' وہ تاخیر کی وجوہ سے آگاہ تھی۔ دل کو ڈستی سوچ نے ذہن پہ دستک دی تھی۔ لاؤنج سے خوشگوار باتوں اور ہنسی کی آوازیں اس تک پہنچ رہی تھیں۔ وہ اداسی کے سائے میں تنہا نڈھال ہوئی جارہی تھی۔

''اللہ میری بچی کے نصیب اچھے کرے۔ اگلے ہفتے تمہاری ڈیٹ فکس ہوئی ہے'' مہمان کب گئے اسے علم بھی نہ ہوسکا۔ اسے کسی نے بلانا تک مناسب نہ سمجھا تھا۔ فاطمہ مہمانوں کو رخصت کرکے اس کے پاس آئی تھیں۔ اس نے بوجھل پلکیں اٹھا کر بے تاثر نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔ وہ خوش تھیں بے حد خوش۔ وہ اپنی خوشی میں بیٹی کی اداسی بھی نہ بوجھ سکی تھیں۔ وہ ممتا بھری شفقت سے اس کا ماتھا چوم کر اٹھ گئیں۔ وہ جامد رہ گئی تھی۔ کپ میں چائے ٹھنڈی ہوچکی تھی۔ وہ ساکت نظروں سے چائے پہ جمی بالائی کو تکنے لگی تھی۔



بعض حقائق اتنے تلخ اور بوجھل ہوتے ہیں کہ وہ روح کا بار بن جاتے ہیں وہ جتنا خود کو جھٹلا رہا تھا حقیقت سچائی کی صورت خود کو منوانے پہ تلی تھی۔ وہ خود کو جھٹلاتا راہِ فرار اختیار کرتا تھکنے لگا تھا۔ اس کا آفس میں دل نہ لگ رہا تھا۔ زاریہ کو مما نے پسند کیا تھا اور وہ اسے بھی پہلی نظر میں ہی بھا گئی تھی۔ ان کی محبت شادی کے بعد عشق کی صورت اختیار کر چکی تھی۔ ہنی مون ٹرپ اور دعوتوں کے طویل سلسلے نے انہیں مزید قریب کر دیا تھا۔ ان یک شادی کو سال بھر ہوا تھا کہ اسے قدرت نے اولاد کی خوشخبری سے نوازا تھا۔ زندگی جیسے مکمل ہوگئی تھی۔ وہ، زاریہ اور صاحب اولاد ہونے کا احساس۔ وہ بے تابی سے ڈلیوری کا منظر تھا۔ زاریہ اس کی بے تابیوں پہ اور کبھی اس کے پاگل پن پر ہنس دیتی تھی۔

پھر نہ جانے ان کی مکمل زندگی کو ادھورا کرنے کے لئے فزاء درمیان میں کیوں آگئی تھی۔ وہ ٹوٹ کر رہ گیا تھا۔ وجود دو حصوں میں منقسم ہونے لگا تھا۔ دل کا ایک حصہ زاریہ کی طرف لپکتا تھا اور دوسرا حصہ فزاء کی طرف ہمکنے لگتا تھا۔ تصور کے پردے پر اس کا معصوم والوہی حسن بار بار دستک دیتا تھا۔ اس کا الہڑ پن جذبات جگانے لگتا وہ خود کو بُری طرح گھر کنے لگا تھا۔

وہ بے وفا نہ تھا کہ زاریہ کی محبت و وفا بھری رفاقت کو یوں کسی کچی محبت کے سہارے ٹھوکر مار دیتا۔

وہ خائن بھی نہ تھا کہ زاریہ کی قربتوں کے لمحے میں کسی اور کا تصور اپنے قریب بھی پھٹکنے دیتا۔

وہ صرف بے بس اور لاچار تھا۔ دل و دماغ کی اس جنگ میں ہار جیت کی کشمکش اسے نڈھال کر رہی تھی۔ وہ آفس میں سوچوں میں محو آنکھیں موندھے سر چیئر سے ٹکائے بیٹھا تھا کہ ایک جھٹکے سے کھڑا ہوگیا۔ دل پہ یکدم وحشت کا دورہ پڑا تھا۔ وہ ٹیبل سے گاڑی کی چابی اٹھاتا باہر نکل گیا۔ وہ سوچوں میں گھرا گاڑی شہر کی سڑکوں پہ بے مقصد دوڑا تا رہا تھا۔

پھر اس نے گاڑی نہ جانے کب گھر کی طرف موڑ دی تھی۔ وہ گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے اندر بڑھ گیا۔ لان میں سے گزرتے ہوئے انجانے احساس نے اسے بے بس کر دیا تھا۔ وہ کسی سحر میں جکڑا گلاب کی باڑ کے قریب آگیا۔ دلکش پھول بہار دکھلا رہے تھے۔ اس نے ایک پھول توڑ لیا تھا۔ وہ خود میں گم پھول تھامے اندر آگیا تھا۔ فزاء کے ایگزامز سٹارٹ ہو چکے تھے۔ زاریہ باہر تھی جبکہ فزاء پیپر کی تیاری کر رہی

تھی۔ وہ اس کی آمد سے بے خبر بک پر جھکی ہوئی اسفر کی نگاہوں کا محور تھی۔ پھول اس کے ہاتھ میں تھا دل اس کی سمت ہمکنے لگا تھا اسی لمحے آہٹ ہوئی تھی۔

”آپ“ زاریہ۔ اس پر نظر پڑتے ہی اس کے قریب آئی۔ سارے شوخ وشنگ جذبات ہوا ہو گئے تھے۔ اس نے پھول سرعت سے نیچے کرلیا، چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں جیسے کسی نے اسے چوری کرتے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا ہو۔

”میں ابھی آیا ہوں“ فزاء بھی متوجہ ہو چکی تھی۔ اسفر نے خفیف ہو کر خواہ مخواہ وضاحت دی تھی۔ زاریہ اس کی بات سنی ان سنی کر کے فزاء کی طرف بڑھ گئی تاکہ وہ فزاء کا کام چیک کر کے اُسے چھٹی دے سکے۔ اسفر نے کن اکھیوں سے زاریہ کو دیکھتے ہوئے بوجھل سانس خارج کرتے ہوئے اپنا اعتماد بحال کیا تھا۔ پھول ہنوز اس کے ہاتھ میں تھا۔



میری زندگی کے ہم سفر
تجھے کیا پتہ، تجھے کیا خبر
یہ جو تیرا میرا ساتھ ہے
زرد روشنیوں کے نام ہے
ہو کبھی کوئی مجھ سے خفا
ہونا نہ کبھی تم مجھ سے خفا
تجھے پیار کروں میں بے پناہ
تو بھی رکھنا مجھ کو سب سے خاص
یہ جو تیرا میرا ساتھ ہے
زرد روشنیوں کے نام ہے
جب ہوتے ہو تم مجھ سے دور
تجھ یاد کروں میں بے پناہ
میرے دل کا حل تجھے کیا پتہ
یہ جانے صرف میرا خدا
ہو جب بھی تجھ کو کوئی گلہ
مجھ کو دینا صرف ایک صدا
سب کچھ میں چھوڑ چھاڑ کے
دو رکروں میں تیرا گلہ
تو بھی کرنا مجھ سے بہت ہی پیار
نہ چھوڑ کے جانا تو کہیں
میری زندگی کے ہم سفر
تجھے کیا پتہ، تجھے کیا خبر
یہ جو تیرا میرا ساتھ ہے
زرد روشنیوں کے نام ہے
تو بن گیا ہے میرا ہمنوا

اس نے پوری سچائی سے اسے قبول کیا تھا۔

وہ زاریہ کو بھول چکا تھا۔ اس کی تمام پرچھائیاں دل ودماغ سے مٹ چکی تھیں۔ وہ اس کی زندگی میں ایک وقتی پڑاؤ تھی اس کی منزل بریرہ تھی۔ اس نے زاریہ کے ساتھ اکثر اسے ہی آتے جاتے دیکھا تھا۔ وہ اس کی فرینڈ تھی۔ اسے صرف زاریہ سے لگاؤ تھا اس نے کبھی بریرہ کو غور سے گہری نظر بھی ڈال کر نہ دیکھا تھا۔ اس نے بار بار سرسری نظر پڑتے ہی اسے مما کے تصویر دکھانے پر پہچان لیا تھا۔

وہ خائن نہ تھا وہ اسے پوری دیانتداری سے اپنانا چاہتا تھا اسی لئے وہ اسے اپنانے میں متامل تھا۔ وہ اپنی کھوج کے سفر میں کسی اور کی محبت کا سفر محسوس ہی نہ کر پایا تھا۔ اسے کبھی یہ خیال تک نہ آیا تھا کہ وہ کہیں کسی اور کے دل کا مکین بھی بن سکتا تھا۔ وہ تو احساس نارسائی سے خود ترسی تک ہر احساس فراموش کر چکا تھا۔ اس نے کھوج کا سفر تمام ہوتے ہی تمام تر سچائیوں سے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ ڈیٹ فکس ہونے کے بعد مختصر سا وقت کب گزرا اور شادی کا دن آن پہنچا تھا۔ ان کا استقبال انہی کے شایان شان کیا گیا تھا۔

بریرہ یہ دلہن بنی کسی اپسرا سے کم نہ لگ رہی تھی۔ گندمی رنگت دمک کر حسن کو دو آتشہ بنا رہی تھی۔

وہ بریرہ کو رخصت کروا لایا تھا۔ اور اب اپنے ہی کمرے میں کسی دوسرے کی موجودگی کے احساس سے اندر جاتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔

دل و دماغ پہ محبت نے نرمی سے قدم رکھا تو اسے پہلی بار احساس ہوا کہ اس نے اپنی ذات کی تکمیل کے سفر میں کسی اور کے جذبات سے انجانے میں گھناؤنا کھیل کھیلا تھا۔ حساس دل جاذب کو یہی خیال رہ رہ کر خفیف کر رہا تھا اور وہ اسی لئے ہچکچا رہا تھا۔ وہ دروازے کے باہر کھڑا پزل سا لب کچل رہا تھا کہ ارسلان نے اس کا کندھا تھپک کر اسے تسلی دی تھی۔ ارسلان نے قدم قدم پہ اس کا حوصلہ بڑھایا تھا اور اب بھی وہی اسے اعتماد دے رہا تھا۔ جاذب ہولے سے مسکراتا اندر بڑھ گیا تھا۔



وہ تھکن سے بے حال چور چور وجود لئے پل بھر کو ستانے کے لئے بیڈ کی پٹی سے ٹکی ہی تھی کہ آہٹ پہ سرعت سے سیدھی ہوئی تھی۔ اس نے جھکی نظروں سے دو قدم اندر آتے دیکھے تھے۔ وہ آہستگی سے چلتا ہوا قدم قدم آگے بڑھنے لگا۔ بریرہ کا دل تیزی سے دھڑک اٹھا تھا۔ خدشات سے سہا دل انجانے لطیف احساس سے مدھم لَے میں دھڑکنے لگا اس پہ ہلکی گھبراہٹ طاری ہونے لگی اور ہتھیلیاں پسینے سے بھگ گئی تھیں۔

وہ جو چند روز سے خود کو کمپوز کئے سرد مہر جامہ خاموشی لئے ہوئے تھی وجود میں دھیمی موسیقی سی گونجنے لگی تھی۔ وجود کان بنا کسی نئی آہٹ کا منتظر تھا۔ جاذب آہستگی سے چلتا ہوا ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔ اس نے چند لمحے اعتماد بحال کرنے میں لئے اور یہ چند لمحے بریرہ پہ صدیوں جیسے بھاری تھے۔ اس کی پلکوں پہ ٹکے سنہرے سپنے جھپکے پڑنے لگے تھے۔ وہ دلہناپا بھول کر پلکیں جھپکے بنا جاذب کو دیکھنے لگی تھی۔ وہ بے حد ڈیسنٹ ہو گیا تھا۔ اس کی وجاہت میں وقار آ گیا تھا۔ وہ بے حد شاندار لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں دھیرے دھیرے استحقاق در آیا اور وہ اسے اپنائیت سے دیکھتی رہی وہ چند لمحوں بعد مڑا تو اس نے سرعت سے نظریں جھکا لیں۔ وہ اس کی چوری پکڑ چکا تھا۔ اس کے لبوں پہ جاندار ہنسی بکھر گئی تھی۔

''آئی ایم سوری بریرہ'' وہ دوزانو بیٹھا اس کے دونوں ہاتھ تھامے اس کی آنکھوں میں دھیمی مسکان لئے نرمی جھانک رہا تھا۔ بریرہ نے جھٹکے سے سر اٹھایا تھا دل بھر آیا تھا۔ آنسوؤں کا شدید ریلا پلکوں کی باڑ پھلانگنے کو بے تاب تھا۔ وہ لب کچل کر آنسو ضبط کرنے کی سعی کرنے لگی۔ وہ حقیقتاً نادم تھا۔

''ارے۔ ارے'' اس نے خفیف ہو کر رونے کی تیاری کرتی بریرہ کو بانہوں میں بھر لیا تھا۔ بریرہ نے اطمینان سے سر اس کے سینے سے ٹکا دیا تھا۔ بعض رشتے صرف اعتماد اور مان سے پنپتے ہیں۔ بریرہ کا اعتماد بحال ہونے لگا تھا۔



دوسرا پیپر تھا اور بہت اچھا ہوا تھا۔ وہ کالج سے آتے ہی بکس بیڈ پہ اچھالتی فریش ہونے کے لئے واش روم چلی گئی تھی۔ اس کی واپسی دس منٹ بعد ہوئی اس کا موڈ بے حد اچھا تھا۔ اس نے جی جان سے محنت کی تھی اور پیپر بھی حسبِ توقع تھا۔ وہ فریش موڈ لئے بال سلجھاتی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ دفعتاً اس کی نگاہ بیڈ پہ پڑی تھی۔ وہ چونک کر پلٹی۔ اس نے

بیڈ سے بک اُٹھالی۔ بک میں سے جھانکتا سرخ گلاب اسے حیران کرنے کو کافی تھا۔ اس کی زندگی کالج، ٹیوشن اور گھر کے درمیان محو تھی۔ وہ کالج کی سٹوڈنٹ تھی۔ اس کی تمام کلاس فیلوز سے علیک سلیک تھی مگر وہ کسی سے بھی اتنا فری نہ تھی کہ کوئی ایسی حرکت کرتا اور ٹیوشن میں تو صرف گرلز تھیں اور زاریہ نے سبھی کو منع کر دیا تھا وہ بھی اپنے پریکٹیکلز تک تھی اس کے ایگزامز کے مہینہ بعد پریکٹیکل تھے۔

اسفر بھیا صبح کے گئے شام کو لوٹتے تھے۔ وہ کبھی کبھار درمیان میں آجاتے تھے مگر...... سوچوں میں محو قیاس کے گھوڑے دوڑاتی فزاء نے جھرجھری لی تھی۔

''توبہ ہے میں بھی کیا اول فول سوچنے لگی ہوں'' وہ اپنی سختی سے سرزنش کرنے لگی تھی۔ اس کی زندگی اسٹڈی تک محدود تھی۔ پھر پھول کون رکھ گیا ہے۔ وہ سوچ سوچ کر نڈھال ہوئی جا رہی تھی۔

''فزاء دادو بلا رہی ہیں کھانا آ کر کھالو'' فزاء میں دادو کی جان تھی وہ انہیں اپنی سب پوتیوں اور پوتوں سے بڑھ کر عزیز تھی اس کی موجودگی تینوں وقت ڈائننگ ٹیبل پر ضروری تھی۔ ورنہ دادو کے حلق سے بھی کھانا نیچے نہ اترتا۔ شزاء اسے کھانے کے لئے بلانے آگئی۔

''میں آتی ہوں'' وہ اپنے سب بہن بھائیوں سے ذہین تھی دادو اور پاپا کی خواہش اسے ڈاکٹر بنانے کی تھی وہ بھی جی جان سے اسٹڈی میں محو تھی۔ اسے ان کا خواب پورا کرنا تھا۔ اس کی زندگی میں ان ''فضولیات'' کی گنجائش نہ تھی۔ اس نے غیر ارادی طور پر شزاء سے پھول چھپالیا۔ وہ اسے مڑے بنا جواب دے کر بک مضبوطی سے پکڑے کھڑی تھی۔

شزاء پلٹ گئی۔ فزاء نے بک سے پھول نکال کر کمرے میں پڑی ڈسٹ بن میں پھینک کر دوپٹہ شانوں پر ٹکاتی باہر نکل گئی تھی۔ پھول بک سے نکل کر ڈسٹ بن کی زینت بن چکا تھا۔



زاریہ کی طبیعت اچانک خراب ہوئی تھی۔ اسے قریبی ہاسپٹل لیجایا گیا تھا جہاں اسے چیک اپ کے بعد داخل کرلیا تھا وہ ناسازی طبیعت کی بنا پر بریرہ کی شادی بھی اٹینڈ نہ کرپائی تھی۔ اس نے بریرہ سے معذرت کرلی تھی بریرہ اس سے سخت خفا تھی مگر اس نے ولیمہ پہ آنے کا وعدہ لے کر اس کی معذرت قبول کرلی تھی۔

زاریہ کی ڈلیوری قریب تھی۔ ڈاکٹر اور نرس وقتاً فوقتاً آکر اسے چیک کرلیتی تھی۔ اسفر اس کے ساتھ تھا۔ مما نے اسے آفس بھیجنا چاہا مگر وہ نہ مانا تھا۔ تائی امی اور مما دونوں کی موجودگی کے باوجود اسفر زاریہ کے ساتھ رہنا چاہتا تھا۔ بہت دنوں بعد اسے صرف زاریہ کی فکر تھی۔ فزاء کا کوئی خیال تک دل و دماغ کو نہ چھوا تھا وہ زاریہ کو سوچ رہا تھا۔ اسے کے لئے فکرمند تھا۔ یوں جیسے بہت دنوں بعد وجود پہ طاری جمود ٹوٹا ہو۔

''مبارک ہو بیٹا ہوا ہے'' زاریہ کو لیبر روم میں لے جایا گیا تو اسفر کو ناچار باہر رکنا پڑا تھا مما اور تائی امی بھی ساتھ تھیں۔ پل پل صدیوں جتنا بھاری تھا۔ نہ جانے کتنے پل بیتے کہ ڈاکٹر نے آکر خوشخبری سنائی۔ وہ مارے خوشی کے مما سے لپٹ گیا تھا۔

''بیٹا زاریہ کیسی ہے'' مما نے بیٹے کی بلائیں لیتے ہوئے ڈاکٹر سے استفسار کیا تھا۔

''ماں بیٹا دونوں ٹھیک ہیں'' ڈاکٹر پیشہ ورانہ انداز میں نرمی سے تسلی دے کر پلٹ گئی تھی۔ زاریہ کو روم میں شفٹ کیا گیا تو اسفر بے تابی

سے زاریہ کی طرف لپکا تھا۔ تائی امی نے مسکراتے ہوئے بیٹا اس کی گود میں ڈال دیا تھا۔ ننھے بچے کی معصوم حرکتوں اور آنکھیں کھولنے کی سعی نے اسے مسکرانے پہ مجبور کر دیا تھا۔ زاریہ اس کی بے تابی سے محظوظ ہوتی ہوئی دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

''تھینک یو زاریہ'' مما اور تائی امی باہر نکل گئیں تو وہ تنہائی ملتے ہی اس کے قریب آیا تھا۔

''اسفر مجھے آپ کی محبتوں پہ فخر لیے آپ کبھی مجھ سے میرا فخر نہ چھینئے گا'' زاریہ نے اس کی بے تابیوں پہ فخر و مان سے اس کی پر حزن آنکھوں میں جھانکا تھا۔ وہ چند روز سے الجھا الجھا سا تھا۔ زاریہ کی طبیعت بھی اتار چڑھاؤ کا شکار تھی سو وہ اس سے استفسار نہ کر سکی تھی۔ وہ بہت دنوں بعد پرانا اسفر لگ رہا تھا۔ زاریہ کہے بنا نہ رہ سکی تھی۔ اسفر کے مسکراتے لب بھینچ گئے تھے آنکھوں میں خوشی کی چمک لمحہ بھر کو پھیکی پڑ گئی تھی۔ وہ خود کو کمپوز کرتا بیٹے کو لئے زاریہ کی طرف لپکا تھا۔ اس کی دنیا مکمل ہو چکی تھی۔ اس نے زاریہ کے ماتھے پہ بوسہ ثبت کر دیا تھا وہ طمانیت سے سرشار ہو گئی تھی۔



پھول ملنے کا سلسلہ نہ رُکا تھا۔ اس کی بک سے روزنہ پھول برآمد ہوتا تھا۔ اس کا ذہن رفتہ رفتہ پڑھائی سے ہٹنے لگا تھا۔ اس کے دو پیپر رہ گئے تھے۔ وہ روزانہ زاویہ کے پاس پڑھنے جا رہی تھی۔ زاریہ ننھے زاروں کے آنے سے بے حد مصروف ہو چکی تھی مگر وہ اپنی بڑھتی مصروفیات میں سے فزاء کے لئے ٹائم نکال لیتی تھی۔ فزاء ذہن مسلسل ڈسٹرب رہنے لگا تھا۔ وہ کسی انجانی محبت سے دوچار نہ ہوئی تھی اسے تجسس بے چین کیئے ہوئے تھا۔

''فزاء تم کچھ پریشان لگ رہی ہو'' زاریہ بیٹے کی ٹیپی چینج کر کے آئی تو وہ گہری سوچ میں گم فزاء سے استفسار کیئے بناء نہ رہ پائی تھی۔ فزاء نے چونک کر ساکت نگاہ زاریہ پر ٹکا دی تھی۔

''کیا بات ہے فزاء'' فزاء کی آنکھوں میں سوچ کی گہری لہر چھپی تھی۔ جسے وہ گومگو کشمکش میں ہو۔ زاریہ سے گہری ہمدردی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

آپی کوئی میری بک میں روز پھول رکھ دیتا ہے'' فزاء نے جھجک کر الجھن بیان کی تھی۔

''واٹ مگر کون'' زاریہ بھی الجھ گئی تھی۔

''یہی تو مجھے بھی سمجھ نہیں آ رہی ہے کہ کون ایسا کر سکتا ہے'' فزاء کے لہجے ہی نہیں آنکھوں میں بھی الجھن نمایاں تھی۔

''ہوگا کوئی نامراد عاشق'' لاپرواہی بھری بے تکلفی سے کہتے ہوئے تصور کے پردے پر جاذب کی دھندلی پرچھائی ابھری تو وہ لمحہ بھر کو چپ رہ گئی تھی۔ اس نے کسی کی سچی محبت پہ شک کیا تھا۔ اندر کہیں احساسِ خفت پل بھر کو ابھرا تھا۔

''فزاء تم ابھی بچی ہو۔ تم نے مجھ پر اعتماد کر کے اپنی پریشانی شیئر کی ہے۔ تم اسے سیریس لئے بغیر اپنی توجہ صرف اسٹڈی پر رکھو۔ تمہیں ڈاکٹر بننا ہے'' زاریہ نے اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائے بناء مخلصانہ مشورہ دیا تھا۔ فزا سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

''اور ہاں تم یہ بات کسی سے نہ کہنا'' وہ ٹین ایج تھی۔ عمر کے اس حصے میں ہر چیز حسین اور سنہری لگتی ہے۔ جو کہ اکثر سراب بن کر عمر بھر کی بھول بن جاتی ہے۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ اپنی ہم عمر لڑکیوں سے ذکر کرے اور وہ اسے کوئی ایسا سنہرا خواب دکھائیں جو کہ سراب ہو۔

"مگر کیوں آپی" فزا کی آنکھوں میں استعجابیہ رنگ ابھرے تھے۔ اس نے ناسمجھی سے پوچھا تھا۔

"یہ تمہاری زندگی کا مقصد نہیں ہے تمہارا مقصد حیات کچھ اور ہے۔ ایسا نہ ہو میری جان تم بھٹک جاؤ" وہ اسے محبت سے سمجھا کر زارون کی طرف متوجہ ہو گئی۔ زارون کو بھوک لگی تھی وہ اسے فیڈ کروانے لگی۔ جبکہ فزاء ٹک پر جھک گئی تھی۔



وہ خوش تھی بے حد خوش۔ اس کے وہم، خدشات سبھی بھک سے اڑ گئے تھے۔ دل بے حد پرسکون تھا طمانیت نے اس کے حسن کو دوآتشہ بنا دیا تھا۔ ولیمہ بارات کے ہفتہ بھر بعد تھا۔ جاذب کے چچا (احمد کے کزن) فیملی سمیت کینیڈا سے آئے تھے۔ انہی کی خاطر ولیمہ لیٹ رکھا گیا تھا۔ بریرہ دلہن بنی اپسرا لگ رہی تھی اور جاذب کسی ریاست کا شہزادہ۔

جاذب نے اسے بے پناہ محبتوں سے نوازا تھا۔ اس نے لمبے چوڑے وعدے وعید یا قسموں کی بجائے عملاً اسے اپنے ساتھ کا یقین دلایا تھا۔ وہ زاریہ کو بھول چکا تھا وہ اس کا ماضی تھا جبکہ اس کا مستقبل تو وہی تھی۔ وہ ہاتھ تھام کر بیچ راہ میں چھوڑنے والوں میں سے نہ تھا اور اس کا یقین جاذب کی محبت بھری سنگت میں مزید پختہ ہو گیا تھا۔

فاطمہ کا دل بیٹی کے لئے متفکر تھا۔ جاذب کا پل پل بدلتا برتاؤ انہیں تشویش زدہ کئے ہوئے تھا۔ وہ بھی مطمئن ہو گئی تھیں۔ ظہیرہ کا ولیمہ اگلے روز ہی ہو چکا تھا وہ بھی مدعو تھی۔ سارہ نے اسے مان دیتے ہوئے بریرہ کے ساتھ اسٹیج پر بیٹھایا تھا۔

"نمیرہ۔ زاریہ ابھی تک نہیں آئی" بات بے بات کھلکھلاتی بریرہ کو زاریہ کا خیال آیا تو اس نے بہن کے کان میں سرگوشی کی۔

"نہیں۔ زارون کی طبیعت خراب ہے" نمیرہ نے جواباً بتایا۔ بریرہ کا موبائل اسی کے پاس تھا زاریہ کا آیا میسج نمرہ پڑھ چکی تھی۔ زاریہ نہ بارات میں آئی تھی اور نہ ولیمہ میں۔ یہ جاذب کی محبتوں پہ اندھا اعتماد ہی تھا کہ وہ کسی جلن یا حسد کے بغیر دوست کی کمی محسوس کر رہی تھی۔ اس کی اکلوتی دوست اس کی شادی میں شریک نہ ہو پائی تھی تاسف اس کے چہرے پر بکھر گیا۔

"ہماری بیگم کا منہ کیوں لٹکا ہوا ہے" کھانا کھانے اور تصاویر کا سلسلہ شروع ہوا تو جاذب کو اس کے پہلو میں لا بٹھایا گیا تھا۔ جاذب نے اس کا بجھا چہرہ دیکھ کر فوراً سرگوشی کی تھی۔

"زاریہ نہیں آئی ہے" اس نے منہ پھلا کر معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔

"کوئی بات نہیں ہے، ہم آپ کی فرینڈ کے لئے آپ کی خاطر پھر ولیمہ کرلیں گے" جاذب نے ترنت محبت سے اسے چھیڑا تھا۔

"سچی" اس نے کھلکھلا کر باآوازِ بلند کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

"ارے۔ ارے" کئی کیمرے فوکس کیے ہوئے تھے۔ وہ سبھی کی نگاہوں کا محور تھا۔ اگلے پل اس نے خفت سے موقع کی نزاکت بھانپتے ہوئے دوبارہ سر جھکا لیا۔ فضا میں فلک شگاف قہقہے ابھرے تھے۔ جاذب کا پُرشوخ قہقہہ بے حد نمایاں تھا۔ محبت دل پہ دستک دے چکی تھی۔ بریرہ کی روح تک سرشار ہو گئی تھی۔



دلوں میں رقم محبت کی کہانیاں
اگر سچی ہوں تو

بچھڑ کر بھی

محبت زندہ رہتی ہے

کہ جو نقش گہرے ہوں

ان پر کبھی خزاں کا موسم نہیں آتا

بلکہ بہار نامہربان لمحوں میں بھی

ان پر مہربان رہتی ہے

خوب صورت یادوں کی صورت

گر محبت سچی ہو

تو اس کو طلب کی حاجت نہیں ہوتی

بلکہ یہ بچھڑ کر جدائی کی آگ میں

دھیمی دھیمی سے سلگتی رہتی ہے

میٹھی میٹھی سی یہ کسک محبت کو امر کر دیتی ہے

بچھڑ کر بھی محبت مرتی نہیں

جیتی رہتی ہے

''اسفر کل آفس سے جلدی آ جانا مجھے زارون کے لئے شاپنگ کرنا ہے'' زارون کے کپڑے لینا چاہتی تھی۔ زارون کی طبیعت کافی بہتر تھی مگر وہ دن میں ایک آدھ بار قے کر دیتا۔ وہ صفائی پسند تھا وہ زارون کے دن بھر میں تین چار سوٹ بدل دیتی تھی۔ اسفر کی محبت و توجہ بظاہر ویسی تھی مگر انجانی سی بے پرواہی تھی۔ وہ خود میں الجھا کبھی کبھار بے بس محسوس ہوتا تھا۔ زارون نے آ کر زاریہ کی ساری توجہ کھینچ لی تھی۔ وہ شوہر سے غافل نہ تھی مگر اسے بھرپور توجہ بھی نہ دے پا رہی تھی۔ اسفر ڈنر کے بعد حسب معمول گود میں لیپ ٹاپ رکھے بزی تھا۔ وہ زارون کو سلا کر فراغت سے اس کے پہلو میں آ بیٹھی تھی۔

''او کے۔'' نہ شوخی، نہ محبت، نہ مسرت۔ بس ایک سنجیدگی سے کہا گیا ''او کے''۔ اس نے بغور لیپ ٹاپ سکرین پر نظریں جمائے اسفر کو دیکھا تھا۔ براؤن آنکھوں کی چمک ماند تھی۔ چہرے کی بشاشت کھو چکی تھی۔ عجب سا حزن و سوگ چہرے پر طاری تھا۔ حد درجہ سنجیدگی وحشت کا عنصر لئے ہوئے تھی۔ وہ زاریہ کی نگاہوں کی تپش محسوس کیئے بنا ہنوز بزی تھا۔ زاریہ کو پہلی بار کسی انہونی کا احساس ہوا تھا۔

''اسفر'' اسے اپنی بڑھتی مصروفیات میں دونوں کے درمیان سے محبت پھسلتی محسوس ہوئی تھی اس نے نرمی سے ہاتھ اسفر کے ہاتھ پہ رکھا۔ اسفر نے پلٹ کر اسے ساکت نظروں سے دیکھا۔ وہ اسی کو بغور جانچ رہی تھی اسفر سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اسے خود کو عیاں نہ کرنا تھا، وہ خود میں پنپتی سچائی سے نظر کیئے ہوئے تھا اسے زاریہ کے ہاتھ اپنی کوئی کمزوری نہ دینا تھی۔

''تم بدل گئے ہو اسفر'' وہ بھونچکا رہ گیا تھا۔ وہ خود کو سنبھالتے سنبھالتے تھک گیا تھا۔ خود سے ہار کر بے بسی کی انتہا پہ تھا۔

''نہیں تو'' زاریہ اس کی چوری پکڑ چکی تھی اس نے سوکھے حلق کو تھوک نگل کر بمشکل تر کیا تھا۔

''تم کیا لینا چاہتی ہو زارون کے لئے'' اسفر نے لیپ ٹاپ بند کر دیا۔ وہ محبت سے زاریہ کی ٹھوڑی چھو کر پوچھنے لگا تھا۔ کھوجتی نظروں سے گھورتی زاریہ اسے شاپنگ کی تفصیل بتانے لگی تھی۔ وہ بہل گئی تھی۔ اسفر نے تشکر بھری بے ساختہ طویل سانس بھری تھی۔

مگر وہ کب تک بہلتی۔ سچی محبت زندہ رہتی ہے اس کے گہرے نقوش پہ سدا بہار رہتی ہے اگر یہ یکطرفہ ہو تو درد کی سنگت میں محبت نکھر جاتی ہے اور یہ محبت کا کبھی پیچھا نہیں چھوڑتی سچی محبت کا وصف ہے کہ یہ محبوب کی قربت یا جدائی سے مبرا ہوتی ہے۔ جدائی کی صورت تا عمر کسک بن کر رہ جاتی ہے۔ وہ رات زاریہ کو تو ٹال چکا تھا مگر اب اپنی ہی عدالت میں خود سے رہائی نہ پا رہا تھا۔ وہ

فزاء سے نہ جانے کب محبت کرنے لگا۔ اسے خود بھی خبر نہ تھی اور جب خبر ہوئی تو وہ بے بس ہو چکا تھا وہ جسے پکی محبت سمجھ رہا تھا وہ اسی کو دو حصوں میں بانٹ چکی تھی۔ نہ جانے یہ زندگی کا کون سا موڑ تھا۔ وہ نہ تو منزل کا تعین کر پا رہا تھا اور نہ ہی سفر کا۔ وہ تو جیسے اسی موڑ پر ٹھہر گیا تھا۔ اسے کبھی زاریہ اور زارون کی محبتیں کھینچتیں تو کبھی فزاء کی چاہت۔

ایسی چاہت جس نے اس کی پرسکون زندگی میں ایسا بھونچال برپا کیا تھا کہ وہ تصور سے ہی لرز جاتا تھا اسے عمر صرف زاریہ کے سنگ بتانا تھی۔ وہ اس کی اولین محبت تھی فزاء تو اس کی زندگی کا وقتی پڑاؤ تھی۔ ایسا جان لیوا پڑاؤ جو روح کھینچ کے آنکھوں میں لے آئے۔ وہ رات کو زاریہ کو تو مطمئن کر چکا تھا مگر خود آفس میں بیٹھا اب ٹیبل پہ دھرا پیپر ویٹ گھماتا سوچوں میں محو روح تک کو جھنجھنا دینے والے درد کا شکار تھا۔

''الٰہی کرم'' وہ زارون کے بنا مر جاتا اور اگر زاریہ کو خبر ہوئی تو وہ محبت و وفا شعار بیوی کی نظروں میں ہمیشہ کے لئے گر جاتا۔ اسی نے کرب سے سوچتے ہوئے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ لئے تھے۔ وہ اپنے لئے بارگاہ الٰہی میں رحمت کا طالب تھا۔



''زاریہ نے ہمیں دعوت پر مدعو کیا ہے'' وہ ولیمہ کے بعد دعوتوں کے سلسلے میں زاریہ کو فون تک نہ کر پائی تھی۔ وہ نہ تو زارون کو دیکھنے جا سکی تھی اور نہ ہی ہنی مون ٹرپ پہ۔ دراصل احمد صاحب کے کزن کی فیملی چند روز تک کینیڈا لوٹنے والی تھی۔ وہ انہی کی واپسی کے منتظر تھے۔ اس روز بریرہ کو فرصت ملی تھی وہ چچا کی فیملی کے ساتھ ٹائم گزار کر اپنے کمرے میں تنہا بور ہو رہی تھی کہ اس نے زاریہ کو فون ملا لیا تھا۔ غالباً وہ بھی فری تھی جو کال فوراً اٹینڈ کر لی گئی تھی۔ ڈھیروں باتوں کے بعد زاریہ نے اسے مدعو کیا تھا۔ وہ چند لمحے کوئی فیصلہ نہ کر پائی تھی۔ اسے سچویشن عجیب لگ رہی تھی۔ وہ جاذب کی محبتوں پہ ایمان لے آئی تھی۔

جاذب اس کا تھا صرف اس کا۔ لیکن دل نہ جانے کیوں ڈولنے لگا تھا۔ اس نے زاریہ سے فی الحال فرصت نہ ہونے کا بہانہ کر کے جلد آنے کا وعدہ کر لیا تھا وہ پہروں الجھن میں رہی تھی اس کے اندر جاذب کو کھو دینے کا تصور شدت سے جاگا تھا۔ وہ جاذب کے معاملے میں پوزیسونیس کا شکار ہونے لگی تھی۔ وہ جاذب اور زاریہ کا سامنا نہ ہونے دینا چاہتی تھی جبکہ دوسری طرف اس کی بہترین دوست تھی جو کہ میرڈ تھی اور اپنی زندگی سے بے حد خوش اور مطمئن تھی بہر حال اسے جانا ہی تھا سو اس نے جاذب کے گھر لوٹتے ہی اسے بتایا تھا۔ وہ جاذب کے ہر ردِ عمل پر نظر رکھے ہوئے تھی۔

''کب'' ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے لہجہ بے حد ہموار اور چہرہ نارمل تھا۔ نہ کوئی حیرانگی، نہ خوشی اور نہ ہی جھجک...... بے حد اعتماد سے پوچھا گیا تھا۔

''جب آپ فری ہوں۔ مجھے بتا دیں'' بریرہ کے اندر انجانی دہشت سمانے لگی تھی۔ اس نے جاذب کا کوٹ اتارنے میں مدد کی تھی، جاذب نہ تو اس کا نام سن کر ٹھٹکا تھا اور نہ ہی دعوت قبول کرنے میں ہچکچایا تھا۔

''بریرہ تم نیکسٹ ویک کا کہہ دو'' وہ سہولت سے بتاتا کپڑے اٹھا کر فریش ہونے والے واش روم چلا گیا۔ جبکہ وہ تنہا رہ گئی تھی وسوسوں اور اندیشوں میں گھری۔



"کیسی ہیں آپ" ہفتہ جیسے پر لگا کر گزر گیا تھا۔ زاریہ نے شہر کے مشہور ہوٹل میں دونوں کو مدعو کیا تھا۔ وہ اسفر اور زارون کے ہمراہ آدھ گھنٹہ پہلے پہنچی تھی۔ کہ وہ دونوں بھی آگئے تھے۔ جاذب اسفر سے گرمجوشی سے گلے مل کر پلٹا تھا۔ وہ بالکل بھی نہ بدلی تھی بلکہ شادی کے بعد مزید حسین ہوگئی تھی۔ اس کے اندر اسے دیکھ کر نہ تو کوئی بھونچال آیا تھا اور نہ ہی دل کی دھڑکن بدلی تھی۔ آنکھوں میں اطمینان اور لبوں پہ دھیمی ہنسی لئے سلام کرتے ہوئے زاریہ کا احوال رسماً پوچھا تھا۔

"الحمد للہ۔ بالکل ٹھیک ٹھاک۔ آپ سنائیں" زاریہ نے اپنے ازلی اعتماد سے آنکھیں مٹکاتے ہوئے قدرے شوخی سے پوچھا تھا۔

"الحمد للہ فائن" وہ ذات کی تکمیل کے جس مرحلے کا متمنی تھا آج برسوں بعد وہ بھی مکمل ہوگیا تھا۔ دل کے نہاں خانوں میں چھپی محبت کا نام و نشان تک مٹ چکا تھا وہاں بریرہ کا راج تھا۔ وہ اعتماد سے مسکراتا اسفر کے ساتھ آگے بڑھ گیا تھا۔ بریرہ سنجیدگی سے اسے جانچتی نظروں سے دیکھ رہی تھی اور کوئی نتیجہ اخذ کرنے میں ناکام تھی۔ زاریہ مسکراتی ریزروٹیبل کی طرف آگئی۔ ان کے چیئرز سنبھالتے ہی چند لمحوں بعد ویٹر مینیو کارڈز لئے آرڈر کے لئے حاضر تھا۔ زاریہ نے بریرہ کی تمام فیورٹ ڈشز کا آرڈر دے دیا۔

"یار تم جاذب کی پسند بھی پوچھ لیتی" وہ دونوں کی موجودگی میں ان سکیور فیل کر رہی تھی۔ اس کا معصوم دل ٹھہر سا گیا تھا۔ اس نے جاذب کو ٹٹولتی نظروں سے دیکھتے ہوئے زاریہ کو مخاطب کیا تھا۔

"واٹ کیا تم دونوں کی پسند ایک نہیں ہے بھئی اسے وہی پسند ہوگا جو تمہیں ہوگا" زاریہ نے استفہامیہ مگر سادہ لہجے میں کہتے ہوئے شوخی سے جاذب کو چھیڑا تھا۔

"وائے ناٹ۔ ہر میرڈ بندے کی طرح میں بھی بیوی کا فرمانبردار ہوں" اس نے جواباً بھرپور شوخی سے جواب دیا تھا۔ وہ دونوں نارمل تھے صرف وہی ان سکیور تھی۔ پھر باقی کا سارا وقت وہ نارمل مگر در پردہ الجھی سی رہی تھی زاریہ اور اسفر کی بھرپور سنگت میں وقت اچھا گزرا تھا۔



خواب آنکھوں میں بھر رہا ہے کوئی
ایسے دل میں اتر رہا ہے کوئی
مجھ پہ وہ چھا رہا ہے بن کے نشہ
کالا جادو سا کر رہا ہے کوئی
یاد کے بادبان کو دے کے ہوا
پھر بھنور میں اتر رہا ہے کوئی
جگنوؤں تتلیوں سے لے کر ردا
شام رنگین کر رہا ہے کوئی
رات کے ہاتھ میں دیا دے کر
ظلمتوں سے گزر رہا ہے کوئی
غور سے دیکھئے ذرا وسیم
آج مجھ میں بکھر رہا ہے کوئی

وہ کافی دیر ٹیرس کی ریلنگ پہ جھکی نیچے لان میں کھلے رنگ برنگے پھولوں کو دیکھ رہی تھی۔ طبیعت بوجھل تھی۔ دل و دماغ پہ نہ جانے کیوں اداسی چھائی ہوئی تھی۔ اس نے دعوت میں کھانا بھی برائے نام کھایا تھا اور کسی کو محسوس بھی نہ ہوا تھا کہ وہ بھوکی رہ گئی ہے۔ جاذب کا موڈ خوشگوار رہا تھا۔ وقت واپسی وہ سارا وقت دورانِ ڈرائیونگ شوخ دھن گنگناتا رہا تھا۔ اس نے بھی جاذب کا چہکتے ہوئے لہجہ کا کھوکھلا پن چھپا کر بھرپور ساتھ دیا تھا۔ دونوں نے دوبارہ اسفر اور زاریہ کو بھی ڈسکس کیا تھا۔ وہ جب سے آیا تھا

تب سے کچن میں گھسا نہ جانے کیا کر رہا تھا۔ کچن سے مسلسل کھٹر پٹر کی آوازیں آ رہی تھیں۔ بریرہ احساسِ تنہائی سے افسردہ سی روٹھی ہونے لگی تھی۔

''کھانا تیار ہے تم جلدی سے آجاؤ'' جاذب کھانے کی ٹرے لئے ٹیرس پہ ہی آ گیا۔ وہ بلا تکلف نیچے آلتی پالتی مار کر بیٹھتے ہوئے اسی سے مخاطب تھا۔ وہ مڑی اور حیران رہ گئی۔

''کھانا' ذوہ زیرِ لب تحیر سے بڑبڑائی تھی۔ اس لمحہ اس کی ہونق بنی صورتی دیدنی تھی۔

''جی بیگم صاحبہ۔ فٹافٹ آجائیں'' جاذب نے چکن کڑاہی بنائی تھی۔ رائتہ اور سلاد نے کڑاہی کی خوشبو بڑھا دی تھی۔ وہ اپنی جگہ بت کی طرح ایستادہ تھی۔ لب یوں جامہ تھے جیسے کسی نے سی دیئے ہوں۔

''یار تم اکیلی بھوکی نہیں ہو۔ تمہارے بغیر مجھ سے بھی ٹھیک سے کھانا نہ کھایا گیا تھا'' جاذب بریرہ کی ہچکچاہٹ بھانپ چکا تھا۔ اس نے تھوڑا تھوڑا ساری ڈشز ٹرائی کی تھیں جبکہ بریرہ نے صرف دو ڈشز پر اکتفا کیا تھا۔ زارون میں مگن زاریہ دوست کی بیزاریت نہ بھانپ سکی تھی۔ جاذب نے چہرے پر زمانے بھر کی مسکینیت طاری کرتے ہوئے شوخی سے اسے آنکھ ماری تھی۔ وہ بھونچکا رہ گئی تھی۔ جاذب اس کا بھید پا چکا تھا اور وہ اسی سے بدگمان ہوئی جا رہی تھی۔ چہرے پر پھیلے تحیر کی جگہ آہستہ آہستہ بے یقینی اور پھر خفت نے لے لی تھی۔

''بریرہ اگر محبت میں بدگمانی یا شک گھات لگا لے تو پھر اعتماد ختم ہو جاتا ہے جس سے زندگی کا حسن ماند پڑ جاتا ہے'' جاذب نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے سامنے ہی بٹھا لیا تھا۔ وہ ہنوز چپ تھی اس کا چہرہ مارے خفت کے سرخ ہونے لگا تھا۔ وہ لاپرواہ یا غافل نہ تھا۔ اسے اس کی ساری خبر تھی۔ جاذب نے لقمہ توڑ کر اس کے منہ میں ڈالا تھا۔

''جاذب آپ'' اس نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے تو کب کے رکے آنسوؤں کا گولہ حلق میں پھنس گیا تھا۔ وہ نادم تھی اس نے محبت اور ساتھ نبھانے والے ساتھی کے خلوص پہ شک کیا تھا۔ وہ تو اس کا ہمدم بنا اس کی دلجوئی کر رہا تھا۔

''بریرہ تم میری زندگی ہو جبکہ وہ میرا بھولا بسرا ماضی'' روح پہ دھرا بوجھ کم ہوا تو بھوک کا احساس شدت سے جاگا تھا۔ جاذب نے کھانا اچھا بنایا تھا۔ وہ بریرہ کو اپنے ہاتھوں سے کھلانے لگا تھا۔ بریرہ کی اداسی چھٹنے لگی تھی۔

''سوری جاذب'' وہ بھی بھوکا تھا اس نے لقمہ توڑ کر جاذب کے منہ میں ڈالتے ہوئے معذرت کی تھی۔

''سوری کیسی یار۔ تم میری زندگی تو ہو مگر میں تمہیں مستقبل میں کسی دوسری عورت کی شیورٹی نہیں دے سکتا ہوں''۔ وہ آخری لقمہ توڑ کر بریرہ کے منہ میں ڈالتے ہوئے شرارش بہ شوخی پہ مائل تھا۔ اس کی آنکھوں میں محبت کا سمندر موجزن تھا۔

''وہ میں خود لے لوں گی'' بریرہ نے محظوظ ہوتے ہوئے شرارت سے اس کی پوروں پہ دانتوں سے ہلکا سا کاٹ ڈالا۔

''سی'' وہ مسکراتے ہوئے ہلکا سا سسکا تھا۔

''تمہیں کس کے رکھوں گی مسٹر'' وہ شوخی سے اسے دیکھتی خالی برتن اٹھا کر چلی گئی۔

''میں مما کو بتاؤں گا'' جاذب کا موڈ حد درجہ خوشگوار تھا اس نے مصنوعی پن سے ٹھنکتے ہوئے بچکانہ انداز میں منہ پھلا لیا تھا۔

''واٹ'' بریرہ کا اعتماد بحال ہو چکا تھا وہ

اپنی جون میں لوٹ آئی تھی۔ اس نے پلٹتے ہوئے مصنوعی رُعب سے اسے گھرکتے ہوئے آنکھیں دکھائیں۔

''اچھا نہیں بتاتا'' جاذب بدستور شوخ تھا۔ وہ منہ پھلائے آہستگی سے بولا تھا۔ بریرہ کی نظریں اس کے وجیہہ چہرے پر جمی تھیں وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اگلے پل فضا میں دونوں کا خوشگوار قہقہہ گونج اٹھا تھا۔ فضا میں جیسے موسیقی بج اٹھی تھی۔

موسم بے حد خوشگوار تھا۔ فضا میں اڑتے پرندے جھوم رہے تھے۔ آسمان پہ تیرتی سیاہ بدلیوں سے دن میں ملگجی شام سا سماں پیدا ہوگیا تھا۔ دور گگن میں محوِ سفر بادل بارش کا پتہ دے رہے تھے۔ سہانے موسم کی دیوانی فزاء سے بند کمرے میں زیادہ دیر نہ بیٹھا گیا۔

''آپی باہر لان میں چلیں'' اس کا لاسٹ پریکٹیکل تھا۔ وہ زاریہ کو وائیوا سنا رہی تھی کہ اس کا دل مچل اٹھا تھا۔ وائیوا سنتی زاریہ نے ٹھٹھک کر اسے دیکھا۔ وہ بچکانہ پن و معصومیت کی انتہا پہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔ اسے بے ساختہ اپنی کالج لائف یاد آگئی اور بریرہ بھی۔ وہ دونوں بھی سہانے موسم، رنگوں، تتلیوں اور بارش کی دیوانی تھیں۔ شاید یہ عمر کا پڑاؤ ہی ایسا ہوتا ہے کہ ہر خوبصورت چیز سنہری اور دل لبھاتی لگتی ہے۔

''چلو'' وہ بھی اس کے ساتھ بچی بن گئی تھی۔ اس کا دل نیلے گگن پہ پھیلے بادلوں کو دیکھ کر مچل اٹھا تھا۔ زاردن دادو کے پاس تھا۔ وہ دونوں لان میں آگئیں۔ بوندا باندی شروع ہوگئی۔ کن من برستی بوندیں جسم و جاں پہ پُرکیف سرہ طاری کررہی تھیں۔ وہ بارش میں بھیگنے لگیں۔ جلد ہی ننھی بوندوں نے تیز بارش کا روپ دھار لیا تھا۔ وہ فزاء کے ساتھ بھیگتی چلی گئی۔ وہ اور بریرہ گھنٹوں بارش میں نہائی تھیں۔ کئی پرانی یادیں ذہن میں تازہ ہوئیں تو لب آپوں آپ مسکرانے لگے اور اسے خبر ہی نہ ہوئی کہ وہ زیرِ لب گنگنانے لگی تھی۔

''واؤ۔ آپی آپ کی تو بہت پیار آواز ہے'' فزاء نے فوراً اسے سراہا تھا لبوں کی ہلکی مسکان گہری ہوگئی۔ آسمان بھی خوب برسنے کو تیار تھا۔ وہ دونوں نہانے لگیں۔ دفعتاً گیلے بالوں کی چہرے کو پریشانی کرتی لٹوں کو پیچھے کرتے ہوئے زاریہ کی نگاہ اپنے کمرے کی لان میں کھلتی کھڑکی پہ پڑی۔ وہ ساکت رہ گئی۔ اس کی آنکھیں پتھرا گئیں اور وجود مجسمہ بن گیا۔ فزاء اپنی دھن میں مست تھی۔ فزاء کا معمہ حل ہوگیا تھا۔ اس کی کمر تھی سو وہ نہ دیکھ پائی تھی۔ اسے آج ایک اور پھول ملنے والا تھا۔ اسفر دونوں کی غیر موجودگی میں دبے پاؤں آکر بک میں پھول رکھ کر پلٹا تو نظر باہر چلی گئی۔ اس کا چہرہ فق ہوگیا تھا۔ اس کا بھرم بھی چکنا چور ہوگیا۔ وہ زاریہ سے نظریں نہ ملا پا رہا تھا۔ وہ زاریہ کی سرد برفیلی اور بے یقین آنکھوں کی تاب نہ لاکر تیزی سے لمبے ڈگ بھرتا ہوا باہر چلا گیا تھا۔

بارش جاری تھی۔ آسمان بھی خوب برس رہا تھا۔ فضا میں ٹھنڈی خوشگوار ہوا پھیلی تھی۔ فزاء بھیگنے میں ابھی تک مگن تھی۔ سب کچھ ویسا تھا، مگر شاید اب کچھ بھی ویسا نہ تھا۔ کچھ بھی.........

''مرد بازیافت کا پرندہ ہے'' اس نے یہ جملہ بہت پہلے پڑھا تھا۔ اسے ایسے مردوں سے چڑ ہی نہیں نفرت بھی تھی۔ نہ جانے یہ پرندہ کب اور کہاں کس ڈال پر بیٹھ جائے، کون جائے۔ کیسے خبر۔ یہ کہ یہ بیٹھ کر دوبارہ نہ اڑے گا۔ مرد سے بڑھ کر بے اعتبار مخلوق کوئی دوسری نہیں ہے۔ نہ جانے کتنی دیر گزری تھی بارش شام کے

بعد تھم گئی تھی۔ فزاء کا آخری دن تھا۔ اس کے ایگزامز ختم ہو گئے تھے۔ اس نے ایجوکیشن اکیڈمی جوائن کرنا تھی جو کہ زاریہ نے ہی اسے بتائی تھی۔

ڈنر کب لگا کس کس نے کھایا اسے کچھ خبر نہ تھی وہ ناسازی طبیعت کا بہانہ کر کے کمرہ بند کر کے مقید تھی۔ زارون کو آنٹی نے سنبھالا ہوا تھا۔ وہ ان سے بے حد اٹیچڈ تھا۔ وہ تنہا فرش پہ دونوں ٹانگوں کے گرد بازو لپیٹے منہ چھپائے بیٹھی تھی۔ پتلیاں متحرک تھیں مگر منظر کا ادراک کھو چکی تھیں۔ کان بے حس نہ تھے مگر کچھ بھی سننے سے قاصر تھے۔ ذہن ماؤف ہوا جا رہا تھا۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ خلافِ توقع کچھ واقع ہو جائے تو یقین کرنے میں مدتیں گزر جاتی ہیں اور کچھ حقائق اتنے تلخ اور بھیانک ہوتے ہیں کہ روح تک چھلنی کر دیتے ہیں وہ زخمی یا گھائل نہ تھی اس کی روح چھل گئی تھی۔

''اگر تمہارا شوہر ایسا ہوا زاریہ تو تمہارا کیا ہوگا'' بریرہ کی شوخ و شریر آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔

''میں اس سے طلاق لے لوں گی مجھے ایسے لوفر بندے کا ساتھ بالکل قبول نہیں ہے'' زاریہ کو اپنا جواب یاد آیا تھا۔ اس نے کتنے یقین سے جواب دیا تھا جیسے ایسا کچھ ہرگز نہ ہوگا اور اب...... اس کی دنیا مکمل ہو کر بکھری تھی اس نے کب سوچا تھا بھلا کہ اسفر جیسا میچورڈ مرد ٹین ایجر جیسی حرکت کرے گا کیا اس کی محبت کے رنگ اتنے کچے تھے کہ وہ اسفر کے دل سے محض دو سال بعد ہی اتر گئے تھے۔

''آہ......'' اس نے کرب سے جھرجھری لی تھی۔ آنکھوں کی سطح نم ہونے لگی تھی۔

اسے جاذب کا دل توڑنے کی سزا ملی تھی یا اپنے پر تکبر رویئے کی۔ وہ کچھ سمجھنے سے قاصر تھی۔ اس کا پندار زخمی ہونے لگا تھا۔ دل خون کے آنسو رونے لگا۔ اسفر ابھی تک کمرے میں نہ آیا تھا۔ شاید اس کا نہ آنا ہی بہتر تھا فی الحال۔



''اسفر بیٹا نہ تم ڈنر کر رہے ہو اور نہ زاریہ۔ تم دونوں میں کوئی لڑائی ہوئی ہے'' کچھ بھرم بچ کر بھی انسان کا وقار سلامت نہیں رہتا ہے اور کچھ بھرم ٹوٹ جائیں تو انسان اپنی ہی نظروں میں گر جاتا ہے۔ وہ بھی اپنی ہی نظروں میں گرا تھا۔ بارش شروع ہوئی تو دل بے ساختہ گھر جانے کے لئے مچلنے لگا۔ وہ مینیجر کو کام سمجھا کر گھر آ گیا۔ اس کے گھر پہنچنے تک تیز بوندا باندی نے موسلا دھار بارش کا روپ دھار لیا تھا۔ وہ پورچ میں گاڑی لاکڈ کر کے نکلا تو لان کا منظر ہی نیا تھا۔ زاریہ اس کے ساتھ بارش میں نہا رہی تھی۔

''چھم چھم چھم۔ میں ناچوں آج چھم چھم چھم'' اس کے کانوں سے زاریہ کی گنگناہٹ ٹکرائی تھی۔ وہ پھر اپنے بس میں نہ رہا تھا اس کے قدم گلاب کی کنج کی طرف بڑھنے لگے۔ وہ پھول توڑ کر مڑا۔ وہ دونوں اس کی آمد سے قطعاً بے خبر ہنوز بارش میں مست تھیں۔ وہ کمرے میں آ گیا۔ سامنے فزاء کی بکس تھیں۔ اس نے پریکٹیکل بک میں پھول رکھا اور گیلے کپڑے چینج کر کے مڑا تھا۔ اس پر طاری سحر چھناکے سے ٹوٹ گیا وہ کھڑکی سے باہر بھیگتی زاریہ کی نگاہوں کا محور تھا۔

''آہ......'' کچھ بھی تھا وہ اس کی متاعِ حیات تھی وہ اس کے بناء زندگی کی تکمیل کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا۔ وہ تو اس کی سانسوں کے بہاؤ کا ذریعہ تھی اسی کے دم سے اس کی کائنات رنگین تھی۔ فزاء تو وقتی پڑاؤ تھی جو اس کی زندگی درہم

برہم کرنے آ گئی تھی۔ اور وہ اتنا بے وقوف نہ تھا کہ وقتی پڑاؤ کو منزل بنا لیتا۔ بھلے اسے اپنے دل کا اک کونا ویران رکھنا پڑتا مگر وہ ساتھ چھوڑنا نہ چاہتا تھا اور پھر زاریہ اس کے بچے کی ماں تھی۔

فزاء تو بچی تھی ٹین ایجر۔ وہ اس کے معصومیت بھرے حسن میں کھو کر اپنی منزل کا نشان نہ کھونا چاہتا تھا مگر آہ...... اس نے بے ساختہ دوسری بار کراہتے ہوئے طویل سانس بھری۔

اس کی تو منزل ہی بے نشان ہو گئی تھی۔ اس کی بھوک پیاس مر گئی تھی۔ وہ سوئمنگ پول کے کنارے ٹہلتے ہوئے خلفشار سوچوں کا شکار تھا کہ مما آ گئیں......

''کیا تم دونوں کی لڑائی ہوئی ہے'' مما نے اس کی بے تاثر سپاٹ آنکھوں میں جھانکا تھا۔

''مما پلیز۔ لیومی الون'' وہ ان کے کسی بھی سوال کا جواب دینے کے لئے قطعاً تیار نہ تھا وہ بے بسی سے بولتا نظریں چرا گیا۔

''اسفر'' مما پریشان ہو گئی تھیں وہ تفکر سے اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگیں۔

''مما پلیز'' اسفر بُری طرح بکھر گیا تھا۔ وہ بچوں کی طرح رو دینے کو تھا کہ مما نے اس کی چوری پکڑ لی تھی۔ وہ ان کی مزید جرح سے بچنے کے لئے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ ایک اور کڑا امتحان اس کا منتظر تھا۔



رات کی ہولناک تاریکی مزید گہری ہو گئی تھی ہر طرف گھور اندھیرا ہے روح میں چھپے بھید بوجھ لینے والے اندھیرا۔ احساس تنہائی جگا دینے والا سیاہ اندھیرا۔ دل کو پاتال کی تہہ میں ڈبکیاں لگوانے والا اندھیرا۔ وہ دیوار کا سہارا لے کر اٹھی اور دروازہ ان لاکڈ کر دیا۔ وہ اپنا بے جان جسم گھسیٹ کر بیڈ تک آ گئی۔ اس نے اپنی آنکھوں کو چھوا۔ آنسو خشک ہو چکے تھے۔ اس کے ہاتھ گالوں پر آ کر ٹھہر گئے تھے۔ گالوں پہ آنسوؤں کے نشان تھے۔ بعض اوقات انسان کے منہ سے نکلا بڑا بول اس کے سامنے ایسی کھائی بن جاتا ہے جس میں وہ منہ کے بل جا گرتا ہے۔ وہ ایسے مردوں کو لوفر اور سڑک چھاپ آوارہ کہا کرتی تھی۔ وہ جن مردوں سے نفرت کرتی تھی ویسا ہی ایک مرد اس کا مقدر ٹھہرا تھا۔ آنکھ میں آنسوؤں کے سوتے پھوٹ پڑے اور وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگی تھی۔ اس پل وہ دیگر افراد کی موجودگی بھی فراموش کر گئی تھی۔ اس کی دھاڑیں نوحے سن کر فضا میں ابھر رہے تھے۔ جو کہ رفتہ رفتہ تھمنے لگے تھے۔



رات کی تاریکی ہولناک تھی۔ ہر طرف گھورا اندھیرا تھا۔ دلوں کو چیرتا اور دلوں کے بھید کھولتا اندھیرا۔ ایسا بھیانک اندھیرا کہ جیسے کوئی جرم کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہو۔ وہ مما کے سوالوں سے زچ کمرے کی طرف آ گیا تھا۔

وہ ہمت کر کے یہاں تک آ تو گیا تھا مگر اندر نہ جا پا رہا تھا۔ اس میں زاریہ کا سامنا کرنے کی ہمت نہ تھی۔ کمرے میں بھیانک خاموشی طاری تھی۔ روح پہ بوجھ بن کر طاری ہونے والی خاموشی، وہ ٹوٹ کر بکھر چکا تھا۔ سوئمنگ پول کے کنارے لگے لائٹس اور مین انٹرنس کی لائٹیں رات کا ہولناک اندھیرا نگلنے میں ناکام تھیں۔ ہر سو سناٹا چھایا ہوا تھا۔ روح کو چھیدتا سناٹا۔ وہ دروازے کے باہر مجسمہ کی طرح ایستادہ تھا۔ صد شکر کہ مما اس کے پیچھے نہ آئی تھیں۔ اس نے ہاتھ دروازے کی ناب پر رکھ دیا۔



''چرر۔ چرر'' ناب گھماتے ہی دروازہ کھلتا چلا گیا وہ اپنا بے جان لاشے سا وجود گھسیٹتا اندر آ گیا۔ اس نے دائیں طرف اندھیرے میں دیوار ٹٹولی، کمرہ چھناکے سے روشنی میں نہا گیا۔ روشنی سے ناآشنا زاریہ کی آنکھیں تیز روشنی سے چندھیا گئیں۔ اس نے آنکھوں پہ ہاتھ کا چھجا بنا لیا مگر افسر پہ نگاہِ غلط تک ڈالنا گوارا نہ کیا تھا۔ اسفر اسی سلوک کا مستحق تھا۔ وہ ٹوٹ گیا اس نے ہمیشہ زاریہ کی آنکھوں میں اپنے لئے محبت اور نرمی دیکھی۔ وہ اس کی نفرت و سرد مہری نہ سہہ پا رہا تھا۔ وہ بیڈ تک آ کر اس کے قریب بیٹھ گیا تھا۔ دونوں کے بیچ خاموشی حائل تھی۔ دونوں اپنی قوتِ گویائی کھو چکے تھے۔

تنہائی کا احساس عذاب جاں بن کر دونوں پہ اترا تھا۔ اسفر کی آنکھ سے ایک آنسو اس کی ہتھیلی پہ گرا تھا۔ اذیت اس آنکھوں میں وحشت بن کر رچی تھی۔ وہ چاہ کر بھی کسی سے اپنی اذیت شیئر نہ کر پا رہا تھا۔ زاریہ سے بھی نہیں۔

وہ بتیس سال کا میچور مرد تھا۔ ایک کچی محبت نے اسے رول دیا تھا۔ نہ جانے یہ محبت تھی بھی یا نہیں۔ وہ اکثر خود کو کھوجتا اور ناکام ہو کر بے بسی سے مٹھیاں بھینچ لیتا تھا۔ شاید وہ جسے محبت سمجھ بیٹھا تھا وہ محبت تھی ہی نہیں۔ وہ بے اختیاری تھی۔

''زاریہ'' اس نے مردہ لہجے میں آہستگی سے اسے پکارا اس کی آواز کسی گہری کھائی سے جیسے ابھری تھی۔ زاریہ کو پہلی بار سا کے منہ سے اپنا نام برا لگا تھا۔ وہ بے حس بیٹھی رہی۔

''آئی ایم سوری زاریہ۔ ایکچوئلی میرے قدم اپنی منزل سے بھٹک گئے تھے'' اسفر کی نظریں ندامت سے زمین پہ گری تھیں وہ سخت نادم تھا۔ کچھ غلطیوں کا مداوا ندامت بھی نہیں کر پاتی ہے۔ اس کا قصور معمولی ہرگز نہ تھا کہ اسے آسانی سے معاف کر دیا جاتا۔

''میری محبت میں کیا کمی تھی اسفر جو تم منزل سے بھٹکے'' زاریہ نے ٹھنڈے ٹھار برفیلے لہجے میں الٹا سوال داغ دیا۔ سردی کی لہر اسفر کی ریڑھ کی ہڈی میں گھس گئی تھی۔ وہ چپ کا رہ گیا۔

''اسفر کچھ غلطیاں قابلِ معافی نہیں ہوتی ہیں لیکن میں نے تمہیں معاف کیا۔ اپنے لئے نہیں زارون کے لئے'' اس نے کبھی بے حد آسانی سے بریرہ سے طلاق لینے کا کہا تھا مگر یہ قطعاً آسان نہ تھا۔ زارون کا کیا قصور تھا وہ اسے کیوں باپ کے پر شفقت سائے سے محروم کرتی۔ اسے اسفر کو معاف کرنا ہی تھا خواہ وہ معافی نہ بھی مانگتا تو بھی...... اس نے اسفر کو معاف کر دیا تھا۔ زارون کے لئے وہ محبت کو تھپک تھپک کر سلا چکی تھی اب صرف زندگی گزارنے کا سمجھوتہ تھا۔

''تھینک یو زاریہ۔ آئی لو یو زاریہ'' اسفر نے ہلکے پھلکے ہو کر محبت سے اس کے ہاتھ تھام لئے۔ زاریہ کے اندر کوئی نرم احساس نہ جاگا تھا۔ زندگی گزارنے کا سمجھوتہ کیا تھا تو اسے نبھانا بھی تھا۔ اس نے غیر محسوس انداز میں اپنے ہاتھ کھینچ لئے تھے۔ زندگی خواب سی حسین نہ رہی تھی، سراب بن گئی تھی، اس نے کسی کا دل توڑا تھا اور سنگین خمیارہ پایا تھا۔ آنسو پچھتاوا بن کر آنکھ میں پھیل گئے تھے اسفر اس کی پہلی محبت تھا اور اب اسے اس کے ساتھ بناء محبت کے زندگی بتانا تھی۔



# عشق کنارے

عبادت شاہ



میں جو جی رہا ہوں وجہ تم ہو...... ایل ای ڈی اسکرین پر اونچی آواز میں میوزک گونج رہا تھا اور صارم پوری طرح انہماک سے دیکھنے میں مصروف تھا ہوش تب آیا جب بیلا نے ایک دھموکا اس کی پشت پر جڑا تھا۔

''شرم نہیں آتی تمہیں'' گھر میں ایسے بے ہودہ گانے دیکھنے پر اس نے غصے سے بھائی کو دیکھا تو اس کی عمر بس دس گیارہ سال تھی۔

''آپی وہ تو یونہی چینل چیک کرتے ہاتھ رک گیا تھا'' صارم نے معصومانہ انداز میں کہا تھا۔

''کرتی ہوں میں تمہارا ہاتھ ٹھیک'' وہ غصے سے اس کی طرف بڑھی تھی صارم نے صوفے پر چھلانگ لگائی اور یہ جا وہ جا آنے دو پاپا کو آج ہم کیبل کنکشن کٹواتی ہوں اس صارم کے بچے کو تو میں ٹھیک کروں گی۔ ہر طرف موزے اور مونگ پھلی کے چھلکے بکھیر کر گیا ہے یہاں جیسے نوکروں کی فوج لگی ہوئی ہے پھیلاوا سمیٹ کر وہ جیسے پلٹی اس کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ ایک لمحے اسے گمان ہوا جیسے لیلیٰ کی جگہ اس کی آتما کھڑی ہو بکھرے بال روئی روئی آنکھیں ایک ہاتھ میں رومال اور دوسرے میں تازہ ترین ڈائجسٹ تھا۔ ٹائٹل پر ماروا حسین کی دلکش تصویر لگی ہوئی تھی۔ ابھی وہ سرورق کی ماڈل کا ایکسرے کر رہی تھی کہ لیلیٰ نے منہ سے شوں شوں کی آواز نکالی۔ بیلا کو سو وولٹ کا کرنٹ لگا وہ گھبرا کر اس کے پاس آئی۔

''سب ٹھیک ہے ناں! سنیل بھائی تو ٹھیک ہیں'' اس نے لیلیٰ کے فیانسی کا نام لیا۔ شوں کی آواز کے ساتھ اس نے اثبات میں سر ہلایا تو بیلا کی جان میں جان آئی پھر کیوں اکیسویں صدی کی ہیروئن کی طرح رو رہی ہے۔

''بیلا یار وہ عمر جہانگیر عمر مر گیا......''

''کون عمر تم نے منگنی توڑ کر کسی اور سے......'' اس نے بات ادھوری چھوڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

''ہاہاہا'' احمد اور صارم ہنستے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔

''لیلیٰ آپی ناول کی ہیروئن کے مرنے پر رو رہی ہیں۔ اب ہفتہ بھر سوگ کا اعلان'' صارم نے ہنوز اینکر کی طرح گلے پھاڑ کر کہا تھا۔

''ہائے کیا واقعی عمر جہانگیر مر گیا ہے'' بیچاری علیزہ عمیرہ احمد نے تو رلا دیا۔

''آئندہ نہیں پڑھنا'' میں نے اس مصنفہ کو بیلا پر بھی غم کا حملہ ہوا تھا۔

''اللہ تیرا شکر ہے ان چڑیلوں نے بھی کوئی عہد کیا، اب بازار کے چکروں سے جان چھوٹے گی ہماری'' صارم اور احمد دعائیہ کلمات کہہ کر باہر گلی میں بھاگ گئے اور بیلا اور لیلیٰ شوں شوں کرتے ہوئے امر بیل پڑھنے لگی۔ ٹھک ٹھک ٹھک، دروازہ زور سے بجا تھا۔ صارم بھی باہر چلا گیا۔

''پتہ نہیں اب کون آ گیا ہے، لیلیٰ خبردار آگے مت پڑھنا میں ذرا دیکھ کر آؤں'' اس نے دوپٹہ سر پر کرتے ہوئے کہا تھا۔ دروازے سے جھانک کر اس نے دیکھا جو کوئی بھی تھا ذرا فاصلے پر رخ موڑے کھڑا تھا۔

''جی کس سے ملنا ہے آپ کو'' بیلا کی آواز پر وہ مڑا تھا نیلی آنکھیں، ہلکی ہلکی فرنچ کٹ داڑھی اور گھنی مونچھیں اس نے اپنی طرف اٹریکٹ کیا تھا۔ بیلا متاثر ہوئی تھی۔

''یہ مومن خان کا گھر ہے'' اس نے گھمبیر لہجے میں پوچھا تھا۔

''جی آپ کون؟'' بیلا کی آنکھوں میں الجھن تھی۔

''میں نواز شاہ زیب خان کا بیٹا شجاع

الدین ہوں“۔

”پاپا ابھی گھر پر نہیں ہیں آپ چار بجے کے بعد آئیے گا۔“

تعارف ابھی ادھورا تھا کہ اس نے ٹھک سے دروازہ بند کر دیا۔ اب ایک اجنبی کو یوں گھر میں تو نہیں گھسا سکتی تھی۔ واپس آ کر وہ دونوں ڈائجسٹ میں گم ہو گئیں اور بیلا یہ بھی بھول گئی کہ اسے پاپا کو فون کر کے بتانا بھی تھا۔



محسن خان کا شمار شہر کے جانے پہچانے صنعت کاروں میں ہوتا تھا۔ ان کے دو بیٹے تھے مومن اور حسیب جوانی کی دہلیز چھوتے ہی انہوں نے مومن کی شادی کر دی اور ماریہ بیاہ کر خان ولا میں آ گئی۔ ابھی مومن کی شادی کے ہنگامے سرد پڑے تھے کہ ایک دوست کی شادی میں حسیب کے لیے لڑکی پسند آ گئی گھر آ کر انہوں نے سرسری ذکر کیا مگر حسیب نے انکار کر دیا۔ دراصل حسیب کو سوشل میڈیا پر رمنا نامی لڑکی سے دوستی ہوئی اور یہ دوستی محبت میں کب بدلی پتہ نہیں چلا۔

”میں رمنا سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“

”کون ہے رمنا ملواؤ اس کے گھر والوں سے“

”بابا اس کے گھر والے نہیں ہیں، بچپن میں وفات پا گئے ہیں“

بہر حال کوئی تو ہوگا کوئی خاندان اتہ پتہ ایسے رشتے تو نہیں ہوتے“ اگلی صبح ہنگامہ لے کر طلوع ہوئی تھی محسن خان کو اپنے ذرائع سے پتہ چلا تھا کہ رمنا کا تعلق بازار حسن سے ہے وہ سخت تیور سے اس کے منتظر تھے۔ جس وقت حسیب نے خان ولا کی دہلیز پار کی وہ اکیلے نہیں تھے ان کے ساتھ چند گھنٹے کی دلہن بھی تھی۔

”وہیں رک جاؤ حسیب“ محسن خان دھاڑے تھے تم اس حویلی میں اکیلے داخل ہو سکتے ہو کسی بازاری گند کے ساتھ نہیں۔

”اب میں جہاں ہوگا یہ وہاں ہوگی۔ گستاخی معاف۔“ وہ جذباتی ہو کر بولا۔

”تم ابھی اسی وقت اسے طلاق دو سارا زمانہ تھوتھو کرے گا ہم پر“

”بس کر دیں بابا جان میں رمنا کر لیکر جا رہا ہوں، پلٹ کر تب آؤں گا جب آپ ہم دونوں کو قبول کریں گے۔“ حسیب نے لرزتی ہوئی رمنا کا ہاتھ پکڑا اور یہ جا وہ جا۔ بیٹے کے غم میں محسن خان فقط دو ماہ تک زندہ رہے اور جان لیوا اٹیک نے انہیں زندگی سے چھٹکارا دے دیا۔ پھر مومن خان نے بھائی کو تلاش کرنے کی بہت کوشش کی مگر نہ ملے اور آج یہ باب اٹھارہ سال بعد شجاع کے آنے سے کھل گیا تھا۔



وہ بہت بے سکون تھے اپنی آخری وقت وقت تک انہوں نے ہمیشہ آپ کو یاد کیا لیکن کہتے تھے کہ آغا جان نے نکالا ہے وہی بلائیں گے تو جاؤں گا۔ میری پیدائش پر ماما نے بہت چاہا کہ آپ کو بتائیں مگر وہ نہیں مانے تھے جب ماما کو ڈاکٹر نے کینسر بتایا تھا تو وہ آخری بار روئے تھے۔ پھر ماما کے گزرنے کے بعد وہ اکثر بیمار رہنے لگے اور کچھ عرصہ بعد وہ بھی چل بسے۔ شجاع نے چند لفظوں میں کہانی سنائی تھی۔ مومن خان تڑپ کر آگے بڑھے تھے اور اسے گلے سے لگایا تھا۔

”بیلا“ انہوں نے آواز دی تھی۔

”جی پاپا“ شجاع کے لئے کمرہ سیٹ کروا دو۔ انھوں نے شجاع کو پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔



صبح کاذب نمودار ہو چکی تھی ہلکی ہلکی پھوار کے ساتھ بارش برس رہی تھی لان میں موروں کے جوڑوں نے پنکھ پھیلا رکھے تھے بیلا نے یونیورسٹی کیلئے تیار ہوتے ہوئے شجاع کے کمرے کی طرف نگاہ دوڑائی تھی۔ موصوف ابھی تک گھوڑے گدھے بیچ کر سو رہے ہیں۔ ویسے بندے میں کوئی برائی تو نہیں اس نے دوپٹہ سر پر لیتے ہوئے سوچا۔

''آپی یہ لیسز تو بند کر دو'' صارم منہ بناتا ہوا اس کے پاس آیا تھا۔

''اتنے بڑے ہو گئے ہو اور تسمے باندھنا نہیں آتے'' بیلا بربڑائی تھی۔

''ادھر پاؤں مت رکھو اتنی صفائی نہیں ہوتی مجھ سے'' اسے صوفے پر پاؤں رکھتے دیکھ کر بیلا کا دماغ گھوم گیا تھا۔

''ہر وقت لڑاکا ماسی بنی رہتی ہو آپی! اگلے گھر میں کیا کریں گی'' صارم بھی اس سے دو ہاتھ آگے تھا۔

''بدتمیز بہن سے بات کرتے ہوئے شرم نہیں آتی......''

''جس نے کی شرم اس کے پھوٹے کرم'' صارم گنگناتے ہوئے کمرے سے نکلنے لگا تھا۔ بیلا نے پیچھے سے کرارا سا تھپڑ مار دیا۔

''ابو......'' صارم چیخا تھا۔ تانیہ نے گھبرا کر اسے چھوڑ دیا۔ صارم کی مصنوعی چیخ سن کر شجاع بھی کمرے سے نکل آیا تھا۔ بیلا کو خفت نے آگھیرا۔

''شجاع بیٹا اٹھ گئے ہو تو منہ ہاتھ دھو لو، میں ناشتہ لگوا رہی ہوں'' ماریہ بیگم نے محبت سے کہا۔

''بیلا تم کیوں بت بن کر کھڑی ہو، کچن میں آؤ میری مدد کرو'' انہوں نے اسے آنکھیں دکھائی تھیں۔ ناشتے کی میز پر بیلا تو آنکھیں نیچی کر کے بیٹھی رہی۔ شجاع گاہے بگاہے اس کی طرف نگاہ ڈال لیتا تھا۔

''چچی آپ پراٹھے بڑے مزے کے بناتی ہیں''

''روز کھانے کو ملیں گے تو آپ کہو گے چچی یہ کیا بنا دیتی ہیں'' تانیہ منہ میں بڑبڑائی تھی۔

''چاچو میں سوچ رہا تھا کہ میں اپنا ماسٹر کمپلیٹ کر لوں......''

''اچھا یہ تو بہت اچھی بات ہے بیٹا تم ایسا کیوں نہیں کرتے کہ بیلا کی یونیورسٹی سے ہی اپنی ادھوری تعلیم مکمل کر لو؟'' انہوں نے مسکراتے ہوئے تجویز پیش کی۔ شجاع نے بیلا کی طرف دیکھا تو اس نے نظریں چرا لیں۔

''ویسے چاچو آپ کی بات میں وزن ہے۔''

''چلو میں آج ہی پتہ کرتا ہوں'' شجاع نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔ بیلا کو من ہی من میں بہت غصہ آیا۔ پل میں تولہ پل میں ماشہ کھڑوس کہیں کا۔ وہ غصے سے کھڑی ہوگئی۔ کبھی ایسے دیکھتے ہیں جیسے کہ میں کوئی عجوبہ ہوں اور کبھی تو ایسے لگتا بلکہ مجھے دیکھتے ہی ان کی آنکھوں میں جگنوں جل اٹھے ہوں خیر میں کیوں ٹینشن لے رہی ہوں میں تو یونہی میں ایسے ری ایکٹ کروں گی جیسے جانتی ہی نہیں ہوں اس نے اطمینان سے سوچا لیکن بیلا کیا جانتی تھی کہ زندگی میں کچھ چیزیں بتا کر نہیں آتیں......



''بیلا کی بچی تم نے مجھے فون کر کے بتایا بھی نہیں اور ایک عدد خوبصورت ہینڈسم کزن بھی پیدا کر لیا......'' لیلیٰ کا صدمہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔

''کیسے بتاتی مجھے بھی اچانک شاک سا لگا تھا، ویسے تمہارا دل کہیں بے ایمان تو نہیں ہو رہا،

یہ سب سوچنے سے پہلے غور کرلینا کہ تم ایک ایک عدد منگیتر رکھتی ہو خیر سے......“ بیلا نے یونی کے لان میں بیٹھے ہوئے گھورا اور کہا۔
”بکومت اب میرا اتنا بھی دماغ خراب نہیں...... ویسے بھی تمہارا کزن سنیل سے زیادہ پیارا نہیں ہے......“ لیلیٰ نے چبا چبا کر کہا تھا۔ بیلا کی ہنسی چھوٹ گئی۔
”ویسے یار منگنی کے بعد منگیتر کتنے پیارے لگنے لگے جاتے ہیں ناں!“ بیلا نے شرارت سے آنکھیں میچ کر کہا تھا۔
”ہاں تو تم بھی کروالو ناں منگنی“ لیلیٰ کہاں باز آنے والی تھی۔
”اونو“ بیلا نے فائل منہ کے آگے کر کے چہرہ چھپانا چاہا تھا۔
”کیا ہوا“ لیلیٰ نے حیرانگی سے پوچھا کوئی بھوت ووت تو نہیں دیکھ لیا......“
”یہی سمجھو یار افروز آرہی ہے۔“
”او ہا ہا ہا! میڈم اب کوئی فائدہ نہیں چہرہ چھپانے کا کیونکہ وہ ہمیں دیکھ چکی ہیں اب یہ فائل چہرے سے ہٹالو۔ مینرز بھی کوئی چیز ہیں یار وہ کیا سوچے گی......“ لیلیٰ نے ایک دم اپنی ہنسی کنٹرول کرتے ہوئے کہا تھا۔
”ہائے بیلا کیسی ہو“ افروز کے لمبے لمبے ناخنوں سے بیلا کو تو ویسے ہی وحشت ہوگئی تھی اس لئے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو اس نے مشکل سے تھاما تھا۔ ”تم کتنی بور ہو یار اتنے پیارے موسم میں یونی کے لان میں بیٹھی ہو، آ جاؤ ناں کوئی پارٹی وار ہلا گلا کرتے ہیں، اس حسین موسم کو انجوائے کرتے ہیں چل کر......“ افروز نے ایک جھٹکے سے بالوں کو کیچر کی قید سے آزاد کیا۔ بیلا کچھ سوچ کر رہ گئی۔
وہ کیا ہے افروز ہم کینٹین کی چیزیں کھا کر

بیمار ہو جاتی ہیں اور پھر ہماری امیاں اور ان کی ڈانٹ سننے کو ملتی ہے تم جاؤ اور کھاؤ کینٹین سے......'' بیلا نے وضاحت دی اور افروز کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ ویسے بھی یونی میں آئے دن ہنگامے ہوتے رہتے ہیں۔

''اور میرا خیال ہے اب ہمیں چلنا چاہیے۔ بیلا نے لیلیٰ کی طرف دیکھتے ہوئے آنکھوں ہی آنکھوں میں اٹھنے کیلئے کہا۔ لیلیٰ نے اس کی پیروی کرتے ہوئے اپنی چیزیں سمیٹی اور کھڑی ہوگئی......

''تم چاہو تو میں تم لوگوں کو چھوڑ دیتی ہوں، افروز نے آفر کی تھی''

''نہیں شکریہ'' ہماری وین آنے والی ہے۔ لیلیٰ نے پلٹ کر جواب دیا۔

''وین آپ لوگوں کی آج نہیں آئے گی کیونکہ وین کے ڈرائیور نے انکل کو کال کر دی تھی انہوں نے مجھے آپ لوگوں کو لینے کیلئے بھیجا ہے'' آواز پر دونوں مڑی تھیں۔ لیلیٰ نے گہری سانس لی سامنے شجاع ان کا منتظر تھا جبکہ افروز دلچسپی سے شجاع کو دیکھ رہی تھیں۔ چلیں اس نے خاموش کھڑی بیلا کو کہا تو دونوں اس کے ساتھ چلنے لگی...... پیچھے کھڑے افروز خان کی تیز نظروں نے شجاع کا تعاقب کیا کیونکہ اسے وہ اچھا لگا تھا بے حد اچھا......



چاچو میں سوچ رہا تھا کہ اب چونکہ میں نے بیلا کی یونیورسٹی میں ایڈمیشن کروا ہی لیا ہے تو کیوں ناں میں خود ہی اس کو ساتھ لے کر آیا جایا کروں''۔ ناشتے کی ٹیبل پر شجاع نے بم پھوڑا تھا......

''خیال تو برا نہیں ہے ینگ مین، کیوں بیلا تمہارا کیا خیال ہے'' انہوں نے سلائس پر جیم لگائی۔ بیلا کی طرف دیکھا تھا۔

''ہاں جی پاپا وہ دراصل میرے ساتھ لیلیٰ ہوتی ہے ناں تو......'' اس نے باپ کی طرف دیکھ کر کر کہا تھا۔

''میرے خیال میں یہ بالکل فضول جواز ہے گاڑی میں صرف دو سیٹیں نہیں ہوتیں'' شجاع نے مسکرا کر کہا تھا۔

''ٹھیک ہے بیلا بیٹا میرے خیال سے بھائی کے ساتھ جانا کوئی برا نہیں ہے، ویسے بھی وین والوں کے حالات بھی ٹھیک نہیں، آئے دن کوئی نہ کوئی واقعہ سامنے آتا رہتا ہے۔'' ماریہ بیگم نے شجاع کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ جہاں بیلا نے چپ سادھی وہاں بھائی کہنے پر شجاع نے پہلو بدلا۔ اسے اپنی یہ نٹ کھٹ سی کزن یکدم سے اچھی لگنے لگی تھیں......

''اوکے لیکن آج تو ہمیں وین میں جانا پڑے گا'' بیلا نے حامی بھرتے ہوئے کہا تھا۔

''کوئی ضرورت نہیں لیلیٰ کو فون کر کے بتا دو وہ نہیں آ جائے، بچہ اتنے پیار سے کہہ رہا ہے اور کونسا لیلیٰ کا گھر دور ہے، دو ہی تو قدم کا فاصلہ ہے ابھی آ جائے گی۔'' ماریہ بیگم نے گویا شجاع کی بات میں کیل ٹھونک دی۔ بیلا نے بے بسی سے باپ کی طرف دیکھا۔ انہوں نے مسکرا کر کندھے اچکا دیئے۔ جیسے کہہ رہے ہو جاؤ بیٹا میں تو کچھ نہیں کہہ سکتا......

''اوکے میں لیلیٰ کو بتا دوں'' پھر شجاع بھائی ''لفظ'' بھائی پر زور دیتے ہوئے بیلا کمرے سے یہ جا وہ جا۔ لیلیٰ نے پہلی کال پر فون اٹھا لیا تھا۔ لیلیٰ جلدی سے گھر آ جاؤ پاپا کا حکم ہے۔

''آج ہم شجاع کے ساتھ یونی جائیں گی......'' ایک وہ افروز تھوڑی تھا اب دوسرا بھی لسوڑے کی طرح چپک گیا خوامخواہ بندہ اب کوئی

بات بھی نہ کر سکے راستے میں اور نہ کوئی ہنسی مذاق۔" اس نے دل کے پھپھولے پھوڑے تھے اسے خدا حافظ کہہ کر پلٹی تو کچھ فاصلے پر وہ کھڑا تھا اس کی رنگت خطرناک حد تک سرخ ہو چکی تھی۔ بیلا کا دل دھک سے رہ گیا۔

"افففف اس نے تو سب کچھ سن لیا" شجاع وہ اسے پکارنے لگی تھی کہ وہ لمبے لمبے ڈاگ بھرتا باہر چلا گیا۔ وہ وہیں صوفے پر بیٹھ گئی۔

"یہ لو بھئی تم یہاں بیٹھی وہ اور میں تمہارے پورے گھر میں ڈھونڈ چکی ہوں۔" یونی نہیں جانا کیا تم نے۔

"ہاں! ہوں جانا ہے۔" لیلیٰ کی آواز پر جیسے وہ ہوش میں آئی ہو۔

"کیا ہوا" اس کے پھیکے پڑے چہرے کو دیکھتے ہوئے لیلیٰ نے سوال کیا۔

"خیر تو ہے ناں کوئی بھوت ووت تو نہیں دیکھ لیا ابھی کچھ دیر پہلے تو کافی بول رہی تھی۔"

"نہیں لیلیٰ خیر نہیں ہے وہ جب میں تمہیں کال کر رہی تھی اور جو بکواس کر رہی تھی ناں سب اس نے سن لی۔"

"ارے کس نے"

"شجاع نے"

"او خدایا" لیلیٰ کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"اچھا چھوڑو کوئی اتنی بڑی بات بھی نہیں ہے ہم تھوڑی ناں اس کو قتل کروانے کی سازش میں پکڑی گئیں۔ ریلیکس یار تم تو ایسے پریشان ہوگئی۔ ویسے ایک بات بتاؤ کل تک تو تمہیں اس کی شکل پسند نہیں تھی اور اب اس کی ناراضگی کا اتنی فکر، آہم آہم مجھے تو دال یہاں پوری کی پوری ہی کالی نظر آرہی ہے۔" لیلیٰ نے شرارت سے آنکھیں گھمائی۔ "چلو اب یونی کیلئے دیر ہو رہی ہے کہ اب سارا دن سوگ منانے کا ارادہ ہے۔"

"بی بی! او! پروفیسر اقتدار کی کلاس میں بت ہونے کا مطلب سمجھ میں آتا ہے ناں......"

یونی میں داخل ہی شجاع نے انہیں ان کی کمپین کے آگے ڈراپ کیا تھا۔ گاڑی سے اترتے ہی لیلیٰ تو گولی کی طرح غائب ہوگئی جبکہ وہ انگلیاں مروڑتے ہوئے رہی کھڑی رہی۔ شجاع نے اس کے تاثرات نوٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"کوئی بات کرنی ہے آپ کو" یہ پوچھتے ہی اس کا لہجہ اور چہرہ دونوں سپاٹ تھے۔ بیلا کو رونا آنے لگا۔

"وہ دراصل میں وہ......"

"جی کہیے اور کچھ کہنا ہو میری شان میں تو بولیے ہم کون ہوتے ہیں برا ماننے والے شجاع کے لہجے میں کچھ تھا" جس پر بیلا اور شرمندہ ہوئی۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے شجاع......ایم سوری...... صبح میں بس ایسے ہی آپ کو، میرا مقصد وہ نہیں تھا میں آپ کا دل نہیں دکھانا چاہتی تھی۔" بیلا کے منہ سے بے ربط الفاظ نکلے، افففف کتنا مشکل ہے اس کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھنا۔ بیلا نے سوچا تھا۔

"اچھا پھر کیا مقصد تھا آپ کا" شجاع نے اس کے چہرے کے تاثرات کو جانچتے ہوئے پوچھا۔

"کوئی بھی نہیں وہ بس سوری ایم سوری" بیلا نے اتنا کہتے ہی دوڑ لگا دی اب اس کے لئے یہاں ٹھہرنا محال ہوگیا تھا جبکہ شجاع کے چہرے پر کچھ سوچتے ہوئے مسکراہٹ دوڑ گئی۔ محبت کی کونپل پھوٹ پڑے تو اسے بڑھتے دیر نہیں لگتی۔ مختلف زاویوں سے وہ پھیل کر مضبوط ہو جاتی ہے اور شاید ان کے دلوں میں بھی محبت جڑ پکڑ چکی تھی......



''جب بھی شجاع کی شکل دیکھتی ہوں مجھے حسیب یاد آتا ہے۔ کتنی شبیہہ ملتی ہے ناں اس کی حسیب بھائی سے اگر بابا جان ضد نہ کرتے تو آج.....''مومن خان نے آبدیدہ ہوکر ماریہ بیگم سے کہا تھا ان کی نظریں لان میں ٹینس کھیلتے ہوئے شجاع اور بیلا پر جمی تھیں۔ لیلیٰ ان کے درمیان ریفری کی ڈیوٹی سرانجام دے رہی تھی۔

''اس میں بھی اللہ کی کوئی مصلحت ہوگی۔'' ماریہ بیگم نے انہیں چائے کی پیالی پکڑاتے ہوئے کہا۔

''ہم......وہ میں یہ سوچ رہا تھا کہ بیلا کی عمر اب شادی کرنے کی ہوگئی ہے اور شجاع بھی اپنا بچہ ہے کیا خیال ہے۔'' انہوں نے ماریہ بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ایک لمحے کو تو وہ چپ ہو گئیں مگر کچھ دیر بعد بولی۔

''آپ کی بات سے مجھے کوئی اختلاف نہیں ہے، بہتر سوچا ہوگا'' آپ نے مگر ایک دفعہ بچوں سے تو پوچھ لیں اب زندگی تو انہوں نے گزارنی ہے وہ کچھ توقف کے بعد بولی تھی۔

''تم بیلا سے پوچھ لو میرا نہیں خیال کے شجاع انکار کرے گا۔'' بات انکار کرنے کی نہیں ہے مومن خان، بچوں کی ساری زندگی کا معاملہ ہے۔ خیر میں بیلا کو بتاؤں گی ہمارے لیے اس سے زیادہ خوشی کی اور بات ہو ہی نہیں سکتی اگر بچے راضی ہو جائیں تو...... ہماری تو خوش نصیب ہوگی، داماد اور بیٹی دونوں آنکھوں کے سامنے رہیں گے'' ماریہ بیگم نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

آپ دونوں کی گیم ہی ختم نہیں ہو رہی میں اب تھک گئی ہوں ریفر بن کر میری بھی تو باری آنی چاہیئے ناں۔ لیلیٰ نے دھپ سے کرسی پر گرتے ہوئے کہا۔

''چلو بیلا گیم ختم کرتے ہیں۔ تمہاری دوست تھک گئی ہیں۔ ویسے بھی میرا تو ہارنے کا کوئی موڈ ہی نہیں ہے'' شجاع نے شوز اتارتے ہوئے کہا۔

''ہار تو میں نے بھی کبھی نہیں مانی ویسے اگر آپ آج کھیلتے رہتے تو شاید ہار جاتے مجھ سے۔'' بیلا چیلنج کرنے پر تلی ہوئی تھی۔

''اچھا تو یہ بات ہے۔'' شجاع نے دوبارہ جوگرز کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا: ''تو ٹھیک ہے ہو جائے پھر گیم آپ محترمہ سے ہارنے کو دل کر رہا ہے......''

''خدا کے لیے میں تو تھک گئی ہوں اب تو میری ٹانگیں بھی اکڑ گئی ہیں۔'' لیلیٰ نے شجاع کے ہاتھوں سے جوگرز لیتے ہوئے پرے پھینکے تو سامنے سے آتے ہوئے صارم کے سر پر جا لگے تھے۔

''اففف'' وہ وہیں سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ بیلا، شجاع اس کی طرف بھاگے تھے۔

''یہ لیلیٰ آپی تو میری پکی دشمن ہیں۔ پتہ نہیں کس چیز کا بدلہ لینے پر لگی ہوئی ہیں'' صارم چڑ کر بولا تھا بیلا اور لیلیٰ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''ہاں ہاں ہنسو اب آپ دونوں'' وہ برا مان کر بولا تھا۔

''ارے ناراض کیوں ہو رہے ہو ہم تو تمہاری کیوٹ سی شکل دیکھ کر ہنس رہے تھے۔'' شجاع نے اس کے پھولے پھولے گال کھینچے تھے۔

''پتہ ہے مجھے کہ میں کتنا کیوٹ ہوں اور بیلا آپی آپ کو اماں کچن میں یاد کر رہی ہیں، لہسن ادرک کاٹ کر'' صارم اسے چڑاتے ہوئے بھاگ گیا تھا۔ اب ہنسنے کی باری صرف لیلیٰ کی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ بیلا کی جان جاتی

تھی کیچن کے کاموں سے۔
''چلو گرلز میں تو چلا فریش ہونے شجاع جو گرز پاؤں میں اڑستے ہوئے یہ جا وہ جا......
''ارے او ہیلو! حقیقت کی دنیا میں تشریف لے آئیں کیونکہ وہ صاحب جا چکے ہیں۔
''کیونکہ وہ صاحب جا چکے ہیں لیلیٰ نے اس کے سامنے چٹکی لہرائی تھی۔ وہ شرمندہ ہوگئی۔
''محبت ہوگئی ہے ناں اس سے!!'' لیلیٰ نے وضاحت مانگی تھی۔
''پتہ نہیں مگر وہ مجھے اچھا لگتا ہے۔'' بیلا نے اعتراف کیا تھا۔
لیلیٰ جب وہ میرے پاس ہوتا ہے ناں تو پتہ نہیں سب کچھ مجھے اچھا لگنے لگتا ہے۔ ایسے جیسے میرے ہر طرف خوشبو ہی خوشبو بکھر گئی ہو'' وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولی۔
''لیلیٰ اگر اس کو محبت کہتے ہیں تو ہاں میں اعتراف کرتی ہوں مجھے اس سے محبت ہے۔'' لیلیٰ نے اپنی اس دوست کیلئے دل سے دعا مانگی تھی۔

❀❀❀

یونی میں فیئر ویل فنکشن عروج پر تھا، ہر طرف لہلاتے آنچل خوش باش اور بے فکر چہرے رنگوں کی برساتے اوپر سے آسمان پر اڑتے سفید سفید روئی جیسے بادل بیلا کو یہ موسم سخت ناپسند تھا۔ ابھی وہ یونی کے مین گیٹ سے انٹر ہی ہوئی تھی کہ انہیں افروز دور سے ہاتھ ہلاتی نظر آئی۔ ہمیشہ کی طرح جینز پر وائٹ شرٹ پہنے ہوئے۔
''اففففف'' اسے دیکھ کر لیلیٰ کوفت سے بولی۔
''بری بات لیلیٰ!'' بیلا نے اسے ٹوکا تھا، تم جاؤ اس کے پاس میں تو چلی لائبریری لیلیٰ نے کہا اور جان چھڑا کر جانے ہی لگی تھی کہ بیلا نے کہا۔
''خبردار مجھے جانتی نہیں ایسا میں تمہیں کرنے دوں گی تو تم کرو گی ناں......'' اتنے میں افروز آپہنچی۔
''ہیلو گائز کیوں لڑ رہی ہو تم دونوں......''
''نہیں کچھ نہیں'' بیلا نے بات ٹالنے کیلئے جھوٹ بولا۔ اب کیا بتاتی کہ زبردستی اس لیلیٰ کی بچی کو روکا ہوا ہے جو تمہیں دیکھتے ہی ہمیشہ بھاگنے کے چکر میں ہوتی ہے۔
شجاع گاڑی پارک کر کے ان کی طرف آیا تھا۔ بیلا نے لیلیٰ کو آنکھوں ہی آنکھوں میں چپ رہنے کے لئے کہا، مگر وہ کیا ہی چپ رہتی اس نے شجاع کو نان اسٹاپ بولتے ہوئے پوری ''الف ب'' سناڈالی۔
''شجاع بھائی مجھے یہ افروز ایک آنکھ نہیں بھاتی، پتہ نہیں خود کو مس ورلڈ سمجھتی ہے۔'' لیلیٰ کے بولنے پر اس کے چہرے پر مسکراہٹ رینگ گئی۔
''ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے بس تھوڑی ماڈرن ہے وہ لیکن دل کی بری نہیں۔'' بیلا نے چور نظروں سے شجاع کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ افروز جو تھوڑے فاصلے پر گئی ہوئی تھی شجاع کو دیکھ کر واپس پلٹی۔
''ہیلو......'' افروز ایک ادا سے شجاع کی طرف دیکھ رہی تھی۔ افروز کے کھلے گریبان سے بیلا نے بے ساختہ نظریں چرائی تھی جبکہ افروز کی ساری توجہ شجاع پر تھی۔
''بیلا میں آج واپسی پر تھوڑا لیٹ ہوں تم ایسا کرنا ٹیکسی سے گھر چلی جانا۔'' شجاع نے سنجیدگی سے کہہ کر ایک گہری نگاہ افروز پر ڈالی تھی۔

''تمہیں کیا ضرورت ہے اتنے بے ہودہ کپڑے پہننے کی اور دوپٹہ ہی گلے میں ڈال لیا کرو۔'' اس کے جانے کے بعد بیلا پھٹ پڑی تھی۔ آج اسے افروز پر بڑا غصہ آ رہا تھا۔

''اوکم آن بیلا، یہ آجکل کا فیشن ہے'' اس نے لاپرواہی سے جواب دیا تھا۔ ''یار تمہارا کزن تو بہت ہینڈسم ہے۔ لیکن مغرور بہت ہے افروز کی سوئی شجاع پر اٹکی ہوئی تھی۔

''ہینڈسم تو ہے مگر شائد تمہیں یہ بات پتہ نہیں کہ عنقریب وہ بیلا کا فیانسی بننے والا ہے۔'' لیلیٰ نے افروز کے ساتھ ساتھ بیلا کے سر پر بھی دھما کہ کیا تھا اسے کل ہی ماریہ آنٹی نے بتایا تھا اور ساتھ ہی بیلا کی مرضی پوچھنے کیلئے کہا تھا۔ وہ بات بعد میں کرتی لیکن افروز کی آنکھوں کی چمک نے اسے سب ابھی بتانے پر مجبور کر دیا۔

''بیلا تم نے بتایا ہی نہیں۔'' افروز نے گم صم کھڑی بیلا کو عجیب انداز میں کہا تھا۔ بیلا ہر بات کسی کو بتانے کی پابند نہیں۔ لیلیٰ کچھ زیادہ ہی تپی ہوئی تھی۔ افروز غصے والے تاثرات لے کر واک آؤٹ کر گئی تھی۔



''بیلا میرا ارادہ تمہیں شاک دینے کا نہیں تھا مگر یار یہ افروز مجھے اس کے ارادے ٹھیک نہیں لگ رہے۔

''چلو اپنا موڈ ٹھیک کرو اور بک سٹال پر چلتے ہیں، ناول بھی لیتے ہیں۔'' لیلیٰ نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔

''کیا امی لوگوں نے شجاع سے پوچھا ہے۔'' بیلا نے دھڑکتے دل سے سوال کیا۔

''آف کورس یار پوچھا ہوگا اور تم یہ اپنا چہرہ ٹھیک کرو ہونق لگ رہی ہو۔'' لیلیٰ ہنسی تھی اور بیلا صرف مسکرا کر رہ گئی۔

''بیلی آئی ایم ویری ہیپی فار یو'' اس نے خلوص سے کہا تھا اور اس سے اگلے دن چند لوگوں کی موجودگی میں بیلا کے ہاتھوں میں شجاع کے نام کی انگوٹھی سج گئی تھی۔



موسم صبح سے ابر آلود تھا بادلوں کے سنگ ہوا بھی ناچتی جھومتی چل رہی تھی اس موسم کا بیلا پر اثر اچھا ہوا تھا۔ شجاع کے نام کی انگوٹھی پہننے کے بعد اس کے احساسات بدل گئے تھے۔ دل ترنگ انداز میں دھڑکتا رہتا تھا۔ مومن خان نے سب رشتہ داروں میں بتا دیا تھا۔

ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے سامنا تو ضروری تھا مگر بیلا اس کا سامنا کرنے سے گھبرا رہی تھی۔

''منگنی میری ہوئی ہے اور گھر میں تم بیٹھ گئی ہو دلہن بن کر اس نے آخر تنگ آ کر لیلیٰ کو فون کھڑکا دیا تھا''

''تمہاری منگنی اب ہوئی ہے اور میری کو دو سال ہو گئے ہیں۔ میری ساسو ماں اور وہ تشریف لائے ہوئے ہیں سو اماں کی ہدایت کہ آج میں گھر سے نہ نکلو لہٰذا تم ہی آ جاؤ۔'' لیلیٰ نے ایک ہی سانس میں بات مکمل کرتے ہی کھڑاک سے فون رکھا تھا۔

''بے مروت لڑکی'' بیلا بڑبڑائی تھی چلو میں ہی چلی جاتی ہوں وہ دوپٹہ سر پر جماتے ہوئے باہر نکلی۔ ماریہ بیگم محلے میں کسی کی عیادت کو گئی ہوئی تھیں اور مومن شاہ آفس جبکہ صارم سکول گیا ہوا تھا وہ شجاع کے بارے میں سوچتی ہوئی واپس مڑی اور اس کے کمرے کی طرف بڑھتی گئی مگر دروازے پر ہی وہ اپنا نام سن کر رک گئی تھی۔

''آپ بیلا کی دوست ہیں بقول آپ کے، آپ اس سے بہت کلوز ہیں'' شجاع کال پر کسی

سے بات کر رہا ہے اس کے بارے میں بیلا تشویش کا شکار ہوئی تھیں۔ابھی وہ دروازہ ناک کرنے والی تھی کہ شجاع کی آواز نے اس کے پاؤں جکڑ لئے تھے۔

''کیا فاران سے محبت کرتی ہے بیلا مگر میں کیسے یقین کروں آپ کیا کہہ رہی ہیں او کے آپ مجھے وہ تصویریں وٹس اپ کریں چلو آپ جگہ بتائیں میں وہی آتا ہوں۔'' شجاع سب کچھ جاننے کو بے قرار تھا اور باہر کھڑی بیلا کی آنکھوں کے سامنے زمین آسمان گھوم گئے۔

''کیا شجاع کو مجھ پر اعتبار نہیں جو کسی انجان کی ایک کال پر وہ ایسے جا رہا ہے''، فاران اور میری تصویریں، وہ تو افروز نے تصویری مقابلے والے دن کھینچی تھی تو افروز شجاع کو میرے خلاف بھڑکا رہی ہے۔لیلیٰ ٹھیک کہتی تھی کہ اس کے ارادے ٹھیک نہیں تھے۔ٹھیک کہتی تھی لیلیٰ کہ مجھے لوگوں کی پہچان نہیں۔افروز تم اس حد تک گر سکتی تھی مجھے اندازہ نہیں تھا۔کیوں کیا تم نے میرے ساتھ ایسا، افروز کیا بگاڑا تھا میں نے تمہارا بیلا سوچ کر رہ گئی۔یا اللہ میری مدد فرما۔'' اففف! اگر شجاع نے افروز کی باتوں میں آ کر منگنی توڑ دی تو ماما بابا لوگوں کو کیا جواب دیں گے سوچ سوچ کر اس کا دماغ پھٹنے لگا تھا وہ واپس فون کی جانب مڑی اور لیلیٰ کے گھر کال ملانے لگی لیکن فون انگیج جا رہا تھا۔وہاں شجاع گھر سے نکل چکا تھا۔او کے، شجاع کو کال کرتی ہو لیکن نہیں جب وہ کسی کے کہنے پر میرا مان توڑ سکتا ہے تو میں کیوں اس کو کہوں۔بیلا کی سوچیں زہر کا روپ دھار چکی تھیں۔اب اسے شجاع کے آنے کا انتظار کرنا تھا کہ وہ آ کر کیا کرتا ہے۔لیلیٰ شام کو آئی تو اسے دیکھ کر چونکی۔

''تمہیں کیا ہوا ہے منہ پر کیوں بارہ بجے

ہیں۔" لیلیٰ نے بریانی کی ٹرے آگے کرتے ہوئے کہا۔ آنٹی لوگ کہاں ہیں گھر میں نظر نہیں آ رہا کوئی......"

"امی اور ابو ایاز انکل کے گھر گئے ہوئے ہیں۔" بیلا نے پژمردہ چہرے سے کہا۔

"اچھا اور تمہارے فیانسی صاحب جی......" لیلیٰ نے چھیڑا تھا۔

"میری محبت کی پیمائش کرنے گئے ہیں۔" وہ کہتے ہوئے رو پڑی۔

"بیلا رو کیوں رہی ہو کچھ بتاؤ تو سہی کہ ہوا کیا ہے یار بیلا پلیز! میرا دل ہول رہا ہے کچھ تو بتاؤ۔"

"تم ہی کہتی تھی لیلیٰ کہ میں سدا کی بے وقوف لڑکی ہوں جسے کوئی بھی الو بنا سکتا ہے۔" بیلا جذباتی ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھی۔

"مجھے کچھ بتاؤ بھی" لیلیٰ کو اس کی باتیں گھبراہٹ میں مبتلا کر رہی تھیں، جواباً بیلا نے اسے افروز کی کال کے بارے میں بتایا۔

"افففف! عقل کی پیدل لڑکی تم شجاع سے باز پرس کرتی کہ کس کی کال تھی" لیلیٰ نے اپنا سر پیٹا تھا۔

"نہیں لیلیٰ مجھے اپنی انا پیاری ہے کیا وہ مجھے جانتا نہیں جو یوں کسی کی بھی کال پر تصدیق کرنے چلا جائے گا۔" بیلا پھٹ پڑی تھی۔

"ہوسکتا ہے وہ تمہاری عزت کی حفاظت کرنے گیا ہو۔" لیلیٰ نے تسلی دینا چاہی۔

"تم اس کی وکالت کر رہی ہو لیلیٰ" وہ صدمے سے چور لہجے میں بولی۔

"دیکھو بعض اوقات ہم خود سے ہی کچھ سوچ لیتے ہیں مگر حقیقت کچھ اور ہی ہوتی ہے اچھی خاصی سمجھدار لڑکی ہو پتہ نہیں کیا ہو جاتا ہے اور دیکھو اچھا ہے ناں شجاع اس سے ملنے گیا ہے یقیناً وہ افروز کو چار باتیں سنا کر آئے گا۔ تمہاری طرف سے کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہوگا۔" لیلیٰ نے سنجیدگی سے کہا مگر بیلا ابھی بھی رنجیدہ تھی اسے کیا دکھ تھا اسے خود پتہ نہیں تھا۔



اسے کہنا
محبت کے جزیرے پر
تمہاری یاد کے سائے
کبھی مدھم نہیں پڑتے
کہ بارش جب برستی ہے
تمہارے لمس کی خوشبو
یونہی تازہ سی ہوتی ہے۔

ان کی شادی کے دن رکھے جا چکے تھے مگر بیلا کے چہرے پر خوشی کی کوئی پرچھائی تک نہیں تھی۔

"بیلا یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے تم نے چار دن بعد تمہاری شادی ہے مگر تمہیں دیکھ کر لگتا ہے نہیں" لیلیٰ اس کے کمرے میں آئی تو برس پڑی۔

"میرے اندر کوئی خوشی نہیں ہے تو اب کیا کروں ناچوں گاؤں وہ چڑ گئی"

تم پاگل ہو، بیلا وہ بات اتنی بڑی نہیں تھی پھر تم نے ان سے پوچھا بھی نہیں اور نہ ہی شجاع بھائی نے کسی بات کا ذکر کیا۔"

"میں کیوں پوچھوں کس لئے جب اسے مجھ پر اعتبار نہیں، دل تو کرتا ہے شادی سے انکار کر دوں مگر اپنے والدین کی عزت مجھے بہت پیار ہے۔" وہ گہری سانس لے کر بولی لیلیٰ خاموشی سے کمرے سے نکل گئی اسے پتہ تھا اگر وہ کچھ کہے گی تو بیلا اور بھڑکے گی۔ وہ سیڑھیوں سے اتر رہی تھی کہ اسے شجاع لان میں نظر آیا۔ اس کے چہرے پر خوشی کے رنگ عیاں تھے۔ ایک طرف یہ موصوف ہیں اتنے قوس قزح کے رنگ بکھرے ہوئے ہیں چہرے پر، ادھر ایک وہ محترمہ ہیں بدگمانی کی پوٹلی دل میں دبائے بیٹھی

ہے۔

”شجاع بھائی مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔“

”ہاں بولو بھئی نیگ وغیرہ کی ڈیلنگ کرنی ہے تو بتا دو میں نے بہت کم دینا ہے۔“ وہ مسکرا کر بولا۔ لیلیٰ ہنس دی۔

”نہیں نیگ کی بات نہیں کوئی سریس ضروری بات۔“ پھر لیلیٰ اسے ساری بات بتاتی گئی وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس جذباتی لڑکی کا کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔



قبول و ایجاب کے بعد اسے حجلہ عروسی میں لے جایا گیا پورا کمرہ گلاب کی پتیوں سے سجا ہوا تھا۔ شادی شدہ محلے کی لڑکیاں کافی دیر تک چھیڑ خانی کرتی رہی پھر چلی گئیں۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ انتظار کر رہی تھی۔ شجاع روم لاک کرنے کے بعد اس کی طرف آیا۔

”اسلام علیکم“ اس نے گھمبیر آواز میں سلام کیا۔ بیلا منہ میں ممنا کر رہ گئی۔

”سنا ہے لوگوں کو ہم سے بڑی بدگمانی ہے“ وہ اس کے قریب آ کر بیٹھا تھا۔ وضاحت دوں یا بات بتاؤں اس نے بیلا کا ہاتھ تھاما ”اتنا ٹھنڈا ہاتھ“ چلو میرا تمہیں ستانے کا کوئی موڈ نہیں ہے بتا ہی دیتا ہوں۔ تمہاری وہ دوست کیا نام ہے افروز ہاں وہ مجھے آفر کر رہی تھی کہ میں اس سے شادی کروں۔ میں نے انکار کر دیا کیونکہ میں تو آل ریڈی کسی کو دل دے چکا تھا پھر اس نے مجھے کوئی تصویریں دکھائیں۔ میں نے اس کے ہاتھ سے لے کر سب ڈیلیٹ کر دیا۔ وہ غصہ ہوئی تو میں نے اسے آئینہ دکھایا اور بتایا کہ میں اس کے بارے میں سب جانتا ہوں اور تصویریں اس لیے ڈیلیٹ کیں کہ تمہاری عزت مجھے اپنی جان سے پیاری ہے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ تصویریں کسی اور کو دکھائے۔ بیلا میں بس تمہیں چاہتا ہوں اور تمہاری عزت تو مجھے جان سے پیاری ہے میں اس لئے وہاں گیا تھا اور آج ہماری زندگی کی سب سے خوبصورت رات ہے ہم اپنی نئی زندگی شروع کر رہے ہیں تو ہمارے دل اور دماغ صاف ہونے چاہئے مصلحت یا مجبوری کے تحت نہیں بلکہ خوشی اور اعتبار کے ساتھ شروعات کریں۔ بس کر یا اور کوئی وضاحت دینی ہے“ وہ مسکرا کر بولا تو بیلا شرمندہ ہوگئی۔

”آئی ایم سوری شجاع“ وہ سر جھکا کر بولی۔ لڑکی تمہیں کسی نے سکھایا نہیں شوہر کا نام نہیں لیتے“ وہ شرارت سے بولا۔ بیلا نے سر جھکا لیا۔

”یاد رکھا بیلا محبت کی پہلی سیڑھی اعتماد ہے یہ اگر کسی بھی رشتے میں نہ ہو تو وہ رشتہ بے وزن ہوتا ہے پھر لوگ اسے ادھر ادھر ڈسکس کرتے پھرتے ہیں۔ وہ اپنی اہمیت کھو دیتا ہے۔ عشق کنارے کھڑی کشتی پر ہم پہلا قدم اسی اعتماد اور محبت کے ساتھ رکھتے ہیں“ کہہ کر شجاع نے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے رِنگ پہنائی۔ بیلا کے چہرے پر قوس قزح کے رنگ بکھر گئے۔ رات قطرہ قطرہ گزرتی ان پر محبت کے پھول نچھاور کرتی رہی۔

چلو عشق کنارے چلتے ہیں<br>
ہم تیری مالا جھپتے ہیں<br>
پھول خوشبو ہوا کے سنگ<br>
ہم تیری یاد میں تڑپے ہیں<br>
تم زندگی بن کر آئے ہو<br>
ہم رب کا شکر ادا کرتے ہیں



# عشق اسیر

سدرۃ المنتہیٰ

## سولہویں قسط کا خلاصہ

شفیعت باہر چلی گئی ہے، پربھات سارنگ سے ملتی ہے اس سے درخواست کرتی ہے شفیعت کو سمجھانے کی۔
رباعی کو شمع نے گھر بچانے کے لئے سمجھایا ہے، رباعی کو اجنبی کے نام سے خط ملے ہیں، وہ خوف زدہ ہوئی ہے۔
عبیب نے شمع کا مجسمہ بنایا ہے، اسے اندازہ ہو رہا ہے، خاندانی فیض اس بار بھی کسی عورت کے ورثے میں جائے گا۔
فیروز نے گولی ماردی ہے زیدی عالم کو، اور رباعلی کو مار کر گھر سے نکال دیا ہے، سکھاں جھگی میں جا بیٹھی ہے۔
سارنگ کا سبیل کے ساتھ نکاح ہوگیا ہے۔
حبیب چیزل کو اس کے حال پر چھوڑ آیا ہے۔
پربھات شمع کو بے ہوشی کے عالم میں ہسپتال لے آئی ہے۔

## اب آپ آگے پڑھیے

## سترویں قسط





''نفرت ہونے لگی ہے، مجھے خود سے، اپنے گھر سے، ہر جگہ سے، شرمندہ ہو گیا ہوں، سب کے سامنے، سندس سے نظر نہیں ملا پا رہا......اور ید سے تو بات نہیں کر پایا، نہ سامنا، میں نے اسے میسج کیا کہ فی الحال مجھ سے مت ملنا، دل کر رہا ہے تمہاری دوست کے پاؤں کو چھو کر معافی مانگوں لیکن اس قابل بھی نہیں ہوں۔''

وہ لاؤنج میں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا پریشان سا شیو بڑھ آئی تھی، بے ترتیب سا۔

سندس اسے چھیڑ رہی تھی کہ ''آپ کو عشق تو نہیں ہو گیا'' وہ ہنسنے مسکرانے کی بجائے پریشان ہو گیا تھا۔

''ایسا مت کہو پلیز...... عشق برباد کرتا ہے، میں کسی کو برباد نہیں کرنا چاہتا...... ایسا عشق ہی نہ ہو جہاں میں جو کسی کو اجاڑتا ہو......''

''آپ بہت پریشان ہو چکے ہیں، احرار، اب جانے دیں......'' وہ اسے کہہ نہیں سکا کہ کیسے جانے دوں، دوائی کھا کر سو گیا۔ اور اب وہ آ کر بیٹھیں تھیں کہ باپ سے ملو، حال پوچھ لو، گولی تو نکل گئی تھی، وہ ٹھیک بھی ہو گئے تھے کافی لیکن ٹانگ میں مسئلہ آ گیا تھا چلنے میں، وہ بیڈ ریسٹ پر تھے۔

''سب ٹھیک ہے، بالکل ٹھیک کہتے ہو، لیکن کیا کریں احرار اسے گھر سے تو نہیں نکال سکتے ناں۔''

''گھر میں بند کر دیں انہیں۔ کسی کا گھر اجڑنے سے بہتر ہے کہ انہیں گھر میں بند رکھا جائے۔''

''بہت دکھ دیئے ہیں انہوں نے ہمیں، لیکن اس لڑکی کا کیا قصور اس عزت دار کا کہ جس کی عزت کی دھجیاں اڑائیں، انہوں نے بہت زیادتی کی ہے انہوں نے امی ایک شریف زادی پر رحم نہیں آیا انہیں۔ کاش کہ ان کی کوئی بیٹی ہوتی، لیکن اچھا ہوا نہیں ہوئی۔ خدا نے انہیں اس قابل نہیں سمجھا کہ بیٹی دیں۔''

''بس کر دو احرار...... تھک چکی ہوں میں...... ایک لمبا سفر کیا ہے اس شخص کے ساتھ میں نے...... یہ نہیں بولا: اس کے عشق کی صورتیں بولتی رہی ہیں۔ اس کا کھلنڈرا پن نہیں بولتا رہا، یہ آوارہ تو تھا لیکن کسی کو اجاڑنے چلا جائے گا اس توقع پر میں یقین نہیں کرتی تھی...... وہ اٹھیں تھیں۔''

''لیکن میری مجبوری ہے اس کے ساتھ رہنا، اس کے گھر میں رہنا، بس اس کی کرتوتوں پر پردے نہیں ڈال سکتی میں۔ جھوٹ نہیں بول سکتی......''

''لیکن مجھ سے پوچھو کہ میں تو بتاتی بھی نہیں کسی کو میرا شوہر کون ہے کیسا ہے؟ ملک کا مشہور مصور میرا شوہر ہے۔ ایک غلطی کر لی اس شخص سے شادی کر کے، گھر چھوڑا...... بغاوت کی، اور بدلے میں کچھ نہیں ملا، ہاں تم ملے...... تم اگر نہ ملتے احرار تو میں کچھ نہیں کر پاتی...... زندہ نہیں رہ پاتی...... لیکن تمہارے لئے زندہ ہوں......''

''ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے ہیں۔'' اس نے ان کے کندھے پر بازو پھیلایا تسلی دینے والے انداز میں۔

''امی...... میں بہت پریشان ہوا ہوں ان کی اس حرکت نے گرا دیا ہے مجھے، اٹھنے نہیں پا رہا۔''

''احرار مت لو ٹینشن۔ میں جاؤں گی اس لڑکی سے معافی مانگنے، میں جاؤں گی وہاں، پر بھات کو کہوں گی مجھے لے چلے۔ میں اس کا گھر بچانے کی کوشش کروں گی۔''

''امی...... میں آپ کو وہاں لے جا سکتی ہوں......''
سندس جو خاموشی سے کچن میں کھڑی کام کر رہی تھی پاس سے گزرتے ہوئے سن کر رکی تھی......
''تم جانتی ہو؟''
''وہ لوگ ہمارے بڑوں کے مرشد تھے، ان کے چھوٹوں سے ہمارا تو کوئی واسطہ نہیں ہے، لیکن میں چلوں گی۔''
''مجھے بھی جانا ہے، مجھے ملنا ہے، ان سے...... کچھ قرضہ تو اس طرف بھی رہتا ہے۔''
لیکن پربھات کو ساتھ ضرور لیں گے، سفارش اس کی چلے گی، وہ اسی خاندان کی ہے، اس کی بات سنی جائے گی۔
''بس پھر تم رات کو میری بات کروانا اس سے ابھی میں جا کر دیکھ لوں اس ظالم کو، جس نے خود کو بھی کہیں کا نہیں چھوڑا......''
وہ زیڈ عالم کے کمرے کی طرف گئیں، جہاں اوندھے منہ بیڈ پر گرا ہوا وہ گنی چنی سانسیں لے رہا تھا۔
درختوں پر پرندوں کے جھنڈ آئے بیٹھے تھے۔ آج اس نے دانہ ڈالا تھا کہ پرندے آئیں۔ وہ کھڑکی سے دیکھتے ہوئے، ان کے اوپر کمبل ڈالنے لگی، اور پھر انہیں گہری نیند میں سوتا پا کر باہر نکل آئی تھی، فون لے کر، اس نے رباعی کو فون کرنا تھا، وہ اس کے ساتھ اس وقت نہیں رہی تھی، جس وقت اسے ضرورت تھی، اسے بہت خیال تھا۔
رباعی کا نمبر اب جا کر کھلا تھا، اس دوسری بیل پر فون اٹھا لیا تھا۔
''کیسی ہو؟'' حالانکہ یہ پوچھنا بہت آسان ہوتا ہے، لیکن اس کا جواب مشکل ہوتا ہے پتا ہے۔
''تھک گئی ہوں پربھات...... بیٹھے بٹھائے لعنتیں ملامتیں سمیٹتے سمیٹتے تھک گئی ہوں۔''
''ایسا مت کہو رباعی، مہینے سے خود کو کوس رہی ہوں، خود ہی رحم کر لو خود پر......''
''پربھات زندگی بہت مشکل ہے......'' وہ رو پڑی تھی۔ کچھ بھی آسان نہیں ہے، اس میں...... سب مشکل ہے، دشوار ہے، میں مشکل میں، اماں اور فیروز مشکل میں، زندگی مشکل...... تو بتا پرہ دنیا کہتی ہے کہ ٹھوکر مار کر گرئے۔ وہ تب بھی اس کے گھر جاؤں، اس کے در جاؤں، اس کے در جاؤں، اس کے ترلے کروں اس کی منتیں کروں۔''
''بتاؤ کیا کیا کروں،...... نفرت کرتا ہے وہ مجھ سے، اور میں اس سے، دھکے دے کر نکالا ہے مجھے اس نے...... تیری بھی ہمدردی اس کے ساتھ ہے۔''
''میری کوئی ہمدردی اس کے ساتھ نہیں ہے، ہفتہ پہلے بھی اسے سنا آئی تھی، اب بھی سنائی ہے۔''
''تو نے اسے جیل سے رہا کروایا......''
''میں نے جو کیا اس کی بھلائی کیلئے کیا، تم سب کی بھلائی، اس پر رحم آ رہا تھا مجھے......
وہ قاتل بننے جا رہا تھا پرہ۔
''لیکن قدرت نے اسے قاتل بننے سے تو بچا لیا ناں، قدرت نے اسے بچا لیا تو سمجھو کہ کچھ اچھا منظور تھا۔ قدرت نے شاید اس شخص کو بھی کوئی موقع دے دیا ہے، اور جسے قدرت موقع دے رباعی اس

نے ہم کیا چھینیں گے۔''
''بس کرو پر بھات یہ جو دھلائی کر گیا ہے وہ اس سے دل نہیں بھرا کیا؟''
''وہ شوہر ہے تمہارا رباعی......''
''یہی تو سب سے بڑا ناسور ہے......''
''رباعی......خود کو ہلکان کیا ہوا ہے تم نے...... میں مانتی ہوں کہ بہت ذلت تھی، بہت رسوائی تھی، بہت دکھ تھا۔ ڈوب مر جانے کا وقت تھا لیکن گزر گیا ہے، گزر رہا ہے اور گزر جائے گا......تم ریلیکس ہو جاؤ۔''
''مانتی بھی ہو کہ رسوائی ہے، ذلت ہے، دکھ ہے، ڈوب مرنے کا مقام ہے اور کہتی ہو کہ ریلیکس رہوں''
''حدت کرتی ہو پر بھات...... یہ کہو کہ ڈوب مرو۔''
''کیسے کہوں۔ دوست ہوں، دشمن نہیں ہوں تمہاری۔''
''جانے دو...... یہ بتاؤ شمع بی بی کیسی ہیں؟
''ساس ہیں تمہاری ماں برابر، بہر حال بہتر ہیں، بہت گلٹ میں تھیں، ان کے لئے تو جیسے قیامت آ کر گزر گئی ہے۔''
ایک تو دشمن کی بیٹی نے اس حال میں جا پکڑا پھر وہ لے گئی۔ اب دشمن کے گھر پر ہیں، اور لمحہ لمحہ جیسے گن کر گزارتی ہیں ہر ایک لمحہ گن کر گزرتی ہیں۔
''ہر وقت جانے کے لئے تیار رہتی ہیں...... بیماری نے نحیف کر دیا ہے، ورنہ بس چلتا تو نکل چکی ہوتیں۔''
''بڑی بے بسی پر ہیں، کہنے لگیں وقت نے پھر سے جھکا دیا ہے مجھے، وقت نے پھر سے جھکا دیا، گرا دیا ہے، رباعی کی نظروں میں بھی، اپنی نظروں میں بھی، اور دنیا کی نظروں میں بھی دل سے تو پہلے گرے، جب دل پر چڑھ کر حکومت کرنے کا وقت تھا، تب دل سے گرا دیا گیا۔''
''بھری جوانی میں دل سے گرنا کیسا ہوتا ہے شمع بی بی......، پوچھ خود سے رہیں تھیں لیکن تم سنتیں تو دل تھام لیتیں......''
''بھری جوان میں دل سے اترنا، اور بڑھاپے میں جب نظروں میں معتبر ہوا جاتا ہے، اس وقت نظروں سے گر گئی ہوں، اور لوگ کہتے ہیں کہ ہم جیسے لوگ معتبر ہوتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہم معزز ہیں......''
''بتاؤ بھلا......ایک عزت ہی تو کمائی ہوتی ہے، وہ بھی فیروز نے مٹی میں ملا دی...... فیروز سے ملنے سے انکار کر دیا اس کی بات نہیں سُنی۔''
''وہ زبردستی گھر آیا تو چہرے پر چادر ڈال لی، وہ پاؤں پکڑ کر بیٹھ گیا، تب بھی نہ ہلیں، وہ جب چلا گیا تو کہنے لگیں رباعی کو مت کہنا کہ آئے بھلے نہ آئے، وہ گھر اس کے لائق نہیں ہے۔''
حویلی کو فیروز کی بوتلوں نے داغ دار کیا، پھر کرتوتوں نے اب تو قاتلانہ نشان بھی لگ گیا، وہ تو رب

نے کرم کیا کہ بندہ بچ گیا، ورنہ فیروز کی نیت تو مارنے کی تھی۔

"ایک کو گولی سے مارا، ایک کو ہاتھوں سے مارا، دھکے دے کر نکال دیا رباعی کو..... یقین کرو کہتے ہوئے رو پڑیں تھیں۔"

"کہنے لگیں رباعی کو درد ہوا ہوگا، کہنے لگیں کہ درد برا ہوتا ہے..... لیکن دکھ اس سے بھی بڑا ہے....."

"مگر ذلت دکھ سے بھی بری ہے..... ذلت بہت بری ہے، یہ زندہ رہنے کے لئے کچھ نہیں چھوڑتی۔"

"اس کے ہوتے ہوئے اگر بندہ زندہ ہو تو سمجھو کہ بندہ زندہ تو ہے لیکن دل اس کا پھانسی گھاٹ اتر چکا ہے، دل مر چکا ہے، عزت مرے تو کچھ نہیں بچتا۔"

"اور ہم نے تو زندگیاں بس اسی آسرے پر گزاری ہیں....."

"اور اب سوچو وہ بھی نہیں ہے تو شمع کیسے جئے گی۔"

"دعا کرو کہ شمع اپنی موت مر جائے....."

"موت کا کہتے ہوئے موت جیسا سکتہ آ جاتا ہے، ان پر دعا، کرو رباعی کہ وہ جئیں....."

"وہ جیتی رہیں، دعا کرو کہ انہیں زندگی ملے۔"

"وہ نکل آئیں اس پاتال سے، تمہاری ہمدردی ہیں ہے ان سے، لیکن دعا کرو کہ وہ یہاں سے خیر و عافیت سے جائیں۔"

"ایک طرف ابا ہیں کہ گھر چھوڑ کر نکل گئے ہیں۔"

"معصومہ کے فارم ہاؤس پر ٹھہرایا ہے انہیں....."

"اور دوسری طرف یہ ہیں کہ صحت مند نہیں چاہ رہیں۔"

"فیروز شکر ہے کہ چھوٹ گیا ہے، مگر کوئی اتا پتا نہیں دو دن سے اس کا، یہاں سے گیا ہے تو پلٹ کر پوچھا بھی نہیں حالانکہ فون نمبر تو میں نے اسے دیا بھی تھا اس کی واسکٹ میں ڈال دیا تھا، وہ واسکٹ اٹھا کر کندھے پر ڈال گیا، رو رہا تھا کہ ماں نے گالی نہیں دی، برا بھلا نہیں کہا، کوسا نہیں، بددعا تک نہ دی۔"

ایسے پڑی تھی جیسے کہ مر گئی ہو.....

"ماں مر گئی ہو..... جیتے جی فیروز کو یتیم کر دیا ہے اس نے..... بس جیسی بھی رہے، ماں زندہ رہے شالا کسی کی ماں نہ مرے....."

"اب رباعی کیا ان کے جینے کی دعا نہ کروں؟ جس سے دشمن فیروز کو روتے ہوئے دیکھا ہے، تب سے بس یہی سوچ رہی ہوں کہ دشمن کی بھی خدایا ماں نہ مرے۔"

"تیری ماں وہ ہے جو نہیں لیکن ماں تو ہے ناں۔"

"جب اپنی ماں کے لئے دعا کرو تو یہ سوچ لیا کر کہ دشمن کی بھی ماں زندہ ہو....."

خاموشی میں رباعی بس اس کی یہ آواز سنتی رہی اور اس کی سماعتوں میں بس یہ جملہ رہ گیا ایک کہ دشمن کی بھی ماں نہ مرے۔

"بلکہ دشمن بھی کبھی نہ مرے، کسی کو کوئی بھی بددعا دو، موت کی نہ دو..... موت بری ہے۔"



عمر بھر انسان سفر کرتا رہتا ہے، اور سمجھتا ہے کہ اسے آگے جا کر ابھی بہت کچھ کرنا ہے، لیکن جب وقت ہاتھوں سے آگے نکل جاتا ہے تو اسے پتا لگتا ہے کہ بہت کچھ اتنے سارے وقت میں نہیں ہو سکتا، بہت کچھ کے لئے وقت بہت چاہئے...... لیکن دراصل نعمان تمہیں معلوم ہے ناں کہ اگر کچھ ہونا ہو تو لمحوں میں ہو جاتا ہے......

''میں اپنی تمام تر غلطیاں بھلا کر سینہ تان کر چلتا تھا اور میں خود کو مطمئن کرتا رہا کہ موت نزدیک ہے۔ یہاں تک کہ بڑھاپا گھیر گیا اور موت دور جا کر کھڑی ہوگئی، آئیگی تو سہی، لیکن تڑپا کر نہ آئے...... اتنا کچھ جو نہیں ہونا چاہئے تھا وہ ہوا ہے۔ اور اتنا کچھ جو ہماری دانست میں ہونا چاہئے تھا، وہ نہیں ہوا......''

وہ بڑے مدھم لہجے میں بول رہے تھے۔ لیکن بڑے تواتر کے ساتھ...... باوجود اس کے ان کی آواز میں لرزش تھی۔

''آپ کو ٹھنڈ لگ رہی ہے غالباً، اندر چلیں؟'' وہ ان کے وجود کی کپکپاہٹ محسوس کر رہا تھا۔

''نہیں نعمان سردیوں کی ٹھنڈ کا یہی تو مزا ہے کہ دھوپ سینکنا نصیب ہوتی ہے، چلو باہر چلتے ہیں'' انہوں نے نقاہت کی وجہ سے چھڑی تھام لی تھی، اس لئے نعمان کا سہارا لئے بغیر آگے بڑھے۔

''محض مہینے بھر میں آپ مزید کمزور ہوگئے ہیں۔''

''کل میں گھر چلا جاؤں گا'' وہ جالی دار دروازے سے باہر آگئے تھے۔ باہر ہرا بھرا میدان اور سبزہ تھا۔ درختوں کی کٹائی ہوگئی تھی کئی درخت مالی نے آکر چھانگ لئے تھے۔

یہ معصوم شاہ کا خاندانی فارم ہاؤس تھا، اور وہ پچھلے پندرہ دن سے یہاں مقیم تھے۔ کل رات نعمان آگیا تھا۔ ٹریننگ سے واپس آیا تھا، اور لوٹتے ہی نکل پڑا تھا رات میں ہی، کیونکہ پربھات کی غیر موجودگی کی وجہ سے اسے مسلسل ان کی فکر ہو رہی تھی، پھر رئیس نے جب بتایا کہ وہ خود سے تنہائی میں باتیں کرتے ہیں تو اسے احساس ہوا ان کی تنہائی اور افسردگی کا۔

''آپ کو گھر سے یوں فرار اختیار کرنا نہیں چاہئے تھا''

''کیا کروں یار نہیں ٹک سکتا تھا......''

''آپ کو ایک بار ملنا چاہئے ان سے...... وہ انہیں لے کر بینچ تک آیا، تم بھی پربھات کی طرح مجھے کٹہرے میں گھسیٹنا چاہتے ہو......''

''نہیں...... میں چاہتا ہوں آپ کے دل پر یہ جو بوجھ ہے، یہ ہٹے، اسے اب ختم ہو جانا چاہئے۔''

''ہاں...... مجھے بھی لگ رہا ہے کہ انسان مرنے سے پہلے اپنے کام مکمل کرلے تو اچھا ہے...... ویسے چیزل نے کوئی رابطہ نہیں کیا، اس نے مجھ سے پیسے بھی نہیں لئے......''

''اسے کام مل گیا ہے، باہر جا رہا ہے وہ دو دن میں......''

''اچھا ہے، میں تو اسے کہہ بھی نہ سکا کہ ٹیسٹ کرا دو......''

''کیا رکھا ہے اس جانچ میں، اس کے لئے کتنا مشکل ہوگا یہ سب......'' ان کی کپکپاہٹ کم ہوئی تھی ذرا دھوپ میں آکر۔

''ہاں صحیح کہہ رہے ہیں۔ شفیعت کا کورس مکمل ہوگیا ہے، اس نے پربھات سے بات کی تھی کہ وہ اس

ہفتے لوٹے گی......''

''اس نے تمہیں بتانے کے بجائے پرہ کو بتایا، اس کے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی حیرت ہے۔ انہیں افسوس تھا۔''

''نہیں آئی......لیکن جانے دیں، مجھے بھی لگتا ہے ہم بہت دور جا کھڑے ہیں، اس راستے پر، جہاں سے اجنبیت کی سرحدیں شروع ہو جاتی ہیں، ایک لٹکا ہوا رشتہ ہے ہمارا جس میں کوئی موڑ نہیں، کوئی احساس نہیں، جیسے پر کٹے کبوتر کو نہ اڑ سکیں نہ نکل سکیں، نہ ہی پر مار سکیں، پنجرے میں بھی رہتا ہے اور خیر......''

''نعمان اس سب میں ایک بار بھی تم مجھ سے یا پربھات سے متنفر نہیں ہوئے؟''

''متنفر تو میں شفیعت سے بھی نہیں ہوا ابا جی۔''

''ہاں یہ لفظ اچھا نہیں، تم متنفر بھلا کیسے ہو سکتے ہو لیکن اجنبیت تو آتی ہے ناں......''

''وہ نہیں آسکتی اس لئے شفیعت کے رشتوں کے حساب سے قبول نہیں کیا میں نے آپ لوگوں کو، بلکہ آپ لوگوں کو اپنا سمجھا ہے......''

''میں اپنے رشتوں سے کیسے بیزار آسکتا ہوں۔''

''نعمان تم مجھے محمود سے زیادہ عزیز ہو......'' انہوں نے بچوں کی طرح اس کے کندھے پر سر ٹکا دیا تھا۔

''آپ مجھے میرے باپ کی طرح عزیز ہیں، بہت چھوٹی عمر میں میں نے انہیں کھویا تھا، لیکن آپ کے قریب آکر مجھے یہ نہیں لگا کہ میرا باپ ہی نہیں کوئی،......'' اس نے بازو ان کی پشت پر پھیلا دیا تھا۔

''بس میں چاہتا ہوں آپ جس طرح اکیلے ہو گئے تھے اسی طرح زندگی کی طرف لوٹ آئیں۔''

''تم میری ایک بات مانو گے؟''

''کہئے......وہ انہیں خود سے لگائے ان کے وجود کی لرزش اور کمزوری کو محسوس کر رہا تھا۔''

''نعمان کیا واقعی مجھے شمع سے معافی مانگنے کی ہمت کرنی چاہئے؟''

''آپ کو ضرور کرنی چاہئے، حویلی جا کر شاید آپ یہ کام نہ کر سکیں۔''

''وہ کل پرسوں گھر جا رہی ہیں، کسی کی بھی زندگی کا بھروسہ نہیں ہے، آپ جائیں، اپنے گھر میں کھڑے ہو کر ان سے معافی مانگ لیں۔''

''اس سے معافی تو مانگوں گا، اس کا بعد میں مجرم ہوں لیکن پہلے جس کا مجرم ہوں اس سے تو مانگ لوں...... جس نے میرا ہجر جھیلا...''

''جس نے جوانی لٹا دی، جس نے ختم کر دیا خود کو، حق تو اس کا بنتا ہے کہ پہلے اس سے معافی مانگوں پھر مانگوں شمع بی بی سے۔''

''وہاں چلیں گے، لیکن پہلے گھر چلیں۔''

''ہاں نومی...... پہلے سکھاں کے پاس لے چلو......''

''اگر اس نے معاف کر دیا تو پھر سمجھوں گا کہ شمع بھی کر دے گی۔ لیکن اس نے تو آپ کو معاف کر دیا

تھا۔"

"لیکن میں نے معافی مانگی تو نہیں ناں۔اس کا بوجھ تو ہے ناں مجھ پر..."

"اس کا مجرم تو ہوں ناں میں......"

"چلیں پھر آج دوپہر کا کھانا کھا کر ہم وہاں چلیں گے......"

"اور پھر رات اپنے گھر پہنچیں گے۔"

"ٹھیک ہے......میں بھی آرام سے مر سکوں گا......"

"کل میں نے محمود کے بچے کی تصویر دیکھی ہے۔"

"وہ بہت خوش ہیں......وہ پاکستان نہیں آرہا ابھی۔"

"خدا کرے وہ خوش رہیں۔"

"وہ خوش رہیں گے......آپ فکر نہ کریں......"

"رشید نے ناشتہ بنالیا ہوگا، اندر چلیں۔"

"آج تو معصوم نے بھی آنا تھا دوپہر تک۔"

"اس سے پوچھو وہ آئے تو اس سے مل لیں۔"

"ہاں مجھے معصوم سے ملنا ہے، کچھ زمین خریدنی ہے اس طرف، پھر ایک چھوٹا سا فارم ہاؤس بناؤں گا، آپ کا جب بھی کرے آجایئے گا رہنے کے لئے......"

"ہاں یہ اچھا ہے......کچھ کرلو اپنے لئے......ویسے نعمان تم راضی ہو جاؤ میں تمہاری کہیں شادی کرواؤں......"

"رہنے دیں آپ"

"نہیں نعمان میں چاہتا ہوں تمہیں فرماں بردار بیوی ملے......تمہارے بچے ہوں، تم خوش رہو۔"

"ارے جانے دیں آپ......کیا کروں گا شادی کر کے میں۔"

"میں اب کروں گا یہ، تمہارے لئے کوئی اچھی سی لڑکی دیکھتا ہوں۔"

"وہ ہنس پڑا تھا بے دلی سے، شادی میں کیا رکھا ہے......"

"تم دیکھنا اب میرے ذہن میں یہ بات آئی ہے تو ہوگی......"

"کیوں اپنی بیٹی کا رنج لئے ہیں خود بھی اور مجھے......"

"نہیں نومی، بس اب بہت ہوگیا......"

اسی وقت قریب سے گاڑی گزرنے کی آواز آئی تھی ٹائروں کے چرچرانے کی۔

"شاید معصوم آگیا ہے، میں رشید کو دیکھتا ہوں ذرا کچن میں کہ کیا بنایا ہے اس نے، آپ تب تک معصوم سے ملئے، وہ کہہ کر اندر کی طرف گیا جہاں رشید ناشتہ تیار کر رہا تھا، اور خوشبو کچھ کچھ باہر تک آنے لگی تھی......



"دنیا میں نیک عورت کا مل جانا بھی اجر ہے سارنگ......"

''تو خوش کیوں نہیں ہے، ایک ایسی عورت تجھے ملی ہے جس کا کوئی بوجھ نہیں تجھے، دو جوڑوں میں رخصت ہو کر آ گئی تیرے پاس یہ، شکر کر سارنگ......''

تیرا خیال رکھتی ہے، تیرے کپڑے دھو کر استری کر کے رکھنے کے بعد تیرے جوتے پالش کرتی ہے، لاکھ روکتی ہوں اسے کہ سارنگ کو اچھا نہیں لگتا تیرا جوتے میں ہاتھ ڈالنا لیکن مانتی ہی نہیں۔ ایسی عجیب عورت ہے یہ، دیکھ لے، چپ چاپ تیرے لئے کھانا بناتی ہے، دن رات تیری خدمت کی فکر ہوتی ہے۔ اسے، تو جب کمرے میں ہوتا ہے تو تیرے سامنے کم آتی ہے۔ کہ تجھے کہیں اس سے بیزاری نہ ہو جائے، پر دیکھ، باہر رہ کر بھی اس کی آنکھیں تیرا کمرہ دیکھتی ہیں۔''

''تو کتاب کو دیکھتا ہے اور یہ تجھے دیکھتی ہے۔''

''تو سوچ میں گم ہوتا ہے، یہ تجھے سوچتی ہے۔''

''تو نماز پڑھتا ہے، یہ تجھے بیٹھی جیسے پڑھتی رہتی ہے......''

''تو رحم کیوں نہیں کرتا اس کے حال پر سارنگ......؟

وہ لاجواب اور افسردہ ہو کر انہیں دیکھے گیا۔

''جو خود رحم کے قابل ہو، وہ کیا کسی پر رحم کرے گا''

تھکی ہوئی آواز تھی، وہ ان کے گھٹنے پر سر رکھ کر لیٹا تھا۔

''سارنگ قدر والوں کی قدر کی جاتی ہے۔''

''جو محبت کرے اس سے محبت نہ بھی کر تو قدر تو کر اس کی۔...''

''مجھ سے اسے کیا ملے گا اماں......ایک معذور اور مجبور آدمی سے شادی کر کے کیا ملا اسے....''

''سارنگ چریا نہ بھی......اسے تجھ سے کچھ نہیں چاہئے بس تو اس کا بن جا......''

''اماں...... یہ بہت مشکل ہے۔''

''یہ آسان ہے سارنگ یہی تو آسان ہے۔''

''باقی سارا مشکل ہے......''

''اماں......''

''جی بچھڑا......''

''پھپھی ماں خوش ہیں؟''

''وہ مگن ہے سارنگ، وہ کسی اور ہی جہاں میں جیسے رہ رہی ہے۔''

''قبر ہونے سے پہلے کتنا مشکل ہوتا ہے ناں قبروں کے درمیان رہنا ماں......وہ کیسے رہتی ہیں؟''

''اسے روگ لگ گیا ہے سارنگ۔''

''کونسا رنگ اماں؟''

''جو ہمیں نہیں لگا، جو اسے لگا ہے، سارنگ اس کے پاس لوگ دعا لینے آ رہے ہیں۔''

''وہ تو ایسی نہیں تھیں اماں......وہ تو ان چیزوں کے خلاف تھیں۔''

''سارنگ یہ رنگ ہے یہ اسی پر چڑھنا تھا۔''

"حکم جب اترے مسیحائی کرنے کا تو بندے کی مجال نہیں کہ انکار کرے، بندہ انکار نہیں کرتا......"
"وہ منہ لپیٹے پڑی رہی گھر میں...... اب اس نے راز جانا ہے، لیکن وہ تو انکار کر دیتی تھیں۔"
"نہیں سارنگ وہ انکار نہیں تھا۔"
"اگر وہ انکار ہوتا تو نعمت چھن چکی ہوتی، نعمت نہیں چھنی تو سمجھو انکار نہیں ہے۔ وہ تب خود کو ڈھونڈ رہی تھی سارنگ...... وہ خود کو پا گئی......"
"آپ کو معلوم ہے کہ انہوں نے خود کو پا لیا ہے"
"کسی چیز کا وقت قریب ہے ماں جی وہ سمجھنا نہیں چاہتا تھا۔"
"بس سارنگ اس کے لئے دعا کیا کر اب......"
"رب ان کو حیاتی دے......"
"تو سدا من پسند دعائیں کرتا ہے......"
"تو غلط کرتا ہے سارنگ، جس چیز کی ضرورت ہو اسی عمل کی دعا کرے آسانی کی دعا کر۔... بچڑا....."
"اماں میں پھپھی کے پاس جاؤں اس وقت......؟"
"اس وقت نہیں سارنگ...... صبح چلے جانا"
"صبح نہیں اماں ڈرا دیا ہے تو نے مجھے، ابھی جاؤں گا، میں ابھی جاؤں گا ان کے اس...... آپ چلیں میرے ساتھ......"
"ماں کو پریشان نہ کر سارنگ...... تھکی ہوئی ہوں۔"
"پھر سبیل کو کہہ کہ میرے ساتھ چلے......"
"اچھا چل کہتی ہوں اسے" وہ باہر نکلیں سبیل برآمدے کے پلر کے پاس چک گرا کر بیٹھی سویٹر بن رہی تھی۔
"سبیل...... چل اٹھ...... سارنگ کے ساتھ جانے کی تیاری کر، پھپھی ماں کے پاس جانا چاہتا ہے۔ وہ"
وہ بغیر کچھ پوچھے کہے اٹھی، دھاگہ رکھا اور کمرے میں آ گئی۔
سارنگ وہیل چیئر پر بیٹھنے کی کوشش کر رہا تھا چھڑی اور پلنگ کی ہتھی کو پکڑتے ہوئے، جب وہ اندر آئی اور آگے بڑھ کر خاموشی سے سہارا دیا اسے۔
وہ ایک نظر بے بسی سے اس پر ڈال کر چپ تھا،
"آپ نے کپڑے نہیں بدلنے؟"
"نہیں......"
"کھانا کھانا ہے؟"
"نہیں"
"کچھ ساتھ لے لوں بنا کر"

”مجھے دیر نہیں کرنی، پہنچنا ہے.....“
”ٹھیک ہے.....چلیں، میں چادر لے لوں“
”لے لو“

اس نے چادر پہنتے ہی سارنگ کے لئے پانی کی بوتل اور بھاگ کر کچن سے میٹھے کی روٹی گڑ کے ساتھ ٹفن میں پیک کر کے سوئٹر اور شال بھی لے لی سارنگ کی، اور ایک شاپر سارنگ کی وہیل چیئر سے ٹانگ کر سوئٹر اور شال اس کی گود میں رکھی اور وہیل چیئر باہر لے جانے لگی، سارنگ نے رکشے والے کو فون کر دیا تھا۔ پڑوس والے کو، اور ان کے نکلتے ہی وہ دروازے پر تھا، وہ ان دونوں کی مدد سے سیٹ پر بیٹھا ٹانگ میں خاصی تکلیف کا احساس تھا۔

سبیل نے جیسے لمحے کے لئے تسلی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور پھر ہٹا دیا۔

وہ کہنا چاہ رہا تھا کہ تم ایسی کیوں ہو، اتنی مہربانی کیوں کر لیتی ہو بہن سے پر، مشکل کیوں نہیں ہو۔ آسان کیوں ہوں.....مگر چپ رہا.....

بہت کچھ ایسا ہوتا ہے جو کہنے کے ساتھ سمجھنا ہوتا ہے سبیل کے چہرے کا اطمینان بتا رہا تھا کہ وہ بہت کچھ جانتی ہے۔ نہ صرف جانتی ہے بلکہ سمجھتی بھی ہے۔ رکشہ جا کر پینتیس منٹ کے بعد ایک جھگی کے سامنے رکا، یہ قبرستان سے نزدیک تھی۔

اور رات کے دوسرے پہر بھی جھگی کے باہر لوگوں کا جمگھٹا تھا۔

وہ حیران اور دکھی سا ہوا۔

”تو یہ چاہتا تھا تو؟“

”تو یہ تھی تمہاری منزل پھپھی اماں؟“

وہ احاطے میں ہی رکنے کا اشارہ دیتے سبیل کو افسردگی سے ان لوگوں کو اور جھگی کے خستہ حال پردے کو دیکھنے لگا، جہاں باری باری پردہ ہٹا کر لوگ جا رہے تھے، جن میں زیادہ تر عورتیں بچے اور بوڑھے تھے۔

دو تین نوجوان وہیں آس پاس بھٹکتے نظر آئے اس نے باری آنے پر سبیل کو اشارہ کیا۔

وہ اس کی وہیل چیئر لے کر اندر گئی، پردہ ہٹایا، پر ہی رکی۔

سکھاں نے جھکا ہوا سر اوپر اٹھایا، سارنگ اور سارنگ کے چہرے پر اس سب کو دیکھ کر جو بے دلی اور افسوس تھا، اس نسو نکل پڑے اور لب پر شکوے نے ابھرتے ہی دم توڑا.....اس نے بغیر کچھ کہے سبیل کو پیچھے سے ہٹ جانے کا اشارہ کیا اور وہیل چیئر کے وہیل زوردار طریقے سے باہر کو دھکیلے، وہ یہاں رکنا نہیں چاہ رہا تھا، لمحوں کے اندر اس نے محسوس کر لیا تھا۔ سکھاں کے چہرے کی بے بسی میں کرب تھا۔



”کب سے اس گھر میں تم لوگ؟“ وہ بڑی دیر سے گھر کی دیواروں اور کھڑکیوں کو جانچ رہی تھیں۔

”ہم نے تو پیدا ہوتے ہی دیکھا ہے گھر یہ“

''ہاں اس گھر کا احساس بتا رہا ہے کہ یہ پرانا ہے۔''
''گھر کا احساس بھی ہوتا ہے کیا''
''ہاں ہوتا ہے......''
وہ، انہیں دیکھ رہی تھی، کچھ بہتر لگ رہی تھیں۔
''تمہارا باپ جب گھر سے گیا تو عنایت شاہ کو لگا کہ ان کا بیٹا بے گھر تڑپتا رہے گا، ترسے گا، ایک لقمے کو، لیکن حبیب کو رب نے کھلایا بھی، پلایا بھی، اور رہنے کو بھی دیا، خدا کسی کو نہیں چھوڑتا، نہ عنایت کو نہ اس کے بیٹے کو، خدا نہیں چھوڑتا......''
''آپ آج بہتر محسوس ہو رہی ہیں''
''میں ٹھیک ہوں، تمہارے گھر میں سکون ہے، اتنی تنہائی میں بھی گھر کھانے کو نہیں دوڑتا، تم باہر ہوتی ہو تب بھی ویرانی محسوس نہیں ہوتی......''
وہ پہلی بار ان کا یہ روپ دیکھ رہی تھی، جب وہ دوستانہ انداز میں بات کر رہی تھیں، اور ان کے لہجے میں ایک وڈیرانہ پن کی جھلک کم تھی۔
''حویلی میں ہر کونے سے ویرانی ٹپکتی ہے، شاید اس لئے کہ حویلی کے سارے افراد برباد ہو گئے تھے، خدا تمہارے گھر کے افراد کو سکھی رکھے، سب سکھی ہونگے۔''
''جی...... محمود بھائی باہر ہیں لیکن خوش ہیں اپنی فیملی کے ساتھ، بہت خوش، اور آپا تو پڑھائی کے لئے باہر ہیں اب آجائیں گی، دعا کریں اللہ اسے خوش رہنے کی توفیق دے، اس نے اپنی خوشیوں کو بڑا داؤ پر لگایا ہوا ہے اور تم؟''
''میں بھی خوش ہوں......بس ابا کی خوشی کے لیے فکر مند ہوتی ہوں''
''تم...... مجھے کب رہا کرو گی یہاں سے......''
''بہت مشکل وقت گزارا ہے میں نے یہاں پر''
''میں نے آپ کو اچھے سے نہیں رکھا کیا؟ آپ کا خیال نہیں کیا۔''
''تم نے تو حد سے زیادہ خیال رکھ کر مجھے مقروض کر دیا ہے''
''کوئی مقروض نہیں ہوئیں آپ''
''پر یہ تمہارا فرض نہیں تھا پر بھات''
''فرض نہ سہی سنت سہی، وہ بھی نہ سہی نفل سمجھ لیں، اگر وہ بھی نہیں تو انسانیت کے ناتے۔''
''میرے خیال سے اگر آپ میری جگہ ہوتیں تو یہی کرتیں۔
''میں نے تجھے گھر سے جانے کا کہا تھا، اور تو نے دشمن کو گھر رکھا ہوا ہے۔''
''آپ میری دشمن نہیں ہیں۔ آپ میرے خاندان کی ہیں بلکہ میں آپ کے خاندان کی ہوں''
''تم اچھی لڑکی ہو''
''آپ بھی اچھی ہیں''
''میری بچوں کی طرح تعریف کرنا بند کردو......''

اچھا..... وہ ہنس پڑی۔

"مجھے بس اب جانے دو..."

"آپ ابھی جا کر پھر سے نہ بیمار ہو جائیں۔"

"کون خیال رکھے گا آپ کا وہاں"

"بیچاری ملازمائیں ہیں۔"

"لیکن ان سے دل نہیں خوش ہوتا....."

"پھر فیروز کو آپ نے ناراض کر کے بھیج دیا....."

"رباعی کو منا لائیں گی؟"

"نہ شیٹ نہ..... رباعی کے لائق نہیں فیروز، مروانے کے لئے تو نہیں لاؤں گی، پرائی دھی ہے، کل کو رب نے حساب مانگا تو کیا دوں گی جواب میں....."

"مجھے لگتا ہے اگر فیروز خود اسے منانے جائے۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا..... فیروز نہیں جائے گا....."

"اچھا..... وہ خود بھی نہیں آئے گی....."

"نہیں آئے گی..... کیسے آسکتی ہے وہ خود"

"چلیں آپ فکر نہ کریں، کچھ روز میں رہ لوں گی پھر جاب شروع ہو گی تو لوٹنا پڑے گا، کیونکہ پھر وہاں سے دور پڑ جائے گا۔"

"دکھی ہے....."

"دکھی تو ہو گی..... تو اسے یہاں بلا کر رکھ کچھ دن..."

"اس کا دل بہلے گا، تیرے گھر میں سکھ کی ہوا ہے، مہمانوں کے لئے مہربان ہے بڑا۔"

"جیسے حویلی کبھی ہوتی تھی۔"

"حویلی اب بھی ہے..... حویلی کا دل بڑا ہے۔"

"پر اب حویلی والے قبرستان میں جا بسے ہیں....."

"دعا کر میرا وقت جلدی آئے....."

"آپ کو ابھی رہنا ہے۔"

"سزا جتنی بڑی ہو تکلیف اتنی ہوتی ہے۔"

"تو دعا کر سزا کم ہو اب....."

"تیرے باپ کو بلا، آکر اپنے گھر رہے۔"

"مجھے نکال کل صبح یہاں سے....."

"آپ کو بڑی جلدی ہے ویسے....."

"میں بعد میں بھی آپ کو یہاں لایا کروں گی"

"رہن دے، میں اب نہیں رہوں گی آکر۔"

''ارے میں آپ کو روبی کے گھر لے جاؤں گی......''
''آپ بے شک یہاں نہ رہیں''
''تم اب بس مجھے یہاں سے جانے دو......''
''بڑی بیزاری آئی ہوئی ہیں......چلیں آپ آرام کریں میں ذرا سوپ بنالوں، آپ کی دوائی کا وقت ہو جائے گا۔''
وہ اٹھی اس بہانے سے، کیا کہتی کہ سوپ کے ساتھ کیا کچھ بنوانا ہے، اور کھانے پر آج ہم اکیلے نہیں ہونگے۔''



رات کا پہر تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ رات کے اس پہلے پہر وہ جانے کے لئے بضد نہ ہو جائیں۔
وہ انہیں فوری طور پر ہسپتال لے گئے تھے، آکسیجن لگنے کے بعد سانس کا ردھم کچھ بہتر ہوا تھا، وہ رات گئے گھر آ گئے تھے، دوائیوں کی غنودگی کے زیر اثر تھے لیکن کتنی دیر سے بڑبڑاتے رہے تھے۔''
''اس کی بددعا......میرا پیچھا کرے گی......''
''اس کی بددعا قبر تک جائے گی......''
''عفیفہ......''انہوں نے بمشکل آنکھیں کھول کر انہیں تلاش کرنا چاہا۔
''میں یہیں ہوں''وہ کچھ فاصلے پر بیٹھی تھیں۔
''عفیفہ......اس لڑکی کو فون کرو......اسے کہو مجھے معاف کرے......وہ نہیں کرے گی تو سانس نہیں جائے گی......سانس میں اٹک......اٹک ہے......پھنس......جاتی......ہے۔ اسے کہو......فون کرو......تم اپنے نمبر سے......''
''میرے فون میں......نمبر......کرو پلیز......''
''میرے لئے......تم نے بہت کیا ہے......''
''ایک یہ......کام بھی......کرلو......''
انہوں نے ان کا فون اٹھایا، اور نمبر نکالا......دو تین بار ملانے کے بعد رنگ گئی، اور چوتھی بیل پر فون اٹھالیا گیا۔
''رباعی......''ان کی آواز کہتے ہوئے کانپ رہی تھی۔
''جی......آپ!''تھکی ہوئی گھمبیر آواز تھی۔
''رباعی......! اسے معاف کردو تاکہ اس کی سانس آسان ہو......''
''کہ کون......آپ کون؟''
''وہ جس نے تمہارا گھر بگاڑا......، جس نے تمہیں بدنام کیا، خط لکھے......، جو تمہارے گھر تک پہنچ گیا اسے معاف کردو......''
کہنا کتنا مشکل تھا، اس سے زیادہ سننا، ہر ایک لفظ پر زید عالم کی آنکھوں سے قطرہ گرتا تھا۔
''وہ جس نے بدنام کیا۔

جو گھر تک پہنچ گیا۔
جس نے خط لکھے۔
اسے معاف کردو...... میں اس بدنصیب کی بیوی ہوں۔'' وہ خود بھی رو پڑی......
''تم سے التجا ہے میری...... وہ عزت سے جی نہ سکا۔''
''دعا کر کہ عزت کی موت......'' موت کے بعد کچھ بھی نہ کہہ سکیں......اور فون بند کر دیا۔
یہ بھی نہیں کہا کہ اس کا جواب سن لوں، سکت نہ تھی۔
اس نے کیا کہا؟ وہ پوچھ بیٹھے......
کر دیا ہوگا...... بے رحم نہیں لگتی۔
انہوں نے لمبا سانس لیا اور آنکھیں موندھیں، احرار سے آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ تھاما۔
انہوں نے آنکھیں کھول کر شکستہ انداز میں اسے دیکھا۔
سندس نے احرار کو اشارہ کیا کہ پاس بیٹھ جائے وہ بیٹھا تو انہوں نے گردن اس کے گھٹنے پر رکھ دی......احرار نے بازو میں انہیں بھر لیا اور وہ رو دیا۔ وہ باپ جس سے اجنبیت کا دور لمبا رہا تھا، جس نے کبھی یوں بڑھ کر خود سے والہانہ نہیں لگایا تھا جب تک احرار کو یاد تھا۔
وہ باپ جس سے وابستہ ہزار شکایتیں تھیں، وہ جب قریب آیا اور اس قدر شکستہ تو اسے رونا آ گیا......
''عفیفہ......'' انہوں نے آواز دی۔
وہ نزدیک ہو کر بیٹھ گئیں۔
''دعا کرو۔ وہ لڑکی...... مجھے معاف کر دے......''
''تم نے تو ہمیشہ...... کیا......''
''تمہاری طبیعت ٹھیک ہو جائے گی......''
''تم ٹھیک ہو جاؤ پھر چل کر معافی مانگیں گے۔''
''نہیں...... دعا کرو اب...... کبھی وہاں...... نہ جاؤں......،
دعا کرو...... عفیفہ، مجھے مرنا ہے۔
اب مجھے عشق نہیں کرنا۔
اب مرنا ہے...... تم دعا کرو......
موت...... آ جائے...... عزت والی......'' وہ رو پڑے۔
''آج باتیں کرو......'' انہوں نے احرام کی گود میں سر رکھ کر عفیفہ کا ہاتھ پکڑا۔
''احرار...... قرآن پڑھو......''
''میرے کان سنیں......''
عفیفہ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔
''تم نے تو وعدہ کیا تھا کہ ساتھ جائیں گے۔
تم نے تو وعدہ کیا تھا......''

''کوئی وعدہ نہیں وفا کیا..... میں نے.....''

''کوئی وعدہ نہیں.....''

''کوئی وعدہ نہیں..... وفا کیا.....''

''تم سارے دکھ، اکیلے سہنے کے لئے چھوڑا.....''

''تم نے..... گھر چھوڑا..... بغاوت..... کی.....

سب چھوڑا..... اکیلے رہیں.....''

''میں..... نے..... سارے دکھ..... تمہیں دے دیئے.....''

''میں مجرم، تھا..... ہوں..... تمہارا.....''

''بس کردو..... وقت گزر گیا..... عمر بیت گئی زبیر اب کیا رونا ان باتوں کا۔''

''وقت گزر گیا..... عمر بیت گئی.....''

''موت آ گئی..... عفیفہ موت آ گئی.....''

''میں نہ بدلا.....''

''وقت..... بدل گیا.....''

''دعا کرو..... اب وقت..... کم پڑ گیا.....

''مت کہو کہ..... جینا ہے.....''

نہیں جینا.....

اب نہیں جینا.....

اب دعا کر.....

انہوں نے پیشانی سے بال ہٹائے ان کے ہچکی لی انہوں نے سانس کی۔

احرار نے قرآن پڑھنا شروع کیا۔

سندس پائنتی کے کنارے آ بیٹھی بیڈ پر

رات سرک رہی تھی

موت سر پر کھڑی تھی

اور زندگی کے رنگ بکھرے پڑے تھے۔.....

ان کے کمرے میں بلی کودی، تمام تصویروں کے پورٹریٹ گر گئے۔ رنگوں کی باسکٹ الٹ گئی، کمرے کے ادھ کھلے دروازے کا نظارہ منتظر تھا، دوسری طرف موت اپنا کام کر چکی تھی۔



بہت ساری باتیں کہی نہیں جاتیں، سنی بھی نہیں جاتیں، وہ بس محسوس کی جاتی ہیں، جیسے یہ دونوں ابھی بہت کچھ محسوس کر رہی تھیں، اور کہہ نہیں پا رہی تھیں یا پھر کہنے کی ضرورت نہ تھی۔

وہ سمجھ رہی تھیں کہ یہ جو دعوت کا نظارہ لگ رہا ہے کچن میں یہ صرف ان کے لئے اتنی تعداد میں تو نہ ہوگا۔ آپ کو پتا ہے میں نے صرف سوپ بنایا ہے، باقی چیزیں مصالحہ لگے تیار ہیں جنہیں صرف بعد میں

تلنا ہوتا ہے۔
وہ مسکرا بھی نہیں رہیں تھیں، اور برہم بھی نہ تھیں۔
لیکن ان کا اندازہ سوالیہ ضرور تھا۔
''میرے کچھ دوست آرہے ہیں..... آپ کو تکلیف نہیں ہوگی، میں انہیں دوسرے کمرے میں بٹھا لوں گی۔
''آپ کو بھوک لگی ہو تو چکھ سکتی ہیں سب میں سے، بلکہ بتائیں کہ کیسا ٹیسٹ ہے سب چیزوں کا۔''
''تم مجھے بہلانے کی کوشش کر رہی ہو.....'' ان کے لہجے میں شکوہ بھی نہ تھا، بس بے تاثر تھا۔
''نہیں تو..... میں تو بس آپ کو خوش رکھنے کی کوشش کر رہی ہوں.....''
''کیوں کر رہی ہو یہ کوشش؟''
''مجھے نہیں معلوم..... بس دل کر رہا ہے.....''
''میرا دل خوش ہو رہا ہے یہ سب کرتے ہوئے.....''
''ہم نے اچھا سلوک نہیں کیا تھا تمہارے ساتھ.....''
''آپ بار بار وہ کیوں یاد کر رہی ہیں بات۔''
''مجھے آپ نے بلایا نہیں تھا، میں خود آئی تھی، اور آپ کو یہاں میں اپنے دل کی خوشی سے لائی ہوں''
''اپنی خوشی سے لائی ہو، آپ میری بڑی ہیں، میرے گھر کی بڑی، میرے خاندان کی بڑی..... مجھے پ سے انسیت ہے آپ کو پتا ہے ناں میں نے ججی کو نہیں دیکھا۔''
''شاہ بانو کو بھی نہیں دیکھا۔''
''اپنی ماں کے ساتھ بھی وقت نہیں گزار سکی.....''
''خاندان کی کسی بڑی عورت کی چھاؤں کیا ہوتی ہے یہ میں نے آپ کو دیکھ کر محسوس کیا تھا۔''
''میں رشتے کے حساب سے کیا کہوں آپ کو مجھے نہیں معلوم..... لیکن خاندان کی ان سب عورتوں کی لک مجھے آپ سے آتی ہے، جن کا ذکر میں نے ابا سے بار بار سنا ہے.....''
''انہوں نے کبھی فراموش نہیں کیا آپ لوگوں کو.....''
''ہم فراموش کرنے والے لوگ تھے؟ یہ ان کا اچانک سوال تھا، خود انہیں بھی معلوم نہ تھا کہ وہ یہ ال کریں گی۔ نہ آپ ایسے تھے کہ فراموش کیے جاتے اور نہ ہی وہ ایسے تھے کہ فراموش کر دیتے.....''
اس کا جواب بھی لاجواب کرنے والا تھا۔
''ٹھیک کہتی ہو..... وہ اسٹک کے زور پر اٹھیں تھیں دوبارہ..... سامنے شفیعت آپا کا کمرہ ہے، آپ تو گھر ہی نہیں دیکھا پورا.....''
وہ گھر کی دیواروں پر لگی تصویروں سے آنکھیں چراتے ہوئے کھڑی تھیں.....
''میں خود دیکھ لیتی ہوں گھر تمہارا..... لیکن میرے گھٹنوں میں دم نہیں.....'' وہ واپس کمرے کی ف جانے لگی تھیں..... وہ کباب پلیٹ میں رکھ کر انہیں دینے پیچھے گئی جب فون بجا تھا۔
اس نے اٹھایا تو رباعی کا تھا.....

وہ فون رکھ کر ان کی طرف آئی...... میں آپ کو بتانے آئی ہوں کہ مجھے اچانک جانا پڑ رہا ہے احرار کے گھر میں وہ میرا دوست ہے اصل میں اس کے ابا کا ...نہیں بلکہ اسی کا......اوہ نہیں، اس نے سوچا فی الحال بتانا نہیں چاہئے......

''بس مجھے جانا پڑے گا...... میں نے رئیس کی بیوی کو فون کر لیا ہے، وہ اسی گلی میں رہتی ہے، بس نکلتی ہوگی۔ وہ پہنچے تو میں نکلتی ہوں۔''

رشید کی بیوی آ گئی تھی کچھ وقت میں ہی تب تک اس نے بیگ میں ضروری اشیاء رکھیں۔

''تم نے کھانا نہیں کھایا پربھات میری وجہ سے میں سو گئی تھی۔''

''کوئی بات نہیں راستہ آدھے گھنٹے کا ہے میں کباب لے جا رہی ہوں کھا لوں گی...... آپ کھا لیجئے گا۔''

''اور تمہارے دوست؟''

''وہ آئیں گے تو انہیں ثمینہ کھانا دے دے گی۔''

''تمہارے دوست رات کے اس وقت آ جاتے ہیں؟'' انہیں اچانک خیال آیا تھا۔

''وہ اصل میں روبی وغیرہ ہے ناں۔ تو ان سے کوئی اجنبیت تو ہے نہیں اس کے ساتھ کوئی بھائی ہوگا، اور کوئی کولیگ ہے میرا وغیرہ'' وہ جلدی جلدی میں بات بتاتے ہوئے کہنے لگی۔

''آپ نے بس کھانا کھانا ہے، جو جی چاہے۔''

''ثمینہ انہیں سوپ تو ضرور دینا ہے، دوا لینی ہے، ان کا خیال رکھنا بی جی کا، اور ساتھ ساتھ رہنا ہے، گھر بھی پورا دکھانا بی جی کو، سب کے کمرے، پیچھے والی بالکونی، آپ TV تو دیکھیں گی نہیں اگر دیکھیں تو بہل جائیں گی۔''

وہ جلدی جلدی میں نکلتے ہوئے کہنے لگی تو انہوں نے اچانک اشارے سے اسے پاس آنے کا کہا۔

وہ پرس میں موبائل ڈالتے ہوئے آگے بڑھی نا سمجھی سے وہ کچھ پڑھ رہی تھیں منہ ہی منہ میں۔ اس کے اوپر دم کیا اور اسے جانے کا اشارہ کیا۔

اس نے بے ساختگی سے ان کا ہاتھ تھام کر چوما اور نکل گئی کمرے سے، آج ایک عجیب سا احساس لئے وہ گھر سے نکل رہی تھی، جیسے پیچھے تحفظ کا کوئی احساس ہو، کہ کوئی ہے، جو گھر بیٹھا ہے، جس نے پڑھا ہے۔ جس کی دعا سے وہ خیریت سے نکلی ہے اور خیریت سے لوٹے گی، اس نے گاڑی میں بیٹھتے سارنگ کو میسج کیا، آخر انہوں نے بھی پہنچنا تھا، اور اسے میسج میں خاص تلقین کی کہ چیزل کو ضرور بتائیے۔



زید عالم پر لاکھ غصہ سہی، لیکن جب کوئی دنیا ہی چھوڑ جائے تو پھر کیا بیر، رباعی کی کانپتی آواز سے وہ دہل گئی تھی۔

''شاید کوئی دعا تھی کہ زبیر عالم مرا تو سہی لیکن بے مراد مرنے سے بچ گیا۔''

''زندگی کے کئی پیچ و خم ہوتے ہیں، کچھ بھی ہمارے ہاتھ میں نہیں ہوتا۔ میرا یہاں بیٹھنا میرے ہاتھ میں نہیں ہے، سارنگ میرا بیٹھنا میرے ہاتھ میں نہیں، میں مجبور ہوں، مجھے یہاں بیٹھنا ہے، میں تمہیں

بتانا چاہتی ہوں یہ بھی امتحان ہوتا ہے، مجھے اپنی زندگی کا یہ پرچہ کلیئر کر کے آگے بڑھ جانا تھا، مجھے اپنی زندگی میں کچھ کرنا تھا، کچھ نہیں کر سکی...... لیکن یہ آخری پرچہ تھا، زندگی گزر چکی ہے، سارنگ پُتر۔

''اب یہ ستائش میرا کیا بگاڑے گی، اب کچھ بچتا ہی نہیں ہے پُتر...... اب کچھ بھی نہیں بچتا......''

وہ باہر نکل آئیں تھیں، اس سے پہلے کہ سارنگ جاتا۔ وہ اس سے بات کرنا چاہتی تھیں۔

''آپ ہمارے ساتھ گھر چلیں......'' وہ روٹھے روٹھے انداز میں کہتا رہا۔

''میں نہیں جا سکتی...... میری زندگی کے کم دن بچے ہیں۔''

''میں نے بس پرچہ کلیئر کر کے نکلنا ہے یہاں سے......''

''میں نے بس نکلنا ہے۔ کچھ ہی دن ہیں۔''

''میں نے بس ہار ماننی تھی۔''

''میں نے بس جھکنا تھا۔ میں جھک گئی۔''

''ضد چھوڑنی تھی، چھوڑ دی...... سارنگ جیجی کہتی تھیں ہارنے میں مزا ہے......''

''میں عمر بھر ہارتی رہی......''

وہ کہتی تھیں ہارنے میں جیت ہے......

مجھے نہیں معلوم کہ جیت تھی یا نہیں......

لیکن سارنگ زندگی بس ایسی ہی ہے......

''انا کو مارنا پڑ جاتا ہے، تب جا کر پرچہ کلیر ہوتا ہے۔''

''انا کو نہ مارو تو پرچہ کلیئر نہیں ہوتا۔''

''آپ نہیں چلیں گی؟ یہ نہیں تھا کہ سارنگ پر ان کی بات کا اثر نہیں ہو رہا تھا، لیکن وہ چاہ رہا تھا کہ وہ ساتھ چلیں......

''سارنگ تو چلے گا، تو ایک دن چل گا۔''

''تو بس ہمت کر، تو چلے گا۔''

''اور خدا تجھے اولاد دے گا۔''

''تو بس خوش رہنے کی کر، تو خوش رہے گا۔''

''تجھے خوش رہنا ہے......''

''مجھے بس آخرت کرنے دے...... مجھ سے ناراض مت ہونا سارو...... پھپھی ماں سے خفا نہ ہونا......''

انہوں نے جھک کر اس کا ماتھا چوما......

''تو جا...... تیرے پیغام آنے والا ہے......''

''میرا بلاوا ہے...... میں جا رہی ہوں قبرستان ابا کی مزار کے پاس ورد کرتی ہوں، ان سے باتیں کرتی ہوں۔ سکون آتا ہے......''

''خاموشی کی بھی زبان ہوتی ہے، وہ بولتے ہیں، میں سنتی ہوں''

''بس اب کچھ نہیں......'' انہوں نے جیسے خود کو چپ کرایا کہ آگے کچھ نہیں کہنا۔
''آپ چلیں میں علاج کرواؤں...... میں علاج کرواؤں آپ کا......''
''سارنگ تو بھی چریا ہے۔'' وہ ہنس پڑیں۔
''تیرا پیغام آگیا ہے......''
''اس نے دیکھا روشن اسکرین پر پربھات کا پیغام تھا۔ کھول کر دیکھا۔
''کیا خبر ہے؟'' سنبیل کو فکر ہونے لگی جو اتنی دیر سے حواس باختگی سے بس سُکھاں کو سنے جا رہی تھی۔
''سُندس کے سسر کا انتقال ہے، ہمیں جانا پڑے گا......''
''اماں کو رستے سے لے لیتے ہیں۔'' کہنے کے بعد وہ متوجہ ہوا۔ اس نے ایسے دیکھا سکھاں کو جیسے آخری بار دیکھتا ہو وہ بھی ایسے دیکھنے لگیں جیسے آخری بار ہی دیکھ رہی ہوں۔
''آپ مجھے معاف کر دیں...... میں نے سکھ نہیں دیا آپ کو نہ ابا کو، نہ اماں کو......''
''نہ کر ایسا...... اماں کا خیال رکھنا......''
سارنگ نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دیکھا، پھر آنکھوں سے لگایا، پھر گال سے، اور پھر چوم لیا اور رو پڑا...... انہوں نے پھر سے ماتھا چوما، پھر سے سر تھپتھپایا، پھر سے دعا دی۔
''سارنگ تو اب چلے گا......''
''اب تو چلے گا...... وہ روتے ہوئے ہنسیں......''
''میں نہیں دیکھ سکوں گی، پر میں نے دیکھا ہے خواب میں، میں دیکھ رہی ہوں، تو چل رہا ہے...... تو چلے گا......''
سارنگ کو لگا جیسے کوئی جائے امان میں آگیا ہو، کمرے کے ساتھ منسلک کمرہ تھا۔



رشین کی بیوی نے لائٹ چلائی یہ کہہ کر کہ یہاں حبیب سائیں کے بت رکھے ہیں
''تو جا...... پانی لے آ میرے لئے، چاء (چائے) چڑھا......''
''جی......'' وہ فوراً کمرے سے گئی۔
یہ آگے بڑھیں، ایک دو تین بتیاں جلائیں۔
ہر طرف، ماربل، مٹی، اور لکڑی کے ذرات، منتشر اسٹولوں پر دھرے تھے...... ایک دو مجسمہ ٹوٹا پھوٹا، اک آدھ ادھورا......
اور سب کے درمیان ایک عورت کا مجسمہ مکمل ایستادہ وہ آگے بڑھیں، چنری اوڑھنے کا انداز تو سکھاں والا نہ تھا۔ آگے بڑھیں اور پھر دھک سے رہ گئیں۔
''یہ کون تھا''
ہو بہو...... آنکھیں، ناک، ہونٹ، ٹھوڑی، چہرہ، تاثرات سب وہی تھا۔
کیا قیامت تھی کہ وہ خود کے سامنے کھڑی تھیں۔ عنایت اسے بت بنانے دے......
''یہ بت بنا رہا ہے، یہ توڑے گا......''

''یہ ایک دن توڑے گا۔''
''بت ٹوٹنے کے لئے نہیں ہیں، یہ ایک روز ٹوٹ جائیں گے......''
''بت ٹوٹ جائیں گے ......''
''بت بنا کر توڑا جاتا ہے۔''
انہوں نے حیرانی سے یہ بُت دیکھا، بس چہرے پر جھریوں کا شائبہ تک نہ تھا......
یہ بت تھا......خود ان کا۔
بت بھی بولتے ہیں کیا، یہ تو بول رہا تھا......
باہر کھٹ پٹ ہوئی تھی شاید...... کسی کی آواز تھی۔ وہ نم آنکھوں اور حیران قدموں سے لڑکھڑاہٹ پر قابو پاتے ہوئے باہر آئیں، کمرہ کراس کر کے باہر نکلیں تو حیرانی کا جہاں تھا، وہ سامنے تھا بت بنانے والا لمحہ جیسے ساکت ہو گیا تھا۔
وقت نے جوانوں بڈھا کر دیا تھا......
وقت سر پر کھڑا تھا......
''پربھات نے بتایا تھا...... آپ کو میرے سامنے فرش پر تھوکنا تھا۔''
''فرش پر تھوکنے کا مطلب ہے، منہ پر تھوکنا......''
''میں سامنے...... ہوں، آپ تھوک دیں......'' وہ نعمان کا بازو تھامے کھڑا تھا۔
نعمان کا سر جھکا تھا۔ وہ نظر ان کی طرف نہیں اٹھا رہا تھا۔ تو تب سامنے آیا ہے حبیب شاہ۔
جب میری زمین نہیں ہے...... تیری ہے۔
''تیرے گھر کی زمین پر کھڑی ہوں، تجھ پر تھوکوں گی تو یہ گواہی دے گی......''
''معاف نہیں کرے گی''
''حویلی آنا...... تب تیرے سامنے...... تھوکوں گی، تھوکنا تو بنتا ہے حبیب شاہ......''
''جب تیری باری تھی، تب تو نے ایسا کیا تھا، تو نے تو نگلا نہیں، نگلے بغیر تھوکا۔''
''مجھ سے کوتاہی ہوئی...... نگل لیا......''
''عشق نگل لیا......''
''اب تھوکوں گی...... جب تو حویلی آئے گا......''
''تیری زمین پر نہیں تھوک سکتی...... جس پر بیٹھ کر کھایا ہے تیرا......''
''اب تو حویلی آ...... تو بات ہو گی......''
لرزتی ہوئی ٹانگوں، اور برستی ہوئی آواز کو گرفت میں لئے ہوئے آگے بڑھیں۔

آخری قسط اگلے ماہ

# محبت نہیں ہوئی

سونیا چوہدری

وہ دس دن پہلے ولی سے ناراض ہو کر اپنے میکے چلے گئی تھی، مگر ولی کو اس کی غیر موجودگی کا احساس اس قدر ستانے لگا تھا کہ اسے لگا وہ سالوں سے اس دور ہو۔

لیکن اخر کیوں؟؟؟

''آخر کیوں ہمیں کسی بھی چیز کی قدر اس وقت ہوتی ہے جب وہ ہم سے دور چلی جائے۔'' ولی نے آنکھیں موندے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے ہوئے سوچا تو دفعتاً وحشت کے احساس سے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''ولی احمد ابھی میں آپ کے پاس ہوں اسی لئے آپ میری قدر نہیں کرتے مگر آپ دیکھئے گا جب ایک دن میں آپ سے دور چلی جاؤں گی تو آپ کو میرا احساس ہوگا اور تب آپ دوڑے دوڑے میرے پاس چلے آئیں گے۔'' ناراضگی میں کہا گیا اقراء کا جملہ سوچوں سے نکل کر اس کی سماعتوں سے ٹکرایا تو ولی نے سر جھٹکتے ہوئے خود کو نارمل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے سامنے وال کلاک کی جانب دیکھا۔

رات کے دو بج چکے تھے اور وہ اب تک صرف اس کی یاد میں جاگ رہا تھا۔

''کیوں؟ ولی احمد کہیں تمہیں اس عورت سے محبت تو نہیں ہوگئی؟'' دل کے کسی کونے سے بہت ڈرتے ڈرتے یہ آواز باہر نکلی تھی۔

''محبت اور وہ بھی اقراء سے؟ بھلا میں اس سے محبت کیسے کر سکتا ہوں؟ میں تو ہمیشہ سے اس سے نفرت کرتا آیا ہوں، میں نے تو کبھی اک نظر ہمدردی کی بھی اس پر نہیں ڈالی تو مجھے اس سے محبت کیسے ہو سکتی ہے؟''

''محبت کیسے یا ایسے نہیں ہوتی ولی احمد، محبت تو بس محبت ہوتی ہے اور یہ ہو ہی جاتی ہے، کسی کو بھی...... کسی سے بھی۔'' اس نے سوچتے ہوئے آنکھیں موند لیں اور کروٹ بدلتے ہوئے سونے کی سعی کرنے لگا، لیکن شاید آج نیند بھی اس سے روٹھ کر کہیں چلی گئی تھی اور شاید اس کی آج کی رات کروٹیں بدلنے میں ہی گزرنے والی تھی۔

☆☆☆

آفس میں آج ایک ضروری میٹنگ تھی جس کے لئے ولی کو دس بجے آفس پہنچنا تھا، لیکن رات دیر سے سونے کی وجہ سے وہ جلدی بیدار نہ ہو پایا۔

اس نے مندی مندی آنکھوں سے گھڑی کی جانب دیکھا تو کرنٹ کھاتے ہوئے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا، ساڑھے نو ہونے والے تھے، وہ جلدی میں بیڈ سے اتر کر وارڈ روب کی جانب بڑھا اور اپنی مطلوبہ شرٹ ٹٹولنے لگا جو اس کو آج پہننی تھی، مگر وارڈ روب کی حالت اتنی بگڑی ہوئی تھی کہ بے ترتیب چیزیں دیکھ کر اب الجھنے لگا تھا، اقراء کی موجودگی میں ہر چیز اس کو وقت سے پہلے تیار ملتی تھی، غصے میں جو شرٹ اس کے ہاتھ لگی پکڑ کر وہ شاور لینے چلا گیا اور چند لمحوں میں شاور لے کر نکل آیا، وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے سے بال بنا کر ہٹا تو اپنی گھڑی اور والٹ تلاش کرنے لگا،



ولی اکثر آفس جانے سے پہلے اپنا والٹ گھڑی اور موبائل بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے اٹھاتا تھا لیکن آج وہاں والٹ تھا نہ گھڑی اور نہ ہی اس کا موبائل، اب تو آفس جانا بھی اس کو عذاب لگنے لگا تھا، اس نے مختلف جگہوں سے اپنی مطلوبہ چیزیں تلاش کی اور بنا ناشتے کے ہی باہر پورچ میں چلا آیا، گاڑی کے قریب پہنچ کر اس کو یاد آیا کہ وہ گاڑی کی چابی تو ڈریسنگ ٹیبل پر ہی بھول آیا ہے، ولی نے جھنجھلاتے ہوئے اپنے قدم واپس کمرے کی جانب بڑھائے اور ڈریسنگ

ٹیبل سے چابی اٹھاتے ہوئے اس کی نظر وہاں پڑی ایک تصویر پر ٹھہر گئی، وہ ان دونوں کی شادی کی تصویر تھی، جس میں اقراء نازک پری کی مانند نظریں جھکائے ہلکی سی مسکان لبوں پر سجائے ولی کے ہمراہ کھڑی بے حد مطمئن سی لگ رہی تھی، مگر ولی...... ولی کے چہرے پر تو خفگی غصہ، اکتاہٹ ہر طرح کے آثار صاف نمایاں تھے۔

آخر کیوں وہ اقراء سے گریز کرتا تھا؟ محض اس لئے کہ وہ اس کے والدین کی پسند تھی؟ نہیں بلکہ اس لئے کے اس کو ہر عورت سے ہی نفرت ہو چکی تھی، صرف اور صرف ایک عورت کی وجہ سے، جس سے کبھی وہ بے حد محبت کرتا تھا، جس کو وہ بہت چاہتا تھا اور وہی عورت اس کو دھوکہ دے کر کسی اور کے ہمراہ چل دی تھی، لیکن ان سب میں اقراء کا کیا قصور تھا؟ اس نے اب تک اقراء کو کیوں اس کے تمام حقوق و فرائض سے محروم رکھا ہوا تھا، وہ تصویر کی جانب بغور دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا، جب موبائل پر آنے والی کال نے اس کو خیالوں سے حقیقت کی دنیا میں واپس آنے میں مدد کی تھی، اس نے فون کان سے لگایا تو اس کے پی اے کی کال تھی، ولی نے دس منٹ میں آفس پہنچنے کی اطلاع دیتے ہوئے فون آف دیا اور واپس ایک نظر تصویر کو دیکھ کر آفس کے لئے روانہ ہو گیا۔

☆☆☆

''اقراء تمہیں ایسے گھر چھوڑ کر نہیں آنا چاہیے تھا، تم تو اب تک ولی کی نیچر سے واقف ہو چکی ہو نا کہ وہ کیسا ہے اور اگر وہ تمہیں لینے نہیں آئے گا تو کیا تم کبھی واپس نہیں جاؤ گی؟'' اقراء کی بہن ایمل نے فکر مندی سے پوچھا۔

''وہ آئے گا ایمل، وہ ضرور آئے گا، ایسا میں نہیں میرا دل کہتا ہے اور دل کبھی جھوٹ نہیں بولتا، لیکن ایک بات تو طے ہے ایمل، اب جب تک وہ اپنی مرضی اور خوشی سے مجھے لینے نہیں آئے گا میں بھی نہیں جاؤں گی۔'' اقراء کے لہجے میں یقین کے ساتھ سنجیدگی بھی تھی۔

''لیکن تم ایک بار اسے کال تو کرلو؟'' ایمل نے التجائی انداز میں کہا۔

''کیوں؟ میں کیوں کروں کال؟ کیا اس کے پاس میرا نمبر نہیں ہے؟ کیا اس کو میری ضرورت نہیں ہے؟ ایمل پچھلے ایک سال سے میں ہی ہر کام میں پہل کرتی آئی ہوں، مگر اب مجھے لگتا ہے اگر میں مزید خاموش رہی اور اس کو اپنے رشتے کا احساس نہ کروایا تو وہ کبھی بھی میری کمی کو میری ضرورت کو میری اہمیت کو محسوس نہیں کر پائے گا اور میں بہتر جانتی ہوں کے میں نے اپنے شوہر کو اب کیسے اپنا احساس کروانا ہے، چار دن اور گھر کے معاملات سنبھالنے پڑیں گے تو یاد میں ہی آؤں گی۔'' اقراء نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا ایمل کو بھی جبراً مسکرانا پڑا، وہ بس اپنی بہن کو ہر حال میں خوش دیکھنا چاہتی تھی۔

☆☆☆

اقراء نے ولی سے فرمائش کی تھی کہ وہ اس کو آئس کریم کھلانے کہیں باہر لے کر جائے تو ولی نے اقراء کو دسمبر کی سردی کا احساس دلانے کے بجائے کہ وہ اتنی سردی میں آئس کریم کھائے گی تو بیمار بھی ہو سکتی ہے، اس کو اتنا ڈانٹا کہ وہ اپنی الٹی سیدھی فرمائشیں لے کر اس کے پاس نہ آیا کرے اور اگر اس کا زیادہ کچھ کھانے پینے کا دل چاہے تو اکیلی ہی چلی جایا کرے، مگر اس کو تنگ مت کیا کرے۔

اس دن اقراء اس کی ڈانٹ کے بعد پوری رات روتی رہی تھی اور وہ سکون کی نیند سویا ہوا تھا، تب ہی اقراء نے سوچا کہ وہ اپنے والدین کے

گھر چلی جائے گی اور اب کبھی واپس نہیں آئے گی، جب کسی کو یہاں اس کی ضرورت ہی نہیں کوئی فکر ہی نہیں تو واپس آ کر کرے گی بھی کیا۔
اگلی صبح اس نے ولی کو اپنے جانے کی اطلاع دی تو وہ نہ حیران ہوا اور نہ ہی پریشان، ولی نے اس کو روکنے کی بھی کوشش نہیں کی تھی اور وہ اداس سی ایک نگاہ اس کے سنجیدہ چہرے پر ڈال کر چلی آئی۔

☆☆☆

میٹنگ کے بعد وہ آفتاب کے ہمراہ اس کے بہت زور دینے پر کافی بار چلا آیا، وہ دونوں کونے میں کھڑکی کے قریب لگے ٹیبل پر چلے آئے۔
آفتاب کرسی کھسکا کر ولی کے سامنے آ بیٹھا، آفتاب نے ویٹر کو ہاتھ کی انگلی کے اشارے سے دو کپ کافی کا آرڈر دیا، تو چند ہی لمحوں میں ویٹر بھاپ اڑاتے کافی کے دو مگ ان کو پیش کر گیا۔
ولی کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا، یہ دسمبر کے آخری دنوں میں سے ایک دن تھا، وہ کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا جب آفتاب کے مخاطب کرنے پر اس کی جانب متوجہ ہوا۔
''کیا تم اب تک بھابھی کو واپس نہیں لے کر آئے؟'' آفتاب نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ اس نے نظریں چرا لیں اور چند ثانیے بعد کچھ کھوئے ہوئے سے انداز میں بولا۔
''اس کو واپس آنا تھا تو گئی ہی کیوں؟''
''کیونکہ وہ تمہاری اس بے رخی سے تنگ آ گئی ہوگی، آخر کوئی کب تک برداشت کرے گا ولی؟ وہ تم سے چاہتی ہی کیا ہے؟ صرف تمہاری محبت اور تھوڑی سی توجہ؟ جو کہ ان کا حق بھی ہے۔'' آفتاب نے ولی کو سمجھاتے ہوئے کہا، وہ دونوں بہت گہرے دوست تھے، آفتاب جانتا تھا ولی کا اقراء کے ساتھ اچھا رویہ نہیں ہے، اس لئے موقع ملتے ہی اس کو سمجھانے لگتا تھا۔
''عورت مرد سے صرف عزت اور محبت چاہتی ہے، لیکن تم نے تو نہ کبھی ان کو عزت دی ہے اور نہ ہی محبت، ان کا قصور کیا ہے یار؟'' آفتاب نے کافی کا مگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔
''مجھے نہیں پتہ اس کا کیا قصور ہے...... لیکن......''
''لیکن کیا؟ اگر تم نے یہی رویہ اختیار کرنا تھا تو تم شادی ہی مت کرتے جوگیوں کی طرح ہی اس بے وفا کی یاد میں اپنی ساری زندگی گزار لیتے، کم از کم اپنے ساتھ کسی بے گناہ کی زندگی تو برباد مت کرتے۔'' آفتاب عاجز آ گیا تھا اس کو سمجھاتے سمجھاتے۔
ولی نے گہری نظروں سے آفتاب کی جانب دیکھا اور خاموشی سے کافی کے گھونٹ حلق سے اتارنے لگا۔

☆☆☆

شال اوڑھے اداسی میں ڈوبی وہ تنہا بالکونی میں کھڑی ولی کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی، نہ جانے اس نے کچھ کھایا ہوگا کہ نہیں، وہ سونے سے پہلے کافی ضرور پیتا تھا پتہ نہیں وہ خود بناتا بھی ہوگا کہ نہیں یا بنا کافی کے ہی سو جاتا ہوگا، صبح آفس جاتے اس کو اپنا موبائل ڈھونڈنے میں مشکل تو نہیں ہوتی ہوگی کیونکہ ولی کی عادت تھی جہاں بھی بیٹھتا تھا موبائل وہیں رکھ کر بھول جاتا تھا، اداسی سے اس کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی، وہ شادی کے بعد پہلی بار اتنے دن تک اپنے والدین کے گھر رہی تھی، اس کو ولی سے محبت کے ساتھ اس کی عادت بھی ہو چکی تھی، سب کے سامنے وہ خود کو کیسے نارمل اور خوش رکھتی تھی یہ بس

وہی جانتی تھی، لیکن اتنے دن گزرنے کے بعد بھی جب ولی نے اس کی کوئی خبر نہیں لی تو وہ اندر ہی اندر ٹوٹ کر بکھرنے لگی تھی۔

☆☆☆

تھکا ہارا شام کو جب وہ آفس سے لوٹا تو جوتے اتار کر ٹی وی لاؤنج میں صوفے پر ہی نڈھال سا ہو کر گر گیا، اس نے پورے دن میں صرف ایک کپ کافی پی تھی وہ بھی آفتاب کے بہت کہنے پر، اب اس کو شدید بھوک کا احساس ہوا تو وہ اٹھ کر کچن میں چلا آیا، سینک میں رات کے کھانے والے برتن اب تک پڑے تھے، اس نے فریج کھول کر کچھ کھانے کے لئے ڈھونڈا مگر سب کچھ ختم ہو چکا تھا، گھر کی مالکن کے بغیر گھر بالکل بے ترتیب ہو چکا تھا۔

''عورت بے جان بنی اینٹوں کی عمارت میں جان ڈالتی ہے اور جس گھر میں عورت موجود نہ ہو وہ ایسا ہی ہوتا ہے، بے ترتیب، بکھرا اور ادھورا۔'' ولی نے اکتا کر فریج کا دروازہ زور سے بند کیا اور واپس لاؤنج میں چلا آیا، اس نے ٹیبل سے گاڑی کی چابی اٹھائی اور جیکٹ پہنتا ہوا گھر سے نکل گیا۔

کئی لمحے وہ یونہی سڑک پر گاڑی بھگاتا رہا، اس کو بھوک بھی لگی تھی لیکن کچھ کھانے کا دل بھی نہیں چاہ رہا تھا، سردیوں میں سورج جلد ہی غروب ہو جاتا ہے، ولی نے گاڑی سڑک کنارے کھڑی کی اور خود باہر نکل آیا، اس نے آسمان کی جانب نظریں اٹھائیں، آسمان بادلوں کی اوٹ میں چھپا ہوا تھا، ہوا سرد بوجھل اور نم ہو چکی تھی، کچھ دیر کھڑا رہنے کے بعد وہ واپس گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا، اس نے کچھ کھوئے کھوئے سے انداز میں چابی اگنیشن میں گھمائی اور گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اقراء کے گھر کی جانب روانہ ہو گیا۔

چند منٹوں کی ڈرائیونگ کے بعد وہ اقراء کے گھر کے سامنے تھا، گھر میں داخل ہوا تو اقراء کی امی سفینہ بیگم اور ایمل لونگ روم میں آتش دان کے قریب بیٹھے دسمبر کی سرد شام میں چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے، ولی نے آگے بڑھ کر انہیں سلام کیا تو سفینہ بیگم نے پرجوش انداز میں اس کی سلام کا جواب دیا اور اس کے استقبال میں کھڑی ہو گئیں، ان کے اتنی عزت دینے پر ولی آج پہلی بار اندر ہی اندر شرمندہ ہوا تھا، ان کی بیٹی کے ساتھ اتنی ناانصافی کرنے کے بعد بھی وہ اس کو کتنی عزت اور مان دیتی تھیں، یا پھر شاید اقراء نے ایمل کے علاوہ بھی کسی اور سے ولی کی بے رخی اور اس کے رویے کے بارے میں شیئر نہیں کیا تھا، اسی لئے اقراء کے والدین اس سے اتنے پرجوش انداز میں ملتے تھے۔

''آؤ بیٹھو بیٹا!'' سفینہ بیگم نے شائستگی سے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ صوفے پر براجمان ہو گیا۔

''ایمل جاؤ بیٹا ولی کے لئے چائے لے کر آؤ، اتنی سردی میں باہر سے آیا ہے۔'' سفینہ بیگم نے چائے پیتی ایمل سے کہا تو اس نے بغور ولی کو گھورا اور بنا کچھ کہے کچن کی جانب بڑھ گئی۔

''اور بتاؤ واپس کب آئے؟ اقراء بتا رہی تھی تم کام کے سلسلے میں شہر سے باہر گئے تھے۔'' سفینہ بیگم نے بتایا تو ولی نے دل ہی دل میں اقراء کی مخلصی کو سراہا کہ اس نے ناراضگی میں بھی ولی کا مان رکھا تھا۔

''جی بس آج ہی واپسی ہوئی ہے، تو اقراء کو لینے چلا آیا، کہاں ہے وہ؟'' ولی نے تلاشتی نظروں سے لاؤنج میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی اپنے کمرے میں

گئی تھی، میں ابھی بلاتی ہوں۔'' سفینہ بیگم اٹھ کر جانے لگی کہ اقراء ہاتھ میں چائے کے ساتھ تمام لوازمات کی ڈش تھامے داخل ہوئی، ایمل نے شاید اس کو ولی کے آنے کی خبر کر دی تھی، وہ ولی کی جانب دیکھے بغیر ڈش ٹیبل پر رکھ کر سلام کرتی ہوئی سامنے صوفے پر بیٹھ گئی، وہ ولی کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے موبائل کی جانب متوجہ ہو گئی، وہ جان بوجھ کر اس کو اگنور کر رہی تھی۔

''اقراء ولی تمہیں لینے آیا ہے، جاؤ بیٹا تیار ہو جاؤ۔'' سفینہ بیگم نے محبت سے مسکراتے ہوئے کہا تو اقراء نے ولی کی جانب دیکھا جو پہلے سے ہی اس کو دیکھ رہا تھا، اقراء کو اس کی حالت دیکھ کر تکلیف بھی ہوئی تھی لیکن وہ جان بوجھ کر اس کو چھوڑ کر آئی تھی کہ وہ اس کی کمی محسوس کرے، وہ ولی کو صرف اس کی زندگی میں اپنے ہونے کا احساس کروانا چاہتی تھی، جو کہ وہ کروا چکی تھی، ولی کی حالت اس کو بتا رہی تھی کہ اس نے یہ دن کیسے گزارے ہیں۔

بڑھی ہوئی شیو، بکھرے بال اور چہرے پر چھائی برسوں کی سی تھکاوٹ اس کی کیفیت بیان کر رہی تھی۔

اقراء بنا کچھ بولے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی جہاں ایمل پہلے سے موجود تھی، اقراء کے پاؤں مارے خوشی کے زمین پر نہیں پڑ رہے تھے، اس نے جھوم کر خوشی سے ایمل کو گلے سے لگا لیا تو ایمل بھی مطمئن سی ہو کر مسکرا دی۔

''آخر تمہارا پلان کامیاب ہو ہی گیا۔'' ایمل نے شرارت سے اس کو چھیڑتے ہوئے کہا تو وہ کھلکھلا اٹھی۔

''وہ تو ہونا ہی تھا، آخر ولی صاحب کب تک اپنی حسین بیوی سے دوری اختیار کر سکتے تھے۔'' اقراء نے ہنستے ہوئے کہا تو ایمل بلند آواز میں ہنسنے لگی۔

''اچھا اب ہنسنا بعد میں میرے ساتھ پہلے میرا سامان پیک کروانے میں مدد کرو۔'' اقراء نے بیگ میں اپنا ضروری سامان رکھتے ہوئے کہا، چند لمحوں بعد وہ دونوں واپس لاؤنج میں چلی آئیں۔

''چلیں؟'' اقراء نے سپاٹ لہجے میں ولی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو وہ بھی جانے کے لئے کھڑا ہو گیا۔

'دونوں سفینہ بیگم اور ایمل سے اجازت طلب کرتے ہوئے وہ گاڑی میں آ بیٹھے، ولی نے اب تک اس کو مخاطب نہیں کیا تھا تو اقراء نے بھی اس سے کوئی بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

کئی لمحے وہ خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا اور پھر اپنی انا ضد اور بے رخی کو ختم کرتے ہوئے آج پہلی بار وہ اس سے نرم لہجے میں مخاطب ہوا تھا۔

''کیسی ہو؟''

''آپ کے بغیر کیسی ہو سکتی ہوں؟'' اقراء نے سوال کے بدلے میں سوال کر ڈالا تو وہ چند ثانیے کے لئے خاموش ہو گیا۔

''تم مجھے چھوڑ کر کیوں چلی آئی تھی؟'' ولی نے نظریں سامنے سڑک پر جمائے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔

''تو آپ نے مجھے جانے سے روکا کیوں نہیں تھا؟'' اقراء نے تنک کر کہا۔

''تمہیں نہیں جانا چاہیے تھا۔'' ولی کے لہجے میں شکایت تھی۔

''آپ کو بھی جانے سے روکنا چاہیے تھا۔'' اقراء بھی شکوہ کرنا نہیں بھولی تھی۔

''معذرت چاہتا ہوں۔'' ولی نے بے بسی سے کہا۔

''آپ کی معذرت قبول کی جاتی ہے۔''

اقراء نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو ولی نے بریک لگا کر گاڑی روکی اور بنا کچھ کہے گاڑی سے اتر گیا، اقراء بھی نا سمجھی کے سے انداز میں اس کے ساتھ گاڑی سے اتری، باہر ہلکی ہلکی رم جھم برس رہی تھی، ہوا میں بے حد خنکی تھی۔

ولی سامنے ایک گلابوں کے اسٹال کی جانب بڑھ گیا اور ایک سرخ گلاب کا بکے خرید کر واپس اس کے قریب چلا آیا۔

رات جیسے جیسے ڈھلتی جا رہی تھی سردی کی شدت کا احساس بھی بڑھ رہا تھا، اقراء نے کندھوں سے سرکی ہوئی شال کو درست کرتے ہوئے سامنے کھڑے ولی کو دیکھا۔

''یہ گلاب تمہارے لئے، میں چاہتا ہوں اب ہمیشہ تمہاری زندگی کو ان پھولوں کی طرح مہکا دوں، اب کبھی تمہیں خود سے دور نہیں جانے دوں گا، تم نہیں جانتی اقراء یہ دس بارہ دن میں نے کس طرح گزارے ہیں، تم میری چھوٹی سے چھوٹی ضرورت کا خیال کیسے رکھتی تھی یہ مجھے تمہارے جانے کے بعد احساس ہوا، تم دور ہوتے ہوئے بھی بہت قریب تھی میرے، تمہارے بغیر گھر کے ساتھ میری زندگی بھی بے ترتیب ہونے لگی تھی، اس لئے میں تمہیں لینے چلا آیا کہ تم مجھے اور ہمارے گھر کو ترتیب دے سکو، تمہارا وجود میرے لئے میرے گھر کے لئے کتنا اہم ہے یہ میں اب جان پایا ہوں، میں نے تمہیں بہت ستایا ہے اقراء، پلیز مجھے معاف کر دو۔'' ولی اس کے روبرو کھڑا اپنے کیے کی معافی مانگ رہا تھا، اقراء کی آنکھوں میں نمی تھی اور لبوں پر مسکراہٹ، اقراء نے محبت سے ولی کا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر اس کی شرمندگی کو کم کرنا چاہا۔

ہلکی ہلکی رم جھم دفعتاً تیز بارش کی شکل اختیار کر گئی تو وہ دونوں گاڑی میں آ کر بیٹھ گئے۔

''ولی!'' اقراء نے مخصوص دھیمے لہجے میں اس کا نام پکارا، وہ گاڑی سے باہر تیز برستی بارش کو دیکھ رہا تھا۔

''ہوں۔''

''آپ تو واقعی ہی میرے بغیر بہت بے ترتیب ہو گئے ہیں اور اس کا ثبوت آپ کے موزے دے رہے ہیں، ایک جراب اور تو دوسری اور ہے۔'' اقراء نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے معصوم سی شکل بناتے ہوئے کہا، وہ جب گھر میں لاؤنج میں صوفے پر بیٹھا تھا اقراء نے اس وقت ہی اس کے پاؤں میں الگ الگ موزے دیکھ لئے، لیکن اس وقت وہ بمشکل اپنی ہنسی پر قابو پا سکی تھی، اقراء کے بتانے پر ولی نے بے اختیار اپنے پاؤں میں پہنی جرابوں کو دیکھا، ولی کا جاندار قہقہہ گاڑی میں گونجا تھا۔

''یار بس دیکھ لو ثبوت بھی میں ساتھ لے کر آیا تھا کہ میں کس قدر بے ترتیب ہو گیا ہوں۔'' ولی نے بمشکل اپنی ہنسی روکتے ہوئے کہا۔

''اور اس وقت تم جوتوں جرابوں پر نہیں بلکہ مجھ پر توجہ دو۔''

''اس لمحے صرف تم میں اور یہ حسین بھیگا دسمبر اہم ہے۔'' ولی نے محبت سے کہا تو اقراء نے مسکراتے ہوئے اس کی جانب دیکھا اور ولی نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے گھر کے راستے پر ڈال دی، دونوں کی زندگی ایک دوسرے کے ساتھ پا کر مکمل ہو گئی تھی اور اس بھیگے دسمبر نے ان دونوں کے ان لمحوں کو چار چاند لگا دیئے تھے۔

☆☆☆

# محبت

اقرا الیاس



مجھے لگتا ہے میرے اندر محبت کے جذبے کی طغیانی اس قدر ہے کہ میرے اندر کا شور باہر امڈنے لگا ہے اب محبت کا اظہار ضروری ہے میں محبت کا اظہار کرنا چاہتا ہوں، میری جھکی آنکھوں میں اس قدر جگنوؤں سی روشنی تھی کہ میں نظر اٹھاتا تو وہ مقابل کو لپک پڑتی۔ میری محبت اپنی جنگ خود جیت لیتی لیکن میرے سر اٹھانے پر میرا اخذ کردہ تصوراتی منظر پلٹ چکا تھا۔ اس کا کچھ دیر پہلے کا ہنستا مسکراتا چہرہ پل بھر میں متغیر ہوا۔

یونیورسٹی کے عقبی لان میں زرد آنچل دونوں کندھوں پر پھیلائے وہ غیر شناسا سی نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔ میں بہت دیر منتظر رہا۔

کیا محبت کا ہو جانا اتنا آسان ہوتا ہے؟ خاموشی کی دبیز سی چادر کے بعد اس کی چانک سے مضطربانہ سی آواز ابھری تو میں اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہی چونک اٹھا پلکیں ذرا سی جھپک کر میں حیرت زدہ سا ہوا مجھے لگا اس کا جواب کون ہے؟ سے شروع ہو کر کہاں ہے؟ پر آکر ختم ہوگا تو میں ایک ہی لفظ ''تم'' پر آکر ساری وضاحتیں ایک طرف لپیٹ کر رکھ دونگا۔ مگر اس کے ہاتھوں کی واضح ہوتی کپکپاہٹ اور چہرے کی زردی مخفی نہ تھی وہ صنف نازک پہلے ہی میرے اندر کی تبدیلی کو سمجھ چکی تھی۔ میری ادھم مچاتی محبت نے اس کے دل کو زیادہ نہیں تھوڑا سا تو جھگو ڈالا تھا مگر میں سمجھ نہیں پایا، آیا کہ وہ مجھے جواب دے رہی ہے یا مجھ سے سوال کر رہی ہے۔ اب ہوا یوں کہ خاموشی نے دونوں جانب ڈیرا جما لیا اس سارے عرصے میں وہ نارمل ہوتی چہرے کے اطراف میں بکھرے بالوں کو بڑی بے دردی سے کان کے پیچھے اڑستی سامنے سبز گھاس پر پڑی ٹرے میں رکھا جمی تہہ والا نیم گرم سا چائے کا کپ اٹھا چکی تھی۔ فری پیریڈ میں یہ چائے کا کپ ہمارا روز کا معمول تھا جس کا لطف لیتے ہم دونوں دنیا بھر کے موضوعات پر بحث کرتے اور جیتنے میں بھی پہل کرتے مگر لفظ ''محبت'' پر آکر ہم دونوں کے الفاظ وقتی طور پر دم توڑ گئے۔ میں بہت دیر ذہن میں لفظوں کے تانے بانے بناتا رہا پھر انہیں جوڑتا تو ہمت بندھ سی جاتی آج میری ہمت نے ہی میرے خوف پر غلبہ پایا کہ ایک سال دو ماہ سے دل میں پنپتی محبت کا اظہار کر پایا۔

''ہاں محبت کا ہو جانا بہت آسان ہوتا ہے یہ کسی بھی وقت کسی سے بھی ہو جاتی ہے یہ محبت''

''کیا یہ محبت کہتی ہے کہ جو شخص آپ کے ساتھ کلاس میں ایک بنچ پر آپ کے ساتھ بیٹھتا ہے صبح یونیورسٹی کے گیٹ پر کھڑے ہو کر آپ کا انتظار کرتا ہے پھر فری پیریڈ میں یہاں اس جگہ بیٹھ کر آپ کے ساتھ چائے کا کپ پیتا ہے اور چھٹی کے بعد آپ کی گاڑی کے پاس کچھ دیر رک کر آپ کو خوش دلی سے الوداع کہتا ہے وہ آپ کا محبوب ہے؟'' میری بات کاٹ کر وہ اپنے الفاظ ادا کرتی خود ہی ان سے انجوائی کرتی، ہنس پڑی ہنستے ہنستے اس کے سفید چہرے کا رنگ سرخ قندھاری سا ہو گیا۔

مجھے یاد آیا جب میں نے اس پہلی بار دیکھا تو وہ یونہی ہنس رہی تھی۔ یونیورسٹی کے پہلے دن وہ سینئرز کی رگنگ سے بچتی میری طرح اپنی مدد آپ کے تحت کلاس تک پہنچی اور دیر تک ہنستی رہی کہ وہ سینئرز کو الو بنا چکی ہے۔ میں تیسری رو میں لگے بینچ پر اپنی کتابیں اور بیگ سیٹ کرتا بے اختیار سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔ میری طرح چند ایک اور لڑکے لڑکیوں نے اسے دیکھا مگر

میرے سوا سب کی نظریں پلٹ گئیں۔ وہ میرے ہی بینچ پر میرے ہی قریب کھڑی بڑے اعتماد سے ہنس رہی تھی۔ آسمانی رنگ کے کرتے اور سیاہ جینز میں گلے میں مفلر کی طرح دوپٹہ لپیٹے، سیاہ بالوں کو اونچی پونی میں جکڑے وہ مشرق مغرب کا امتزاج تھی۔ پہلے دن میں میرے ساتھ بنچ پر خاموشی سے کلاس لیتی رہی۔ دوسرے دن بھی خاموش ہی رہتی اگر بات چیت میں پہل میری طرف سے نہ ہوتی۔ پہلے دن ہی میں نے نگاہ ادھر ادھر دوڑائی تو سب ایک دوسرے سے گھل مل چکے تھے۔ سو مجھے بھی پوری کلاس سے کوئی نہ کوئی خطاب لینے کا شوق نہ تھا، میری طرح شہر کی اپر کلاس سے تعلق رکھنے کے باوجود اس میں ایک بات واضح تھی وہ سب سے ایک طرح ہنس کر محبت سے بات کرتی۔ یونی باتوں باتوں میں ہم دونوں کی دوستی کب پروان چڑھی میں نہیں جان پایا کیونکہ میرے اندر دوستی سے پہلے محبت کا پودا اپنی جگہ بنا چکا تھا۔ بہت دیر میں نے اس کی دل آزاری کا سوچ کر لفظوں کو قید کر رکھا مگر یونیورسٹی کا یہ آخری سال میرے لئے جان لیوا ثابت ہو رہا تھا۔ بہت دنوں سے وہ میری باتوں اور انداز کو نوٹ کرتی چونک جاتی پھر فوراً ہی سنبھل بھی جاتی تھی۔ شاید وہ چھپے لفظوں میں بھی محبت کا اظہار سمجھتی۔ لیکن انجان بن جاتی مجھے کھل کر اظہار محبت کرنے پر بھی اس نے مجبور کیا۔ مجھے شرمندہ کرتے دماغ کو دل نے ذرا سی تسلی دی ہاں اس کی ہنسی اور الفاظ نے مجھے شرمندہ کر ڈالا، پھر مجھے احساس ہوا کہ وہ میری محبت کا مذاق اڑا رہی ہے، مجھے مزید دلائل کی ضرورت ہے۔

دیکھو ہادیہ یہ سب محبت کے بعد کی باتیں ہیں ''میری'' محبت کے بعد کی جب میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا تو میرے دل نے گواہی دی کہ یہ لڑکی میرے لئے عام نہیں خاص ہے۔''

صارم عزیز جب تم نے پہلی بار مجھ سے بات کی تو تمہارا کردار، اخلاق اور انداز دیکھ کر میرے دل نے بھی گواہی دی کہ تم عام مردوں کی طرح نہیں ہو۔ میرے دل نے بھی گواہی دی مگر محبت اس سب میں کہی نہیں میں اپنے اور تمہارے لڑکے اور لڑکی کی دوستی کے تعلق کو غلط نہیں کہہ رہی جس کلاس سے ہم دونوں کا تعلق ہے میں غلط کہہ بھی نہیں سکتی۔ مگر ''محبت'' یہ سب میں افورڈ نہیں کر سکتی میری سوچ کی دنیا میں محبت جیسا پاکیزہ لفظ بہت بھیانک لگنے لگا۔ ہم ''محبت'' لفظ کو خوبصورت انداز میں ادا کرنے کا ہنر ہی جان پائے ہیں مگر ہم اس لفظ کو مستقل مزاج میں رہ کر نبھا نہیں پاتے ہماری نظر میں محبت کی تکمیل محبوب کو پالینا ہی نہیں ملا تو وہ اسی سے نفرت کی ایک چنگاری ہمارے دل میں پھوار سی ڈال دیتی۔ محبت نہ سہی نفرت تو رہ جائے ہم دل میں محبت کو نہیں سماتے انسان کو سماتے ہیں محبت کی غرض میں خود غرضی شامل ہو جاتی ہے۔ اب تم چاہتے ہو میں تمہارے اس ادا ہوئے لفظ ''محبت'' کی پذیرائی کروں۔ تمہارا ساتھ نبھانے کی قسمیں کھاؤں مجھے یہ تمہاری محبت کمزور کر دے اور میں دوسروں کی طرح دنیا کو بھلا دوں۔ عدیل نیازی کو جانتے ہو؟ ہماری کلاس کا بگڑا رئیس زادہ دن میں چھ لڑکیوں سے اظہار محبت کرتا ہے۔ مجھ سے بھی کرتا اگر میں اسے ذرا سی گھاس ڈال دیتی۔ میرے بہنوئی کی مثال لے لو شادی کرنے کیلئے میری بہن کے لئے خودکشی کر ڈالی اور اب اخباروں سے لیکر بزنس سرکل اور میری باوفا بہن کے آنسوؤں میں اس کے مختلف قسم کے سکینڈلز موجود ہیں۔ یہ محبت

کی کونسی قسم ہے، جو دوسروں کے دل کو نوچ لیتی ہے؟" سر دونوں ہاتھ میں چھپائے وہ نیچے جھکی آنسوؤں کو ہتھیلیوں سے رگڑنے لگی۔ پھر آنکھوں کو مسلنے لگی اسے اپنے ڈیپارٹمنٹ کی درجنوں لڑکیوں کے ٹوٹے دل کی آہ و بکا اور اپنی بہن کے آنسوؤں کا ذکر غمگین سا کر گیا۔ وہ اتنی ہی حساس دل تھی سب کا دکھ گویا خود پر لے لیتی۔ صارم عزیز کا دل بھی اس کی اس قدر تکلیف دہ باتوں سے دکھ سے دو چار ہوا مگر اس کے آنسوؤں اور سرخ آنکھوں نے اس کا دل پگھلا دیا۔ اسے دکھ ہوا وہ بہت سے لوگوں سے اس کی محبت سمیت اسے بھی ملا رہی تھی مگر صارم عزیز تو اپنی محبت میں اپنی مثال آپ بننا چاہتا تھا۔

"تمہیں یقین کرنا چاہیے ہادیہ کہ میری محبت، میرے کردار، اخلاق اور انداز کی طرح خالص ہے اتنا عرصہ ایک دوسرے کے ساتھ چلتے تمہیں اندازہ ہو جانا چاہیے تھا۔ میں عدیل نیازی اور تمہارے بہنوئی کی طرح بالکل نہیں ہوں۔ مجھ میں اور ان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ فرق نہ ہوتا تو دوسرے ہی دن میری محبت کے بجائے میں خود تمہارے سامنے گھٹنے ٹیک دیتا مگر نہیں میں نے خود کو پرکھا کہ کوئی چار دن کی محبت کرنے والا دل تو نہیں۔ یقین کرو میں نے اپنے ہی دل کو پرکھا مگر جواب صرف تم ہی ٹھہری، تو آج میں نے نظریں جھکائے تم سے احترام سے اظہار محبت کیا میں چاہتا ہوں ہمارا یہ دو سال کا سفر پوری زندگی کے لئے لازم ٹھہر جائے۔ میں تم سے صرف ایک بار بات کر کے ماما پاپا کو تمہارے گھر بھیجنا چاہتا ہوں۔ مگر تم نے میری محبت کو غلط رنگ دیا مجھے اس بات کا ہمیشہ افسوس رہے گا۔ میرے دل میں مچلتا کُرلاتا ہوا شکوہ زبان پر پھسل آیا تو برگد کے بوڑھے پیڑ تلے بیٹھی وہ لڑکی یونیورسٹی کے چند ایک اسٹوڈنٹ کی موجودگی میں بھی نم نظروں سے مجھے دیکھنے لگی فری پیریڈ کے بعد دوسرا گزر کر تیسرا شروع ہو چکا تھا مگر ہم دونوں اپنی اپنی ذات میں الجھے رہے۔ دوسروں کے لئے مثال بننا بہت مشکل ہوتا ہے ہمیں ان راستوں میں سے الگ رستہ بنانا پڑتا ہے جہاں سب چل رہے ہوں اور ہمارے بنائے ہوئے اس ایک رستے پر سے ہمیں تنہا چلنا پڑتا ہے۔ ہمیں اپنے سوچنے کے انداز کو منفرد بنانا پڑتا ہے۔ رستہ پھر خود بخود طے ہو جاتا ہے۔ میں نے جب شعور کی دنیا میں قدم رکھا تو میرے اردگرد ناکام محبت کے قصے بکھرے پڑے تھے جس میں اظہار محبت کا حق ادا کر دیا جاتا مگر اسے نبھایا اپنے انداز سے جاتا ہے۔ ہم پانی خواہشات اور احساسات کو وقتی طور پر محبت کا نام دے دیتے ہیں اور ہماری خواہشات کا برتن ایسا ہے کہ بھرتا ہی نہیں۔ وقت بدلنے پر ہر چیز بدل جاتی ہے اور محبت تو بیچ راستے میں ہی رہ جاتی ہے مگر میں چاہتی ہوں میں محبت کو ساتھ لیکر چاہے نہ چلوں مگر میری منزل محبت ہو محبت نہ بھی ہو تو مجھے سمجھوتہ کرنے میں مشکل تو پیش نہ آئے۔ میں قدم پھونک پھونک کر رکھنے والی لڑکی نہیں جان پائی کہ کہاں مجھ سے بھول ہوئی کہ بات تمہارا دل دکھانے تک آن پہنچی۔ میں تم سے معذرت کرتے ہوئے کہتی ہوں کہ اپنی محبت کو میرے حصول کی تمنا کیلئے خود غرض مت بناؤ۔ رک جاؤ یا پلٹ جاؤ میری زندگی کا فیصلہ کل رات ہو چکا ہے۔ میرے پاپا کے دوست کا بیٹا جسے میں نام سے سوا ٹھیک سے ابھی نہیں جانتی یہ انگوٹھی ان کے نام کی ہے۔"

بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں وہ چمکتے نگینے

والی انگوٹھی میرے نظروں کے سامنے ہی تھی میرے دل کی چیخیں دباتی آہیں، سسکیوں سمیت بغاوت پر اتر آئی دل چاہا خاک سر پر ڈالے اپنا ہی چہرہ نوچ ڈالوں کہ صارم عزیز اس دنیا کی سب سے بڑی جنگ یونہی منٹوں میں ہار گیا مگر اس سوگوار سے حسن والی لڑکی کی مسکراہٹ نے مجھے باندھ سا دیا جس کا دل اس قدر سادہ تھا کہ ایک انجان شخص کے نام کی انگوٹھی انگلی میں سجائے دل سے مسکرا رہی تھی اور میرا دل وہی تھم سا گیا۔ محبت رکی ضرور مگر پلٹی نہیں۔ مجھے نارمل ہونے کے لیے بہت سا وقت چاہیے جس کے لیئے مجھے اس سے دور جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ مجھے اپنے کہے کے مطابق خود کے لیے مثال بننا تھا مجھے آنے والے سات آٹھ ماہ میں ویسے ہی اس کیس اتھ بتانے ہوں گے۔

جیسے گزرا ایک سال اور دو ماہ خاموش محبت سے انجان کہ اس نرم محبت سے گندھے دل والی لڑکی کو میں جتنا دکھا چکا تھا کافی ہے۔ مجھے ان چند منٹوں کا مداوا کیے اپنی اس دل کی بے چینی کو تھپک تھپک کر سولانا تھا۔ اس لڑکی کیلئے جواب پریشان سی انگلیاں چٹخاتی میرے بولنے کی منتظر تھی۔ میں کلائی میں بندھی گھڑی پر ایک نگاہ ڈالتا بری طرح چونک اٹھا۔

فری پیریڈ کو گزرے دو گھنٹے سے زائد کا وقت گزر چکا ہے۔ اور ہم باتوں کے شیڈائی، وقت کا احساس کرلینا چاہیے تھا'' میرے چہرے کے تاثرات یوں بگڑے جیسے ہم کچھ دیر پہلے بے فائدہ سی گفتگو کر چکے ہوں۔ میرے حلق میں ٹھہرے آنسوؤں نے واپس دل کا رستہ اختیار کیا تو میری محبت خود سے میری اس قدر بے وفائی پر بین کرتی سر اٹھانے تلی مگر وہ سیاہ آنکھوں والی لڑکی بغور میری طرف دیکھ رہی تھی جیسے پھر سے میرے اندر کے راز کو پڑھ سکے اور میں چاہ کر بھی مسکرا نہ سکا۔ کچھ دیر نظریں چرائے ادھر ادھر دیکھتے میں نے سامنے پڑا سرد سا چائے کا کپ اٹھانے پر مجبور ہوا اور کپ کو ایسے پکڑا جیسے زہر پینے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ میرا چہرہ بری

طرح بگڑ گیا۔ میرے لئے ایسے زاویے بنانے پر بھی وہ یک ٹک میری طرف دیکھتی رہی۔
کیا دیکھ رہی ہو؟ اب کی بار میں خاصا چڑ کر بولا تو وہ اپنی عادت کے مطابق مجھے چڑائے ہنس پڑی اور اتنا ہنسی کہ ہنسی کی وجہ سے آنکھوں کے کناروں پر آئے آنسو گالوں پر بہہ آئے اور میری آنکھوں نے بے یقین سے اس منظر کو بڑی دیر تک تکا۔ جب ایک کے بعد دوسرے اور پھر تیسرے آنسو کے بعد متواتر سے اس کی آنکھوں سے آنسو گرتے دیکھے وہ ہنسے ہوئے رو رہی تھی۔
وہ مجھ سے محبت نہ کرنے والی میری محبت کا غم خود پر لے رہی تھی۔ میرا دل اس کے نکلتے آنسوؤں سے کئی گنا زیادہ رو پڑا اور میں اپنے آنسوؤں پر بند باندھے بے بس سا ہوا تم بہت اچھے ہو صارم عزیز کبھی یہ مت سوچنا کہ ہادیہ ندیم نے کچھ پل کیل ئے تمہارا دل توڑا۔ مجھے ٹوٹے ہوئے دل کی آہ سے ڈر لگتا ہے۔ میرے ساتھ بیتے ہوئے وقت کی یادوں میں سے ان چندوں لمحوں کو یہی اس برگد کے درخت تلے چھوڑ جاؤ گے تو میرا دل یونہی ہمیشہ مطمئن رہے گا۔ ورنہ میرا دل مجھے پوری زندگی ملازمت کرتا رہے گا کہ میں نے ایک اچھے انسان کا دل دکھایا ایک دوبار تمہاری ماما سے میری ملاقات ہوئی تو انہوں نے اس مختصر سی ملاقاتوں میں اپنی بھتیجی ہانیہ دورانی کا ذکر بہت بار کیا اور میں ہانیہ درانی سے بھی ملی میری طرح پر اعتماد سی لڑکی کے چہرے پر تمہارے نام سے ایک چمک سی پھوٹی کہ میرا دل اسی لمحے اس معصوم سی لڑکی کے لئے دعا گو ہوا۔ شاید تمہاری ماما نے انہیں تمہارے نام سے کچھ امید دلائی ہو وہ محبت میں خوابوں کی متلاشی لڑکی اپنے سفر پر نکل چکی ہو۔ جس کی منزل صرف تم ہو میں تمہاری محبت کی پذیرائی کرتی اس کے ارمانوں کا قتل کئے بھی دل سے خوش نہیں رہ سکتی جبکہ میرے دل میں تمہارے لئے ایسی کوئی فیلنگز نہیں میں محبت کو ابزرو کرنے والی لڑکی وقت آنے پر محبت کو محبت کے طریقے سے نبھانا چاہتی ہوں۔'' وہ کچھ دیر پہلے میرے دل کو بری طرح نوچنے والی لڑکی اب بھی اپنے انہی لفظوں سے میرے زخموں پر مرہم رکھنے میں ہلکان ہوتی بھیگی آواز میں بولتی میرے دل کی ڈھارس بندھا رہی تھی۔ اور میں سر جھکائے چائے کے بھرے اس کپ کو گھورتے سوچ رہا تھا کیا ہے یہ لڑکی جو میرے درد کو خود میں سینچ رہی تھی۔ حالانکہ اس درد کی وجہ خود کی میری اپنی ہی ذات تھی اور مجھے خود ہی اس درد سے نکلنے کے لئے کوشش درکار تھی اور مجھے اس پر بھی ترس سا آیا،
تم بھی بہت اچھے ہو ہادیہ ندیم اور اچھے لوگوں کو ہمیشہ اچھے لفظوں میں یاد کیا جاتا ہے۔ اپنے چائے کے کپ کو ایک ہی گھونٹ میں ختم کیے اس کے روبرو کھڑے ہوتے میرے دل سمیت زبان نے بھی اس بات کا اعتراف کیا۔ اس کے تنگ چلتے کلاس کی جانب قدم بڑھاتے میں نے ذرا سا گردن موڑے اس برگد کے درخت اور نرم گھاس کو دیکھا جہاں میں محبت کو ان چند لمحوں سمیت یہی دفن کئے خود اس کی کسی بات پر ہمیشہ کی طرح مسکرا رہا تھا۔ مگر میری سوچ پھرے گرداب میں پھنس سی گئی، کیا میں اپنی دفن کی گئی اس محبت کو آسانی سے بھول پاؤں گا؟ اپنی سوچ کو وحشتوں کے کڑے پہروں سے نکالنے میں اب خود سے عہد باندھ رہا ہوں کہ میں اس اچھی لڑکی کو ہمیشہ اچھے لفظوں میں یاد رکھوں گا کیونکہ میرے دل میں دم توڑتی ہمیشہ کے لئے خاموشی اوڑتی محبت کا بھی آخری تقاضا یہی ہے۔



متفکر نسوانی آواز سنائی دی۔
"دیکھیں محترمہ! آپ جو کوئی بھی ہیں۔ آپ کی یہ دوست یہاں ندی کنارے مجھے بے ہوش پڑی ملی ہیں۔ شاید انہیں زہریلے کیڑے نے کاٹ لیا ہے۔"
"کیا..... کیڑے نے کاٹ لیا؟" فرینہ کے تو ہاتھوں کے توتے اڑ گئے تھے۔ فوراً اسٹاف کو مطلع کیا۔ پندرہ منٹ بعد دو تین ٹیچرز اور فرینہ گرتی پڑتی ایک وین میں آئیں اور ملیحہ کو لے گئیں۔ ملیحہ کو جب اٹھایا تو جنید کی نگاہیں زمین کو چھوتے اس کے لمبے بالوں پر تھیں۔

☆☆☆

رات ایک بجے کالج بس نے ملیحہ کو گھر کے گیٹ پہ ڈراپ کیا تھا۔ بنگلے کی ملازمین اپنے کوارٹرز میں جا چکے تھے صرف زینت بوا اس کے انتظار میں جاگ رہی تھیں۔ اسے دیکھتے ہی اٹھ کر اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔
"اوکے بوا! صبح تفصیل سے بات ہوگی۔ مجھے اس وقت سخت نیند آ رہی ہے۔" وہ نرمی سے کہتی اپنے بیڈروم میں آ گئی۔
اگلے دن گیارہ کے قریب اس کی آنکھ کھلی۔ فوراً اٹھ کر شاور لیا۔ اتنی دیر میں بوا اس کے لیے ناشتا لے آئیں۔ ناشتے کے دوران بوا نے کہا۔
"بہت کمزور لگ رہی ہیں اور بال بھی کتنے روکھے ہو گئے ہیں۔ میں ابھی آئل لگاتی ہوں، تم نے وہاں لگایا نہیں ہوگا۔ جو آئل میں لگاتی ہوں، وہ بالوں کے لیے بہت مفید ہے۔ ان کی نشوونما کرتا ہے۔ روکھے اور بے رونق بالوں کی چمک بڑھاتا ہے۔ میرا برسوں کا آزمایا ہوا ہے۔ پھر اب تو بٹیا رانی جلد ہی دلہن بھی بننے والی ہیں۔"
"بوا؟" وہ جھٹکے سے سیدھی ہو بیٹھی۔ "آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"
"ہاں بیٹا! آپ سیر کو گئی ہوئی تھیں، خالد میاں نے اپنے دوست کے بیٹے جنید نواز سے آپ کا رشتہ طے کر دیا۔"
"پاپا نے مجھ سے پوچھنا بھی گوارا نہیں کیا اور میرا رشتہ طے کر دیا؟"
"نہیں بٹیا! حتمی جواب تو آپ کی رائے لے کر ہی دیں گے نا۔"
پھر خالد میاں نے اس سے پوچھا تو اس نے کہہ دیا کہ جیسے آپ کی مرضی۔ گھر میں شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ بوا اس کے سر میں روز آئل لگاتیں کیونکہ جب سے وہ سفر سے لوٹی تھی، اس کے بال گرنے لگے تھے اور بے رونق ہو گئے تھے۔
پھر شادی کا دن بھی آ پہنچا اور وہ رخصت ہو کر جنید نواز کے گھر میں آ گئی۔ ساری رسومات کے بعد اسے کمرے میں لے جایا گیا۔ وہ بیڈ پر بیٹھی انتظار کر رہی تھی، جنید نواز کمرے میں داخل ہوا اور اس سے کہنے لگا۔
"ملیحہ! میں نے آپ کو دیکھا تو نہیں ہے لیکن سب آپ کی بہت تعریف کر رہے تھے۔ خاص کر آپ کے بالوں کی۔ مجھے ہمیشہ سے لمبے بال بہت فیسی نیٹ کرتے ہیں، شاید اسی لیے امی نے آپ کو پسند کیا۔ کیونکہ میں نے امی کو یہی کہا تھا کہ میری شادی جس لڑکی سے ہو، اس کے کم سے کم بال بہت خوب صورت اور لمبے ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے گھونگٹ اٹھایا تو ملیحہ کو دیکھ کر بے ساختہ بولا۔
"ارے آپ تو وہی ہیں جو کیڑے کے کاٹنے سے بے ہوش ہو گئی تھیں۔ آپ کے بالوں کی وجہ سے میں آپ کو بھول نہیں پایا تھا۔ ویسے کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کے بالوں کے لمبے، سلکی اور چمک دار ہونے کا کیا راز ہے؟"
"ڈابر آملہ ہیئر آئل۔" ملیحہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

☆☆☆

# زلفِ مشک بو

فرینہ اور ملیحہ بہترین دوست ہونے کے ساتھ کلاس فیلوز بھی تھیں۔ ان کا کالج کا ٹرپ چار دنوں کے لیے ناران، کاغان اور دیگر شمالی علاقہ جات کی سیر کے لیے آیا ہوا تھا۔

صبح ناشتے کے بعد ہی وہ دونوں فطری خوب صورتی سے لطف اندوز ہونے کے لیے نکل پڑیں حالانکہ ان کی ٹیچرز انہیں گروپس میں آؤٹنگ کا کہہ رہی تھیں۔ فرینہ اپنے موبائل کیمرہ میں کھٹا کھٹ اس کی اور اپنی درجنوں تصاویر لے چکی تھی۔ فرینہ کو ملیحہ کے لمبے اور گھنے، چمک دار بال بہت پسند تھے۔ اس نے دوستی بھی اس سے اس کے بالوں کی وجہ سے کی تھی۔ ابھی جو ارغوانی پھولوں کے جھنڈ پہ نظر پڑی تو اس کا بازو کھینچ لے کر لے گئی۔

”آؤ ملیحہ! ان پھولوں کے آگے ایک سیلفی لیں۔ تم ذرا اپنے بالوں کو کیچر سے آزاد کرلو، بہت خوب صورت پکس آئیں گی۔“

”نہیں، تم لو۔ کافی پکس لے چکی ہو۔“ وہ اپنا بازو چھڑاتی آگے بڑھ گئی۔ سامنے منظر پر نظر پڑی تو نظریں خیرہ ہوجانے والے انداز میں جم گئی تھیں۔ جابجا قدرتی حسن بکھرا پڑا تھا۔ مگر یہ نظارہ تو حد سے سوا تھا۔ شفاف چشمے کی تہ میں رنگ برنگی، خوب صورت مچھلیاں تیرتی پھر رہی تھیں۔ وہ ایک خواب کی سی کیفیت میں آگے بڑھتی گئی۔ نرم مخملیں گھاس پہ پاؤں رکھتے ہی تراوٹ کا گہرا احساس اس کے اندر تک اتر گیا تھا۔ اچانک اسے اپنے پیروں کے قریب سرسراہٹ سی محسوس ہوئی۔ اس نے جھک کر نیچے دیکھا۔ ایک سبز رنگ کا پتلا سا سانپ تھا جو اس کے پاؤں پہ کاٹ کر تیزی سے رینگتے ہوئے نکل گیا۔ درد کی ایک لہر اٹھی جس نے دیکھتے ہی دیکھتے اس کی ٹانگ پھر پورے جسم کا احاطہ کرلیا۔

☆☆☆

جنید کے دوست کئی دنوں سے اسے آؤٹنگ پہ نکلنے کا کہہ رہے تھے۔ مگر ہر بار کوئی نہ کوئی معروفیت اس کے آڑے آجاتی۔ ایسے میں وہ دوستوں کو کسی نہ کسی بہانے سے ٹالتا آیا تھا۔ اس بار وہ کسی کام سے کراچی آیا تو اس کے دوست شمالی علاقہ جات کی سیر کا ارادہ کیے بیٹھے تھے۔

”چل بھئی جنید! ہر بار کوئی نہ کوئی تیرا بہانہ چل جاتا ہے۔ مگر اب تجھے ہمارے نادرون ایریا چلنا ہی پڑے گا۔ گاؤں سے تو نکل ہی آیا ہے۔“ اس کے دوست احمد نے اس کی چوڑی پشت پر زور سے دھپ لگاتے ہوئے حکمیہ انداز میں کہا۔

ان کی محبت بھری دھونس میں اتنی طاقت تھی کہ وہ واپسی کا سفر ملتوی کر کے ان کے ہمراہ مرغزاروں میں چلا آیا۔

گلے میں ٹیلی اسکوپ ڈالے وہ ہر دلکش منظر کو اپنے موبائل کیمرے میں محفوظ کرتا جارہا تھا کہ ایک دم سے سامنے دکھائی دینے والے منظر نے اسے ٹھٹکا کر روک دیا تھا۔

ایک بیس سالہ دوشیزہ جس کے لمبے سیاہ کھلے بال تھے۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے بے ہوش ہوکر گر پڑی۔ وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ پایا تھا۔ وہ اس کے قریب پہنچا تو وہ اوندھے منہ بے ہوش گری پڑی تھی۔

”پتا نہیں کون ہے؟ فیملی کے ساتھ آئی ہے یا میری طرح دوستوں کے ساتھ چل پڑی ہے اور ایکا ایکی بے ہوش کیوں ہوئی ہے۔“ خود کلامی کرتے ہوئے اس نے ملیحہ کا جائزہ لیا۔ تو پاس ہی پڑے موبائل کی ٹون بجنے لگی۔

”ہیلو! ملیحہ تم کہاں چلی گئی ہو؟ میڈم کی کال آئی ہے، وہ ہمیں واپس بلارہی ہیں۔ لنچ ٹائم ہونے والا ہے۔“

اس کے او کے کرنے پر دوسری طرف سے ایک

# حاصل مطالعہ

تحریم محمود

## غیبت کا گناہ

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ غیبت کرنے والوں کی سخت سرزنش کرتے تھے غیبت اسے کہتے ہیں کہ کوئی کسی کا اس کی غیر موجودگی میں اس طرح تذکرہ کرے جو کہ اسے ناپسند ہو، ایک حدیث میں وضاحت اس طرح ہے۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غیبت کی حقیقت دریافت فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''تمہارا اپنے بھائی کا اس طرح تذکرہ کرنا جو اسے ناپسند ہو۔'' صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا۔

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر وہ بات اس میں موجود ہو تو کیا پھر بھی غیبت ہوگی۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''یہی تو غیبت ہے اور اگر وہ بات اس میں نہ پائی جائے تو پھر یہ بہتان ہوگا۔''

چنانچہ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کو ایک دفعہ ایک ضیافت میں مدعو کیا گیا آپ نے لوگوں سے کسی کی غیبت سنی تو فرمایا۔

''عجیب بات ہے کہ پہلے لوگ گوشت سے پہلے روٹی کھاتے ہیں، مگر یہاں دیکھتے ہیں کہ لوگ اپنے بھائی کی غیبت کر کے روٹی سے پہلے اس کا گوشت کھا رہے ہیں۔'' پھر آپ وہاں سے اٹھ گئے اور کھانا نہ کھایا۔

شگفتہ رحیم، فیصل آباد

## محبوب عمل

حضرت موسیٰ علیہ السلام، کلیم اللہ تھے، انہیں اس دنیا میں اللہ تعالیٰ سے شرف ہم کلامی حاصل تھا، ایک مرتبہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا۔

''اے میرے رب! تجھے میرا کون سا عمل زیادہ پسند ہے تاکہ وہ کام زیادہ کیا کروں۔'' اللہ کا ارشاد ہوا۔

''مجھے تیرا وہ عمل تمام کاموں سے زیادہ پسند آیا کہ جب بچپن میں تمہاری ماں تمہیں مارتی تو تم مار کھا کر پھر اسی طرف دوڑتے تھے۔''

(تذکرہ غوثیہ)

حمیرا رضا، ساہیوال

## کھانے کے متعلق بعض سنن طیبہ

- حضرت اسماء رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گرم کھانا لایا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو اس وقت تک ڈھانپ کر رکھتے جب تک اس کا جوش ختم نہ جاتا اور فرمایا۔
میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا کہ ''سرد کھانے میں عظیم برکت ہے۔''
(دارمی، مدارج النبوت)
- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانے کے بعد پانی نوش نہ فرماتے، کیونکہ مضر ہضم ہے، جب تک کھانا ہضم کے قریب نہ ہو پانی نہیں پینا چاہیے۔ (مدارج النبوت)

○ کھجور یا روٹی کا کوئی ٹکڑا کسی پاک جگہ پڑا ہوتا تو اس کو صاف کر کے کھا لیتے۔ (مسلم)

○ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانا کھاتے ہی سو جانے کو منع فرماتے (یہ دل ثقالت پیدا کرتا ہے)۔ (زاد المعاد)

○ کسی دوسرے کو کھانا دینا یا کسی سے کھانا لینا ہو تو داہنا ہاتھ استعمال کرنا چاہیے۔ (ابن ماجہ)

ماریہ عثمان، سرگودھا

## پہلی کرن

☆ جس نے مخلوق سے کچھ مانگا وہ خالق کے دروازے سے اندھا ہے۔

☆ حیات کا دروازہ جب تک کھلا ہے غنیمت جانو، وہ جلد ہی تم پر بند کر دیا جائے گا اور نیکی کے کاموں کو جب تک تمہیں قدرت ہے، غنیمت سمجھو۔

☆ موت سے پہلے یاد خدا میں عزت ہے کیونکہ کاٹنے کے وقت اہل چلانا اور بیج بونا حماقت ہے۔

☆ سارے ملک کا بگاڑ ان تین گروہوں کے بگڑنے پر ہے، حکمران جب بے علم ہوں، عالم جب بے عمل ہوں اور فقیر جب بے توکل ہوں۔

☆ محبت کامل نہیں ہو سکتی، جب تک قربانی نہ دی جائے۔

☆ صادق وہ ہے کہ جب دیکھو تو ویسا ہی پاؤ کہ جیسے سنا تھا۔

☆ ہر بچے کی پیدائش اس بات کا پیغام ہے کہ اللہ ابھی انسان سے مایوس نہیں ہوا۔

ماروخ آصف، خانیوال

## ایک اور دانت

دندان ساز کی بیٹی نے اپنے محبوب سے پوچھا۔

''آج اچھا موقع تھا تم کلینک گئے تھے کیا آج بھی تم نے میرے پاپا سے رشتے کی بات نہیں کی؟'' نوجوان نے پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے جواب دیا۔

''نہیں! حسب معمول آج بھی میری ہمت جواب دے گئی اور میں ایک اور دانت نکلوا کر خاموشی سے واپس چلا آیا۔''

صائمہ ابراہیم، فیصل آباد

## ہری مرچیں

○ ہر عورت خوب صورت ہوتی ہے، سوائے گھر کی عورت کے۔

○ آپ سنیما دیکھ کر اتنے خوش نہیں ہو سکتے جتنا ایک عورت پڑوس کے گھر جھانک کر خوش ہوتی ہے۔

○ سمجھدار جج پہلے عورت کی عمر دریافت کرتے ہیں اور تب انہیں جا کر سچ بولنے کا حلف اٹھواتے ہیں۔

○ یاد رکھیے! ناجائز اخراجات ناجائز آمدنی ہی سے پورے ہو سکتے ہیں۔

○ اپنی نقدی کی حفاظت کرو، اصولوں کی حفاظت دیکھا جائے گا۔

○ عورت کے نزدیک سب سے حسین عورت وہ ہے، جو اسے آئینے کے سامنے دکھائی دے۔

○ خواتین فارغ اوقات میں بچوں کے سر سے جوئیں نکالتی ہیں بے شک جوئیں ہوں یا نہ ہوں۔

وفا عبدالرحمان، راولپنڈی

☆☆☆



بلقیس بھٹی

## وعدہ

میں ستارے توڑ کر لاؤں گا تیرے واسطے
اس کا وعدہ میرے جان و دل پہ ایسا چھا گیا
میں بہت خوش تھی مجھے اک چاہنے والا ملا
وہ ہمارے گھر ''ستارہ لان'' سے لے کر آ گیا
ثمرین زاہرہ، خان پور

## چل رہا ہے

ادھر ناکے پہ ناکہ چل رہا ہے
ادھر ڈاکے پہ ڈاکا چل رہا ہے
ادھر منصوبہ بندی کے ہیں چرچے
ادھر کاکے پہ کاکا چل رہا ہے
نمرہ سعید، اوکاڑہ

## مقام شکر

''کیا کبھی کسی نے تمہیں اپنے ہاں کام کاج یا کوئی ملازمت وغیرہ کرنے کی پیشکش کی۔'' ایک صاحب نے ایک پیشہ ور بھکاری سے پوچھا۔
''جی ہاں......صرف ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا تھا'' بھکاری نے ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا۔
''ورنہ لوگوں نے میرے ساتھ ہمیشہ ہمدردی اور محبت کا ہی سلوک کیا ہے۔''
طاہرہ رحمان، بہاولنگر

## رہنمائی

خمار زدگان کی ایک محفل سے ایک صاحب جانے کے لئے اٹھے تو میزبان انہیں چھوڑنے دروازے تک آیا، جب وہ صاحب لڑکھڑاتے ہوئے دروازے سے نکلنے لگے تو میزبان نے کہا۔
''جب تم فٹ پاتھ پر پہنچو گے تو تمہیں دو ٹیکسیاں نظر آئیں گی، جو تمہارے بالکل قریب ہو، اس میں بیٹھ جانا، اس کے برابر والی میں بیٹھنے کی کوشش نہ کرنا کیونکہ وہ وہاں موجود نہیں ہو گی۔''
عمرانہ علی، حاصل پور

## اف یہ عورتیں

ایک ریاضی دان کا کہنا ہے کہ مردوں کے مقابلے میں عورتیں ریاضی کی زیادہ ماہر ہوتی ہیں کیونکہ وہ اپنی عمر کو ہمیشہ دو سے تقسیم کرتی ہیں۔
اپنے لباس کی قیمت کو دو سے اور اپنے شوہر کی تنخواہ کو تین سے ضرب دیتی ہیں۔
وہ اپنی بہترین سہیلیوں کی عمروں میں پانچ سال جمع کرتی ہیں اور......اور......اور۔''
عظمیٰ جبین، لیہ

## ایک سے بڑھ کر ایک

ایک نوجوان کی چند دنوں کے بعد شادی ہونے والی تھی، اس کے قریبی دوست اسے مشورے دے رہے تھے کہ پہلے دن سے ہی بیوی پر رعب ڈالنا اگر بیوی سے ڈر گئے تو تمام عمر زن مریدی میں گزرے گی، ایک دوست نے ایک ترکیب بتائی کہ کمرے میں ایک عدد بلی چھوڑ دینا، نئی نویلی دلہن بلی سے خوفزدہ ہو گی اور تم بلی کو

مار کر دلہن پر رعب جمانا، بس سمجھو کہ پھر جیت تمہاری ہوگی۔

شادی والی رات نوجوان نے ایسا ہی کیا کہ کسی طرح ایک عدد بلی بیڈ روم تک پہنچا دی، جب وہ خود اندر جانے لگا تو پتا چلا کہ دروازہ بند ہے اور اندر سے دھم دھما دھم کی آوازیں آ رہی ہیں، کچھ دیر کے بعد دروازہ کھلا تو دلہن صاحبہ ایک ہاتھ میں ڈنڈا سنبھالے اور دوسرے ہاتھ میں بلی کو دم سے اٹھائے فرمانے لگیں۔

''ارے آپ! دیکھیں اس کم بخت نے مجھے بہت تنگ کیا، میں نے سوچا کہ آپ کے آنے سے پہلے اس کا کام تمام کرلوں۔''

وردہ منیر، لاہور

## بین الاقوامی کہاوتیں

- جہاں دو آدمی اکٹھے ہوں وہاں مت رکو۔ (پاکستانی کہاوت)
- سوئے ہوئے کتے کو سویا رہنے دو، بیدار ہوکر وہ یقیناً آپ پر بھونکے گا۔ (ترکش کہاوت)
- اگر تم خود ترقی نہیں کر سکتے تو دوسروں کو ترقی کرتے دیکھ کر آنکھیں بند مت کرو۔ (جرمن کہاوت)

### انتقال پرملال

ماہنامہ حنا کی سینئر مصنفہ شاہینہ مہتاب چندا گزشتہ ماہ قضائے الٰہی سے وفات پا گئی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون

ادارہ حنا شاہینہ چندا مہتاب کے لئے دعا گو ہے اللہ کریم ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند کر کے ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے۔ آمین!

قارئین سے دعائے مغفرت کی التماس ہے۔

## بیویات

امریکن بیوی: ہر لمحہ اس سوچ میں رہتی ہے کہ کب موجودہ شوہر سے طلاق لوں تا کہ اس طلاق کے نتیجے میں اچھی خاصی رقم اینٹھ سکوں، نیز وہ اس مسئلے پر بھی غور و فکر کرتی ہے کہ اگلے شوہر کے لئے کوئی تگڑی آسامی ڈھونڈوں تا کہ اس سے طلاق لے کر مزید رقم حاصل کرسکوں۔

برطانوی بیوی: یہ شوہر کو زیادہ اہمیت نہیں دیتی، اہمیت دیتی ہے تو اپنے نئے نئے بوائے فرینڈز کو، بلکہ اپنے شوہر کو بھی مشورہ دیتی ہے کہ وہ دو چار نئی گرل فرینڈز بنالے، آخر کار یہ شوہر سے علیحدگی اختیار کر لیتی ہے۔

برازیلین بیوی: شوہر کے آرام و سکون کا بہت خیال رکھتی ہے، اسی لئے وہ سر شام گھومنے پھرنے باہر نکل جاتی ہے، تا کہ اس کا شوہر آرام سے گھر میں بیٹھ کر فٹ بال کا میچ دیکھ سکے۔

جاپانی بیوی: اپنے شوہر کا اتنا ہی زیادہ خیال رکھتی ہے، جتنا زیادہ خیال وہ اپنے ڈیجیٹل کیمرے، نئی کار اور موبائل فون کا رکھتی ہے۔

چائنز بیوی: اپنے شوہر کو طرح طرح کے چائینز کھانے پکا کر کھلاتی ہے حالانکہ اس کا شوہر اس سے بہتر چائینز کھانے پکا سکتا ہے۔

افریقن بیوی: اپنے شوہر پر ہر وقت اپنے قبیلے کی دھاک بٹھانے کے لئے بہادری کے قصے سناتی ہے، نا صرف یہ بلکہ اپنے شوہر پر ان کا عملی مظاہرہ بھی کرتی ہے۔

پاکستانی بیوی: ایک عدد شوہر کے مل جانے پر اس سوچ میں غرق ہو جاتی ہے کہ بڑی مشکل سے ہاتھ آیا ہے شوہر نما نوکر، بچ کے جانے نہ پائے کہیں۔

حمضہ حماد، کراچی ☆☆☆



تسنیم طاہر

زاہدہ اظہر ---- حافظ آباد
پلک جھپکتے ہی دنیا اجاڑ دیتی ہے
وہ بستیاں جنہیں بستے زمانے لگتے ہیں
فراز ملتے ہیں غم بھی نصیب والوں کو
ہر اک کے ہاتھ کہاں یہ خزانے لگتے ہیں

............

خزاں میں چاک گریباں تھا میں بہار میں تو
مگر یہ فصل ستم آشنا کسی کی نہیں
میں آج زد پہ اگر ہوں تو خوش گمان نہ ہو
چراغ سب کے بجھیں گے ہوا کسی کی نہیں

............

کوچہ یار سے ہر فصل میں گزرے ہیں مگر
شاید اب جاں سے گزر جانے کا موسم آیا
فضہ بخاری ---- رحیم یار خان
تھا جنہیں زعم وہ دریا بھی مجھی میں ڈوبے
میں کہ صحرا نظر آتا تھا سمندر نکلا
شہر والوں کی محبت کا میں قائل ہوں مگر
میں نے جس ہاتھ کو چوما وہی خنجر نکلا

............

تھکا گیا ہے سفر اداسی کا
اور اب بھی ہے مرے شانے پر سر اداسی کا
میں تجھ سے کیسے کہوں یار مہرباں میرے
کہ تو علاج نہیں میری ہر اداسی کا

............

فراز اس شہر میں کس کو دکھاؤں زخم اپنے
یہاں تو ہر کوئی مجھ سا بدن پہنے ہوئے ہے
حنا زبیر احمد ---- بہاولپور
چلو کہ آج کوئی بچپن کا کھیل کھیلیں ہم
بڑی مدت ہوئی بے ساختہ ہنس کر نہیں دیکھا

............

میرے احساس کے زخموں نے جگایا مجھ کو
نیند تو ٹوٹی مری ، خواب تمہارے ٹوٹے

............

مجھے، سمیٹ سکو تو معجزہ ہو گا
بکھر گیا ہوں خلا میں وسعتوں کی طرح
اُم رباب ---- ساہیوال
کوئی کرتا ہی نہیں ذکر وفا داری کا
ان دنوں عشق میں آسانی ہی آسانی ہے

............

باہر تو کوئی دشمن جاں اپنا نہیں تھا
یارو بھلا ہمیں اندر کے خدوخال نے مارا
آئے جو نظر چہرے بظاہر تھے فروزاں
افسوس انہی چہروں کے افعال نے مارا

............

مرتے رہے ہم لوگ سدا وقت کے ہاتھوں
ماضی نے ہمیں مارا کبھی حال نے مارا
کچھ نقش سلامت ہیں جو دیتے ہیں گواہی
گزری ہوئی صدیوں کو مہ و سال نے مارا
نعیمہ بخاری ---- اٹک
ہم فقیروں کو برائی سے سروکار نہیں
ہم زمانے میں فرشتوں کی طرح رہتے ہیں
لوگ کہتے ہیں برا ہم کو تو حیرت کیا ہے
کہنے والے تو خدا کو بھی برا کہتے ہیں

............

یہ سوچ میں ڈوبا ہوا ٹھہرا ہوا انداز
جیسے کبھی آپس میں تعلق نہ رہا ہو
مجھ سے تو نہیں رکتے یہ بہتے ہوئے آنسو
کیا بات ہے کیا ہو گیا کیوں مجھ سے خفا ہو
شازیہ علی ---- جہلم

تنہائی سے باتیں کرتے شام گزاری ہے
لمحہ لمحہ جیتے مرتے شام گزاری ہے
وہ جانے کس گھر آنگن کی رونق بن بیٹھا
جس کی یاد میں آہیں بھرتے شام گزاری ہے

............

اے میری جان برسات کے موسم میں روٹھا نہ کر
موسم اور بھی بہت ہیں روٹھنے کے لئے

............

اگر آؤ تو عجب سا پتہ ہے میرا
دل سے لینا اجازت اور چل پڑنا
مدیحہ کرن ---- منڈی بہاؤالدین

تنہائی کا زہر پینا ہے مجھے
تجھے ماں یاد کرکے رونا ہے مجھے
دنیا کی باتیں جو میرے دل پہ گہرا زخم ہیں
کہ اس زخم کو بھی پینا ہے تجھے

............

تو جو رہتا نہ تھا کہ اک پل بھی میرے بغیر
مدت ہو گئی ہے اب تجھ سے ملے ہوئے

............

آنکھوں میں آنسو مٹتے نہیں
لوگ زخم لگانے سے باز آتے ہیں
نمرہ فاطمہ ---- میانوالی

ہوا مت مری گلیوں میں آیا کرو
آؤ تو اس کی خوشبو بھی لایا کرو
مت اتنا شور کر مت اتنا تیز چلو
اسے تو محسوس ہونے دیا کرو

............

تیرے حسن کے شعلوں سے جلتی ہوں مدتوں
پھر بھی تیرے قرب کی تلاش میں رہتی ہوں

............

اوراق پریشاں کے شعلوں کے دہکنے سے
چڑیوں کے چہکنے سے پھولوں کے مہکنے سے
ذہن کے گلستاں میں یہ بات ہے آئی
شاید کہ بادصبا نے لی ہے انگڑائی
رابعہ علی ---- فیصل آباد

تمام عمر تعلق سے منحرف رہے
تمام عمر اسی کو مگر بچایا ہے
ہر اعتراض پہ گہری خاموشی
یہی تو وصف مرے ہمسفر بچایا ہے

............

لہجہ تھکا تھکا ترا پلکیں جھکی جھکی تری
اتنی خفیف سی خوشی کتنی صعوبتوں کے بعد
خوشبو چراغ شاعری یہ ہدیہ تیرے نام ہوں
تو بھی نہ آ سکا اتنی نشانیوں کے بعد

............

ہم تو یوں اپنی زندگی سے ملے
اجنبی جیسے اجنبی سے ملے
ہر وفا ایک جرم ہو گویا
دوست کچھ ایسی بے رخی سے ملے
شازیہ رفیق ---- اسلام پورہ لاہور

تمام شب جہاں جلتا ہے ایک اداس دیا
ہوا کی راہ میں اک ایسا گھر بھی آتا ہے
وفا کی کون سی منزل پہ اس نے چھوڑا تھا
کہ وہ تو یاد ہمیں بھول کر بھی آتا ہے

............

تم نے پھر بھی زمانے کے چلن سیکھ لئے
میں تو کچھ بھی نہیں کر پایا محبت کے سوا

............

پیچ در پیچ سلسلے دل کے
مجھے تیری تجھے کس کی تلاش

............

سکون ملتا ہے رونے سے دل کو بھی آذر
شدید ہو کبھی موسم تو بارشیں مانگوں
ثمرین زاہرہ ---- خان پور

گفتگو کرنے کا کچھ اس میں ہنر ایسا تھا
وہ میری بات کا مفہوم بدل دیتا تھا

............

جنون میں ہوش کے سب سلسلے بھی ساتھ رکھتا ہے
وفا کرتا ہے لیکن فاصلے بھی ساتھ رکھتا ہے
کوئی آب و ہوا تو راس آئے گی کبھی اس کو
محبت کی ساری منطقیں بھی ساتھ رکھتا ہے

............

دھیان رکھنا ہر اک آہٹ پر
شاید ابھرے صدا کہیں اس کی
نمرہ سعید ---- اوکاڑہ

تیرے قریب رہ کر تجھے تلاش کروں
محبتوں میں میری بد حواسیاں نہ گئیں

............

اسے کہو بہت نامراد شے ہے جنوں
اسے کہو کہ مجھے ہے بہت جنوں اس کا

............

خواہشوں کی محرومیاں مت پوچھ میرے ہم نفس
کہ میری نس نس میں خوابوں کا زہر اترا ہے
طاہرہ رحمان ---- بہاولنگر

ہم ہی کریں کوئی صورت انہیں بلانے کی
سنا ہے ان کو تو عادت ہے بھول جانے کی
جفا کے ذکر پہ تم کیوں سنبھل کے بیٹھ گئے
تمہاری بات نہیں بات ہے زمانے کی

............

پانی پہ ہی ریت پہ تڑپی چنی گئی

بنتی رہی ہے دکھ کا بھی عنوان محبت
ہم نے پڑھے ہیں اتنے فسانے کہ بس
لگتا ہے ہر فسانے کی ہے جان محبت

............

رشتوں کو توڑنے میں ذرا احتیاط کرنا
رخ اپنا موڑنے میں ذرا احتیاط کرنا
ایسا نہ ہو کہ ایک دن پچھتاؤ ہر گھڑی
تم مجھ کو چھوڑنے میں ذرا احتیاط کرنا
عمرانہ علی ---- حاصل پور

اپنا آنچل سنبھال کر چلنا
چھیڑ خانی ہوا کی عادت ہے

............

دل کو تمہاری یاد کے آنسو عزیز تھے
دنیا کا کوئی درد سمونے نہیں دیا
ناصر یوں اس کی یاد چلی ہاتھ تھام کر
میلے میں اس جہاں کو کھونے نہیں دیا

............

جو لگ چکی ہے گرہ دل میں کھل نہیں سکتی
تو لاکھ ملتا رہے ہم سے دوستوں کی طرح
عظمیٰ جبیں ---- لیہ

مختصر لفظوں میں ہے اب یہ مزاج زندگی
رابطہ سب سے ہے مگر واسطہ نہیں

............

ہر چارہ گر کو چارہ گری سے گریز تھا
ورنہ ہمیں جو دکھ تھے بہت لادوا نہ تھے

............

وہ ریت کر کے میرے خواب کی زمینوں کو
میرے وجود میں دریا تلاش کرتا ہے
گنوا کے مجھ کو کسی عہد خوش گمانی میں
وہ شاید اب کوئی مجھ سا تلاش کرتا ہے

☆☆☆

# حنا کی ڈائری

صائمہ محمود

فاعزہ عبدالمنان: کی ڈائری سے ایک غزل

جو غم ملا جبیں کے شکن میں چھپا لیا
دل سی گداز چیز کو پتھر بنا لیا
جو آہ تھی شکستہ شمی ساتھ لے گئی
جو اشک تھا ہوائے سحر نے اڑا لیا
کاغذ کے پھول سر پہ سجا کر چلی حیات
نکلی برون شہر تو بارش نے آ لیا
اک میں ہی طہ ہمہ نہیں، تو بھی فریب ہے
اپنی ہی ذات سے ترا بھی پتا کیا
اک عمر جس کی مار پہ رہ کر بچے رہے
پہنچے تھے اوٹ میں کہ وہی تیر کھا لیا
ہم بھی شکست شوق پہ نالاں رہے مگر
دل نے آسمان ہی سر پہ اٹھا لیا
ہم نے کہ بخت خفتہ نہ جاگ اٹھے اے ظفر
معمورۂ ازل سے دل بے صدا لیا

عتیقہ منیر: کی ڈائری سے ایک نظم

بساط جاں پہ عذاب اترتے ہیں کس طرح
شب وروز دل پر عتاب اترتے ہیں کس طرح
کبھی عشق ہو تو پتا چلے
یہ جو لوگ سے ہیں چھپے ہوئے پس دوستاں
تو یہ کون ہیں؟
یہ جو لوگ سے ہیں چھپے ہوئے پس جسم وجاں
تو یہ کس لئے؟
یہ جو کان ہیں میرے آہٹوں پہ لگے ہوئے
تو یہ کیوں بھلا؟
یہ جو ہونٹ ہیں صف دوستاں میں سلے ہوئے
تو یہ کس لئے؟
یہ جو اضطراب رچا ہوا ہے وجود میں
تو یہ کیوں بھلا؟
یہ جو سنگ سا کوئی آ گرا ہے جمود میں
تو یہ کس لئے؟
یہ جو دل میں درد چڑھا ہوا ہے لطیف سا
تو یہ کب سے ہے؟
یہ جو پتلیوں میں ہے عکس کوئی خفیف سا
تو یہ کب سے ہے؟
یہ جو آنکھ میں کوئی برف سی ہے جمی ہوئی
تو یہ کس لئے؟
یہ جو دوستوں میں نئی نئی ہے کمی ہوئی
تو یہ کیوں بھلا؟
یہ جو لوگ پیچھے پڑے ہوئے ہیں فضول میں
انہیں کیا پتا، انہیں کیا خبر؟
کسی راہ کے کسی موڑ پر جو انہیں ذرا
کبھی عشق ہو تو پتا چلے

صائمہ سلیم: کی ڈائری سے احمد فراز کی غزل

وحشت تھی مگر چاک لبادہ بھی نہیں تھا
یوں زخم نمائی کا ارادہ بھی نہیں تھا
خلعت کے لئے قیمت جاں یوں بھی بہت تھی
پھر اتنا دلآویز لبادہ بھی نہیں تھا
ہم مرحبا کہتے ترے ہر تیر ستم پر
سچ یہ ہے کہ دل اتنا کشادہ بھی نہیں تھا
ہم خون میں نہلائے گئے تیری گلی میں
اور تو کہ سر بام ستارہ بھی نہیں تھا

یارو کوئی تدبیر کرو تم کہ وہ ہم سے
نا خوش تھا مگر اتنا زیادہ بھی نہیں تھا
آخر کو تو گل ہو گئے سورج سے مسافر
اور میں تو چراغ سر جادہ بھی نہیں تھا
پاگل ہو فراز آج جو رہ دیکھ رہے ہو
جب اس سے ملاقات کا وعدہ بھی نہیں تھا

نازیہ جمال: کی ڈائری سے نوشی گیلانی کی غزل

عذاب در بدری سے نکلنا چاہتے ہیں
اب اس کے خیمہ خوشبو میں رہنا چاہتے ہیں
صدائے گل کی طرح، موجۂ صبا کی طرح
تیری گلی سے کسی دن گزرنا چاہتے ہیں
تلاش رزق میں بھٹکی ہوئی تکان کے بعد
پرندے اپنے گھروں کو پلٹنا چاہتے ہیں
ہمیں نہ دیکھ زمانے کی گرد آنکھوں سے
تجھے خبر نہیں ہم تجھ کو کتنا چاہتے ہیں
وفا ہے شرط تو پھر اپنے درمیان اب بھی
یہ لوگ کس لئے دیوار رکھنا چاہتے ہیں
امیر شہر سلامت، مصاحبان سمیت
ہم اہل صبر اب ان سے مکرنا چاہتے ہیں

سمن رضا: کی ڈائری سے ایک غزل

لمحے لگتے ہیں دل دکھانے میں
وقت لگتا ہے پھر منانے میں
گھاؤ لفظوں کا پھر بھر نہیں سکتا
بات بنتی ہیں بنانے میں
گلشن دل کو تباہ مت کرنا
صدیاں لگ جائیں گی بنانے میں
فصل گل نے جو بے قرار کیا
ہم لگے گھر کو پھر سجانے میں
دم آخر تک منتظر تھا ولی
آپ نے دیر کر دی آنے میں

سمن رضا: کی ڈائری سے فیض احمد فیض کی نظم
''جو میرا تمہارا رشتہ ہے''

میں کیا لکھوں کہ جو میرا تمہارا رشتہ ہے
وہ عاشقی کی زبان میں کہیں بھی درج نہیں
لکھا گیا ہے بہت لطف وصل و درد فراق
مگر یہ کیفیت اپنی رقم نہیں ہے کہیں
یہ اپنا عشق ہے آغوش جس میں ہجر و وصال
یہ اپنا درد کہ ہے کب سے ہمدم مہ و سال
اس عشق خاص کو ہر ایک سے چھپائے ہوئے
گزر گیا ہے زمانہ گلے لگائے ہوئے

شاہین سلیم: کی ڈائری سے ایک غزل

گلے ملا نہ کبھی چاند بخت ایسا تھا
ہرا بھرا بدن اپنا درخت ایسا تھا
ستارے سسکیاں بھرتے تھے اوس روتی تھی
فسانۂ جگر لخت لخت ایسا تھا
یہ اور بات کہ وہ لب تھے پھول سے نازک
کوئی نہ سہہ سکے لہجہ کرخت ایسا تھا
کہاں کی سیر نہ کی تو سن تخیل پر
ہمیں تو یہ بھی سلیماں کے تخت ایسا تھا
ادھر سے گزرا تھا ملک سخن کا شہزادہ
کوئی نہ جان سکا ساز و رخت ایسا تھا

ایمن عزیز: کی ڈائری سے امجد اسلام امجد کی نظم

مجھے پتا ہے کہ ایک جگنو کے جاگنے سے
یہ تیرگی کی دبیز چادر نہیں ہٹے گی
مجھے خبر ہے کہ میری بے روٹکروں سے
فصیل دشت نہیں ہٹے گی
میں جانتا ہوں کہ میرا شعلہ چمک کے ذوق غبار ہوگا
تو بے خبر یہ دیار ہوگا
میں جانتا ہوں کہ میری کم تاب روشنی کی سحر نہ ہوگی
مگر میں پھر بھی

☆☆☆

# حنا کا دسترخوان

افراح طارق

## چائنیز سوپ

اشیاء

| | |
|---|---|
| چکن ثابت پیس | ایک عدد |
| گھی | آدھا کپ |
| دودھ | ایک کپ |
| پانی | حسب ضرورت |
| سویا ساس | دو کھانے کے چمچ |
| شلغم | ایک عدد |
| ٹینڈا | ایک عدد |
| پیاز سبز | چار عدد |
| ادرک | ایک پیس |
| لہسن | آدھی پوتھی |
| پیاز خشک | ایک عدد |
| سبز دھنیا | چند پتے |
| سیاہ مرچ پاؤڈر | آدھا چائے کا چمچہ |
| نمک | آدھا چائے کا چمچہ |
| میدہ | ایک چائے کا چمچہ |

ترکیب

ثابت مرغی کے چار ٹکڑے لے لیں، اسے دو لیٹر پانی میں ڈال کر پکائیں، اس میں ایک عدد خشک پیاز، چار ٹکڑے کر کے ڈال دیں، ثابت لہسن، ادرک کا ایک ٹکڑا، نمک اور سیاہ مرچ شامل کر دیں، اس کے ساتھ شلغم چار ٹکڑے کر کے ڈال دیں اور ایک گھنٹہ تک ان سب کو ابالیں، سوپ تیار ہو جائے تو گوشت کو نکال کر ایک ایک انچ چوڑے ٹکڑے کر لیں، سوپ میں شامل تمام اشیاء کو گرینڈ کر کے پیسٹ بنالیں اور سوپ کو چھان کر ایک بڑی ساس پین میں ڈال دیں اور دوبارہ دھیمی آنچ پر رکھ دیں، ٹینڈے کے اوپر سبز چھلکا اتار کر اندر سے گودا بھی نکال دیں اور اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیں، سبز پیاز کو بھی ایک ایک انچ برابر کاٹ لیں، گھی میں میدہ ڈال کر سرخ کریں، اس میں سبز پیاز، ٹینڈا اور گوشت کے سلائس ڈال کر فرائی کریں، ساتھ ہی سویا ساس بھی ملا دیں، سوپ ڈال کر چند منٹ تک تمام اشیاء کو ابال لیں، ابلتے ہوئے سوپ میں گرینڈ کیا ہوا آمیزہ بھی ملا دیں، سوپ تیار ہو جائے تو سبز دھنیا کاٹ کر چھڑک دیں اور نوش فرمائیں۔

## پوٹیٹو سوپ

اشیاء

| | |
|---|---|
| یخنی | آٹھ پیالی |
| آلو | ایک پاؤ |
| پیاز | دو عدد |
| لہسن | چھ پوتھی |
| ادرک | ایک ٹکڑا |
| نمک | آدھا کھانے کا چمچہ |
| سیاہ مرچ پاؤڈر | آدھا چائے کا چمچہ |
| گھی | آدھا کپ |
| میدہ | ایک کھانے کا چمچہ |
| سلاد کے پتے | آدھا کپ |
| دودھ | ایک پیالی |
| ڈبل روٹی | دو سلائس |

ترکیب

یخنی میں ایک عدد پیاز، لہسن، ادرک، نمک، مرچ اور ڈبل روٹی کے سلائس ڈال کر آدھا گھنٹہ تک ہلکی آنچ پر پکائیں۔ جب چھ پیالی پانی رہ جائے تو میدہ بھون کر ڈال دیں، پانچ منٹ بعد دودھ بھی ملا دیں، آلو کو ابال کر پیس کر پیسٹ بنالیں، یخنی میں اس پیسٹ کو ملا کر مکسچر میں مکس کریں اور دوبارہ چولہے پر اس آمیزے کو چند منٹ ابالیں، سوپ تیار ہو جائے تو سلاد کے پتے ملا کر پیش کریں۔

## گرین پیس سوپ

اشیاء

| | |
|---|---|
| مٹر تازہ دانے | ایک پیالی |
| یخنی کے لئے ہڈی | ایک کلو |
| گاجر | ایک عدد |
| شلغم | ایک عدد |
| پیاز | دو عدد |
| ادرک | ایک ٹکڑا |
| لہسن | چو پوتھی |
| آلو | ایک عدد |
| سبز دھنیا | چند پتے |
| میدہ | ایک کھانے کا چمچہ |
| گھی | آدھا کپ |
| پانی | دو لیٹر |
| دودھ | آدھا کپ |
| سیاہ مرچ، نمک | آدھا چائے کا چمچہ |
| سفید زیرہ | آدھا چائے کا چمچہ |
| دار چینی | ایک ٹکڑا |

ترکیب

مٹروں کے دانے ابال کر پیس لیں، میدہ اور دودھ کو الگ رکھ دیں، گوشت کی ہڈی کے ساتھ پیاز، ادرک، لہسن، دار چینی، نمک، مرچ، آلو، شلغم اور سبز دھنیا کاٹ کر ڈال دیں اور دو لیٹر پانی ملا کر پکائیں، دو گھنٹے بعد یخنی کو چھان لیں، ایک عدد پیاز کو گھی میں سرخ کریں اور اس میں دودھ اور میدے والا آمیزہ ڈال دیں، آخر میں پسے ہوئے مٹر ڈال کر مزید پندرہ منٹ تک پکائیں۔

## چائنیز سوپ

اشیاء

| | |
|---|---|
| چکن | آدھا کلو |
| کارن فلور | چار کھانے کے چمچ |
| پیاز باریک کٹی ہوئی | ایک عدد |
| انڈے صرف سفیدی | دو عدد |
| کالی مرچ پسی ہوئی | ایک چائے کا چمچہ |
| اجینو موتو | ایک کھانے کا چمچہ |
| ہری مرچ | دو عدد |
| سویا ساس | حسب ذائقہ |
| نمک | حسب ذائقہ |

ترکیب

چکن کے پیس اچھی طرح دھولیں، ایک ساس پین میں چکن، باریک کٹی ہوئی پیاز، سیاہ مرچ، نمک اور پانی ڈال کر یخنی تیار کریں، گوشت گل جائے تو یخنی چھان کر الگ نکال لیں، ابلی ہوئی بوٹیوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیں، ایک پیالی پانی میں کارن فلور کا آمیزہ اور چھوٹے چھوٹے گوشت کے ٹکڑے ڈال کر دھیمی آنچ پر چند منٹ تک پکائیں، جب سوپ آپ کی پسند کے مطابق گاڑھا ہو جائے تو انڈے کی سفیدی ملا دیں اور چمچہ سے سوپ میں خوب اچھی طرح مکس کریں، لیجیے سوپ تیار ہے۔

## چلی ساس بنانے کی ترکیب

اشیاء

| | |
|---|---|
| سرخ مرچ پسی ہوئی | دو کھانے کے چمچ |
| سرکہ | دو کھانے کے چمچ |

| | |
|---|---|
| نمک | ایک چائے کا چمچ |
| چینی | ایک کھانے کا چمچ |

ترکیب

سرخ مرچ کے پاؤڈر کو تھوڑے سے پانی اور سرکہ میں گاڑھا گھول کر اس میں چینی اور نمک ملا دیں اور ساس تیار کرلیں۔

## چکن کارن سوپ

اشیاء

| | |
|---|---|
| چکن (گوشت) | آدھا کلو |
| پیاز | ایک عدد |
| لہسن پسا ہوا | پانچ جوے |
| ادرک | آدھا کھانے کا چمچ |
| سرکہ | ایک کھانے کا چمچ |
| انڈے | دو عدد |
| مکئی کے دانے پسے ہوئے | ایک پیالی |
| کارن فلور | دو کھانے کے چمچ |
| سیاہ مرچ پاؤڈر | آدھا چائے کا چمچ |
| چینی | ڈھائی چائے کا چمچ |
| کوکنگ آئل | دو کھانے کے چمچ |
| نمک | حسب ذائقہ |

ترکیب

ساس پین میں دس کپ پانی ڈالیں اس میں چکن کی بوٹیاں، پیاز، لہسن، ادرک اور نمک ڈال کر چکن کو ابالیں یہاں تک کہ پانی چار کپ رہ جائے گوشت اور یخنی کو الگ الگ کرلیں اور گوشت کے ریشے بنالیں، ساس پین میں کوکنگ آئل ڈال کر گرم کریں اور مکئی کے پسے ہوئے دانے ڈال کر بھونیں پھر پانی ڈال کر کچھ دیر ان کو گلائیں مکئی کے دانے نرم پڑ جائیں تو یخنی، چینی، کالی مرچ اور گوشت کے ریشے ڈال کر دھیمی آنچ پر آدھا گھنٹہ تک پکائیں، کارن فلور کو ہلکا سا بھون کر شامل کر دیں، سوپ گاڑھا ہونے لگے تو انڈوں کی سفیدی پھینٹ کر ملا دیں، بہترین مزے دار سوپ تیار ہوگا۔

## چکن کارن سوپ اور چلی ساس

اشیاء

| | |
|---|---|
| چکن ابلا ہوا | آدھا کلو |
| یخنی | چار پیالی |
| مکئی کا دلیہ | آدھی پیالی |
| پیاز باریک کترلیں | ایک عدد |
| لہسن | آدھا چائے کا چمچ |
| ادرک | آدھا چائے کا چمچ |
| سرکہ | ایک کھانے کا چمچ |
| سویا سوس | ایک کھانے کا چمچ |
| پانی | چار کپ |
| مسٹرڈ پاؤڈر رائی | ایک چائے کا چمچ |
| کوکنگ آئل | دو کھانے کے چمچ |
| نمک | حسب ذائقہ |
| چلی ساس | حسب ضرورت |

ترکیب

گوشت جو آپ ابال چکی ہیں اور اس کی یخنی الگ کر چکی ہیں اس کے ریشے کرلیں کوکنگ آئل کو ساس پین میں گرم کریں اور اس میں باریک کترا ہوا پیاز مل لیں، خیال رکھیں کہ پیاز سرخ نہ ہونے پائے، اب اس میں مکئی کا دلیہ ڈال کر بھونیں ساتھ ہی لہسن، ادرک، سویا سوس، مسٹرڈ پاؤڈر، سرکہ اور نمک ڈال کر یخنی بھی ملا دیں اور پکنے دیں، پکتے ہوئے سوپ میں گوشت کے ریشے ڈال کر سوپ کو پیالوں میں انڈیل لیں اور چلی ساس شامل کر کے نوش کریں۔

☆☆☆

# کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

اسلام علیکم
آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں آپ سب کی صحت و سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ۔
کچھ دن گزریں گے کہ سال بھی ماضی کا حصہ بن جائے گا۔ اور ہم ایک نئے سال کے سورج کو خوش آمدید کہہ دیں گے نئی امید جوش اور نئے ولولے کے ساتھ!
یہ آتے جاتے سال خوشی اور غم کا احساس دل میں جگاتے ہیں جہاں زندگی کے ایک سال کم ہونے پر زیاں کا احساس وہیں نئے سال کی آمد پر مستقبل کے لئے نئی امیدیں اور نئے خواب!
دنیا بہت قدیم ہے، وقت کا سفر نہ جانے کب سے جاری ہے اور کب تک اس طرح جاری رہے گا، اس دنیا میں ہمارے پاس ایک مختصر سی زندگی ہے جس کی مدت بھی نہ معلوم ہے، زندگی کی یہ ٹرین نہ جانے کب کسی اسٹیشن پر رک جائے، لیکن یاد رہے یہ زندگی ہمارا اختتام نہیں ہے اس کے بعد ایک اور زندگی ہے، جو ہمیشہ رہنے والی ہے، جہاں ہمیں اپنے تمام اعمال کا حساب دینا ہے، چھوٹی سے چھوٹی نیکی اور برائی کو میزان پر تولا جائے گا، کامیاب وہی ہوگا، جس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا۔
سال کے اختتام پر اپنے گزرے سال پر نظر ڈالیں، کسی کے ساتھ کوئی زیادتی ہوگئی ہے، تو اس کی تلافی کریں، کوئی اپنا روٹھ گیا ہے تو اسے منا لیں، **کوئی غلطی کوتاہی ہوگئی ہے تو اس کو درست کرنے کی کوشش کریں، یہی سچی خوشی اور کامیابی** کا راستہ ہے، اس جہاں میں بھی اور اگلے جہاں میں بھی، اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا اور اپنا بہت سا خیال رکھیے گا اور ان کا بھی جو آپ سے محبت کرتے ہیں آپ کا خیال رکھتے ہیں۔
آئیے آپ کی خطوط کی محفل میں چلتے ہیں، ہمیشہ کی طرح، درود پاک، استغفار اور کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے، اللہ کریم ہم سب کے گناہوں کو درگزر فرمائے اور ہمارے لیے آسانیاں پیدا کرے آمین ثم آمین۔
یہ پہلا خط ہمیں ام خدیجہ کا کھاریاں سے موصول ہوا ہے وہ اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کر رہی ہیں۔
نومبر کا شمارہ خوبصورت سرورق کے ساتھ ملا ہمیشہ کی طرح حمد و نعت اور پیارے نبیؐ کی باتیں دل میں اُتر گئیں، سائنسدان کا قصہ ابن انشاء کی زبانی دلچسپ لگا۔ سب سے پہلے ہم نے ناولٹ والے حصہ کو کھولا اور ندا حسنین کے ناولٹ قربت ہجر میں محبت، کھو گئے، زبردست ندا آپ کے لکھنے کا انداز مجھے بے حد پسند ہے۔ شمع کی بے بسی پر دکھ اور حذیفہ کی والدہ کی سنگ دلی پر افسوس ہوا۔ شاہ وزیر جیسے فرعون کے سامنے شمع کی بہادری قابل رشک تھی۔ بالآخر شافع الدین کے اندر بھی بیٹی کی محبت جاگ گئی اگلی قسط کا انتظار ہے، اس کے بعد واپس پلٹے اور ام مریم کے ناول، اُمید صبح و جمال کو پڑھا، یہ ثنا نے کتنی اسٹوپڈ حرکت کی جب کہ وہ جانتی تھی کہ معیز اور آیت بچپن سے ایک دوسرے سے منسوب ہیں پھر بھی وہ معیز کو پانے کے خواب دیکھنے لگی۔ اور یہ حمدہ بیچاری کے ساتھ ام مریم آپ ایسا کیوں کر رہی ہیں وہ تو پہلے ہی مشکلات میں گھری ہوئی

مقام نہیں، ادھر صندلین پر پیپر کی حقیقت کھل گئی لیکن وہ بھی سیدھے راستے پر نہیں چلی ہمیں تو لگتا ہے اینڈ پر شیر خان ہی اس کا ہیرو ہوگا۔

اس ماہ کے شمارے میں ایک نیا نام علینہ قریشی کا دیکھا، تحریر نے بے ساختہ چونکا دیا اگر یہ کوئی نئی رائٹر ہیں تو بڑی منجھی ہوئی ہیں لکھنے کا انداز کہانی پر گرفت قابل تعریف ہے۔ یقیناً یہ حنا کے لئے خوبصورت اضافہ ہے، اللہ اللہ کر کے تحسین اختر لوٹیں حنا کے آنگن میں، ان کے ناول کا نام بڑا حسین تھا، محبت مار دیتی ہے، کہانی بھی بہترین رہی۔ تحسین صاحبہ اتنے طویل وقفے کے بعد لوٹی ہیں۔ تو خدارا اب غائب نہ ہو جایئے گا دوبارہ، فوزیہ سرور کا ناول جو کہ دو اقساط پر تھا کچھ خاص متاثر نہ کر سکا وہی گھسا پٹا فارمولا کہانی اسیر عشق، سدرۃ المنتہیٰ کا ناول اختتام کی طرف گامزن۔ سدرہ کی تحریر ہمیشہ کی طرح بہترین تھیں، بس ان کی تحریر اگر ہلکی پھلکی مزاح اور نوک جھونک بھی ہو تو کہانی مزید اچھی ہو جاتی، اللہ کرے کہ پربھات کو چیزل مل جائے، نائلہ بھٹی نے بھی اچھی کوشش کی، ذارا ہنجرا اور اقرا الیاس کے افسانے بھی بہترین تھے، مستقل سلسلے ہمیشہ کی طرح پسند آئے کس قیامت یہ نامے ہیں۔ فوزیہ آپی اتنے کم خطوط کیوں پلیز اس سلسلے کے صفحات بڑھا دیں اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کے تبصرے شائع کیا کریں۔

اُم خدیجہ انس محفل میں خوش آمدید نومبر کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی تجویز نوٹ کر لی ہے انشاء اس پر عمل کریں گے اپنی قیمتی رائے سے نوازتی رہیے گا۔ شکریہ!

اقراء الیاس لاہور سے لکھتی ہیں

حنا کا شمارہ پانچ چھ تاریخ بعد کے بجائے دوسرے دن ہی مل گیا، ٹائٹل آج کل شادیوں کے موسم کی مناسبت سے تھا۔ ''کچھ باتیں ہماریاں'' آج کل حزب اختلاف زیادہ اور عوام کی آہ و بکاہ پر لکھا تھا، اس ماہ نائلہ بھٹی کا ناول پڑھ کر ایسا لگا پہلے بھی ایسا ہی کوئی ناول پڑھ چکی ہوں، بعض اوقات ایسا ہوتا ہے تاکہ موضوع ایک ہوتا ہے مگر ہر رائٹر اسے اپنے انداز اور سوچ و بچار سے اسے الگ ہی انداز سے تخلیق کرتی ہے ''فوزیہ سرور'' آپ نے اپنے مخصوص انداز گھریلو اختلاف پر ہی لکھا مگر پہلے سے بڑھ کر لکھا، سچ میں دنیا مکافات عمل ہے، میں اس بات پر یقین رکھتی ہوں ''اسیر عشق'' ابھی تو الجھے ہوئے کرداروں کو سمجھ ہی نہیں پائی کہ ناول کا اختتام ہونے جارہا ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ آپ کے الفاظ سحر انگیز سے ہیں عشق کی داستانوں پر پورے اترتے آپ کو اس ناول کا سفر ابھی جاری رکھنا چاہیے تھا اور یہ کیا افسانے صرف دو ہی تھے میرا افسانہ آپ نے فہرست میں ناولٹ میں لکھ دیا۔ زارا ہنجرا آپ نے بہترین افسانہ لکھا کس قیامت کے نامے تمام قارئین بہنیں پرانی کہیں بھی نظر نہیں آرہی تھیں۔ پچھلی بار سندس جبیں کا نام دیکھ کر دلی طور پر خوش ہوئی۔

اقرا الیاس خوش رہو، نومبر کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ انشاء اللہ آئندہ شمارہ آپ کے نئے ایڈریس پر ہی ارسال کیا جائے گا۔ آپ کی رائے ان سطور کے ذریعے مصنفین کو پہنچائی جارہی ہے اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا۔ شکریہ!

سمعارا انعم بھٹی ڈیرہ غازی خان سے تشریف لائی ہیں وہ اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کر رہی ہیں نومبر کا شمارہ اس ماہ جلد مل گیا۔ شادیوں کے سیزن کے حساب سے ٹائٹل بہترین لگا۔ فہرست میں اقرا الیاس کا نام دیکھا اور سیدھے اس کی تحریر میں جا پہنچے، اس کے بعد کس قیامت کی یہ نام میں انٹری دی خطوط کی تعداد اس ماہ تو بہت کم تھی، جنہوں نے لکھے ان کے تبصرے بہترین

ہے اس پر آپ کے جوابات تفصیلی ہوتے ہیں۔
"کچھ باتیں ہماریاں ہیں" تلخ تجزیہ تھا حمد ونعت کے کیا ہی لکھنے ماشاء اللہ پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں، قرض کے بارے میں بھی پڑھ کر معلومات ملیں۔ اللہ کریم لکھنے والے کو اس کا اجر دے۔ مستقل سلسلوں میں حاصل مطالعہ سب سے بہترین تھا۔ رنگ حنا، انشاء نامہ ہمیشہ کی طرح بہترین تھے باقی رہ گئے 'بیاض اور ڈائری' تو وہ بھی ٹھیک ہی تھے کیونکہ مجھے شاعری سے کوئی خاص دلچسپی نہیں، افسانوں میں، جنگ بقا، اقرا الیاس سے آغاز کیا اور افسانے میں اقرا نے پروفیسر صاحب سے جو باتیں کہلائی وہ سیدھا دل میں اتر گئیں۔ امید صبح و جمال، ام مریم کا ناول اب آگے بڑھ رہا ہے۔
مریم جی آیت کے بلاوجہ کے نخرے ہضم نہیں ہو رہے۔ صندلین کو پامسٹری بابا نے کیا پیشین گوئی کر دی صندلین کے ساتھ ساتھ میں بھی دھک رہ گئی ۔ میری موسٹ فیورٹ لکھاری، سدرۃ المنتہیٰ ہیں ان کا ناول "اسیر عشق" اختتام پزیر ہو رہا ہے دل ابھی سے اداس ہونے لگا ہے۔ اس ماہ کی تحریر بھی بہترین تھی آخری قسط کا شدت سے انتظار ہے۔
یقیناً چیزل، حبیب صاحب کا بیٹا ہرگز نہیں فوزیہ آپی نیکسٹ ناول کس کا ہوگا پلیز ضرور بتائیے گا نئے سال کا تحفہ ہوگا آپ کی طرف سے اگر مصنفہ ہماری پسندیدہ ہوئیں تو افسانہ پارسا، زارا ہنجرا کا بھی بے حد پسند آیا۔ ناولٹ "قربت ہجر میں" ندا حسنین کی تحریر بہترین ہے ویسے اگر دیکھا جائے تو 2020 کا سب سے بہترین ناولٹ "شفق افتخار اے عشق قضانہ کرنا" تھا۔ خیر اگلا ناولٹ احساس، نائلہ بھٹی نے بھی اچھی کوشش کی جبکہ مکمل ناول اے دل تو ہی بتا، دوسرا اور آخری قسط حسب توقع تھی اور اینڈ بھی حسب منشاء تھا کہ ارمان ہی اصل ہیرو تھا۔ منشاء کا محبت کم نہیں ہوگی۔ علینہ قریشی، نیا نام اور بہترین کام جبکہ سینئر مصنفہ تحسین اختر کافی عرصہ بعد نظر آئیں ناولٹ "محبت مار دیتی ہے" کے ساتھ اور چھا گئیں، نومبر کا شمارہ بے حد پسند، فوزیہ آپی میرا ناول، 'کھلے دل کے کواڑ' کب تک شامل اشاعت ہوگا پلیز ضرور بتائیے گا۔
سمعارا النم کیسی ہو ڈیئر، نومبر کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ! نیا ناول کس کا شروع کر رہے ہیں یہ آپ سب کے لئے ایک سرپرائز ہے اس یقین کے ساتھ قارئین کو پسند آئے گا، آپ کا ناول انشاء اللہ نئے سال میں شائع ہوگا اپنا خیال رکھنا اور اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہنا۔ شکریہ!

رابعہ سعید جھنگ سے لکھتی ہیں:

نومبر کا شمارہ عائزہ خان کے خوبصورت سراپے سے سجا ملا۔ اسلامیات والے حصہ کو سب سے پہلے پڑھا اور ایمان کو تازہ کیا، حمد ونعت ہمیشہ کی طرح دل و روح میں اتر گئیں۔ آپی یہاں مجھے آپ سے ایک بات پوچھنا ہے کہ میرے بھائی بہت اچھے نعت گو ہیں وہ نعت خود ہی لکھتے ہیں کیا میں آپ کو ان کا کلام بھیج دوں آپ شائع کریں گی پلیز ضرور بنائے گا۔ انشاء اللہ میں انشاء جی 'سائنسدان کا قصہ' سنا۔ قصہ سنانے کا اندازہ اتنا دلنشین ہے ہم اس میں کھو کر رہ گئے، سب سے پہلے ہم ناولٹ کے صفات کو کھولا اور ندا حسنین کا ناولٹ قربت ہجر میں محبت، کو پڑھا، زبردست ندا آپ نے اس ماہ بھی بہت جاندار قسط لکھی۔ شاہ ویز کی بدتمیزی کے سامنے شمع کی دلیری دل کو بھا گئی۔ پلیز ندا جی شمع کے ساتھ کچھ غلط نہ کیجئے اس بیچاری کی زندگی میں تو پہلے ہی بہت کم خوشیاں ہیں، نجم السحر یعنی شمع کی دادی

کے بارے میں جاننے کا تجسس بے حد بڑھ گیا ہے کہ آخر ایسا کیا ہے اس میں راز جو شاہ ویز کے والد اور دادا اس سے اتنا خوفزدہ ہیں۔ اور پلیز ندا جی کچھ غیرت شافع الدین یعنی شمع کے والد کی بھی جگا دیں، اور یہ کیا آپی جنگ بقا، اقرا الیاس کی تحریر ناولٹ والے پوزیشن میں نظر آئی مگر بڑھنے لگے تو تین صفات حیرانگی سی حیرانگی، یہی حال زارا ابنجر اکی تحریر پارسا کا تھا، نائلہ بھٹی کا ناولٹ واحساس نے کچھ خاص متاثر نہیں کیا یہ موضوع بہت پرانا ہو چکا۔ شاگرد نے استاد سے شادی کر لی اور پھر کچھ عرصہ بعد اس سے بیزار ہونے لگا۔ ایسی تحریریں بہت پڑھ چکے۔ سچ پوچھیں یہ نائلہ بھٹی کی یہ تحریر ایک سینئر مصنفہ کی تحریر کی کاپی لگی، زارا ابنجر اکا افسانہ بھی کچھ ایسا ہی تھا گھسا پٹا موضوع لئے ہوئے، زارا جی آپ کے اندر صلاحیت ہے تو آپ نئے موضوع تلاش کریں تحسین اختر کا مکمل ناول، محبت مار دیتی، پڑھ کر دل اداس ہو گیا ستارہ کو محبت کی سزا اتنی کیوں ملی کہ وہ مٹی میں مل گئی پلیز تحسین آپی آپ اینڈ ہیپی بھی کر سکتی تھیں، جبکہ فوزیہ سرور کا مکمل ناول ''اے محبت تو ہی بتا'' کا دوسرا حصہ بالکل ایسا ہی تھا جیسا ہم نے سوچا تھا۔ فوزیہ آپ کی یہ تحریر آپ کی پچھلی تحریر کی طرح سو سو ہی رہی اور ہاں آپ کو شادی کی بے حد مبارک باد۔

مستقل سلسلے سبھی اچھے تھے۔ رنگ حنا اور حنا کی محفل نے ہمیشہ کی طرح ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر دی جبکہ ڈائری اور بیاض میں سب کا ذوق بہترین تھا، اور یہ کیا کس قیامت کے یہ نامے سردی کی آمد کے ساتھ سکڑ کر کم ہونے لگے ہیں، سلسلے وار ناول، اسیر عشق، سدرۃ المنتہیٰ کا ناول دسمبر میں اینڈ ہو جائے گا پڑھ کر دل اُداس ہو گیا، سدرہ کے کردار ہمارے آس پاس بس گئے تھے میں چلتے پھرتے، چیزل اور پربھات کی نئی زندگی کی شروعات کا سوچتی رہتی ہوں یہاں تک کے میری سوچ میں ان دونوں کے متوقع ڈائیلاگ بھی ادا ہوتے رہتے ہیں۔ سدرۃ المنتہیٰ جی آپ گریٹ ہو'' اپنی نیا ناول کس کا ہوگا پلیز کسی ایسی مصنفہ کا لگایئے گا جو بہت سے کرداروں کو ساتھ لیکر چلے۔ اب آخر میں بات ام مریم کی تحریر کی۔ ''امید صبح جمال'' کی آپی مریم آپ کے ہر ناول میں ایک کردار آپ کا فیورٹ ہوتا ہے اور اس ناول میں آیت آپ کی فیوٹ لگ رہی ہے نک چڑھی سی۔ غلطی پر ہو کر بھی خود کو درست سمجھتی ہے۔ معیز کو تو نخرے یوں دکھاتی ہے جیسے وہ ہزار منت و مرادوں کے بعد اس کو بیاہ کے لایا ہو اور یہ سلمان بٹ کیا زبردست ہیرو ڈالا ہے آپ نے جی دار بندہ، محبت کے لئے مر مٹنے والا اور اب آخر میں آپی میری بھی وہی فرمائش جو ہر ماہ کوئی نہ کوئی قاری آپ سے کرتی رہتی ہے کہ پلیز، پلیز کہیں سے مدیحہ تبسم، فوزیہ غزل، راحیلہ سمیع کو ڈھونڈ کر لائیں اللہ اللہ کر کے سندس صاحبہ تو تشریف لے آئیں میں ان سے طویل تحریر لکھوائیں اب آپ۔

رابعہ سعید سب سے پہلے یہ بتایئے کہ یہ آپ اتنا عرصہ کہاں غائب رہیں ہیں خیریت تھی نہ؟ نومبر کے شمارے کے بعد آپ کا تبصرہ اچھا لکھا، احساس ناولٹ کے لئے یہی کہیں گے کہ ایک ہی واقعہ بہت سارے لوگوں کی نظروں سے گزرتا ہے اور وہ اس کو اپنے اپنے انداز میں بیاں کرتے ہیں۔ بہر حال آپ کا پیغام ان سطور کے ذریعے زارا اور نائلہ بھٹی تک پہنچ گیا ہے دیکھتے ہیں وہ آپ کی رائے کا کیا جواب دیتی ہیں۔

نئے ناول کے سلسلے میں سمعا وا النعم والا ہی جواب۔ باقی اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیئے گا ہمیں اچھا لگا شکریہ۔